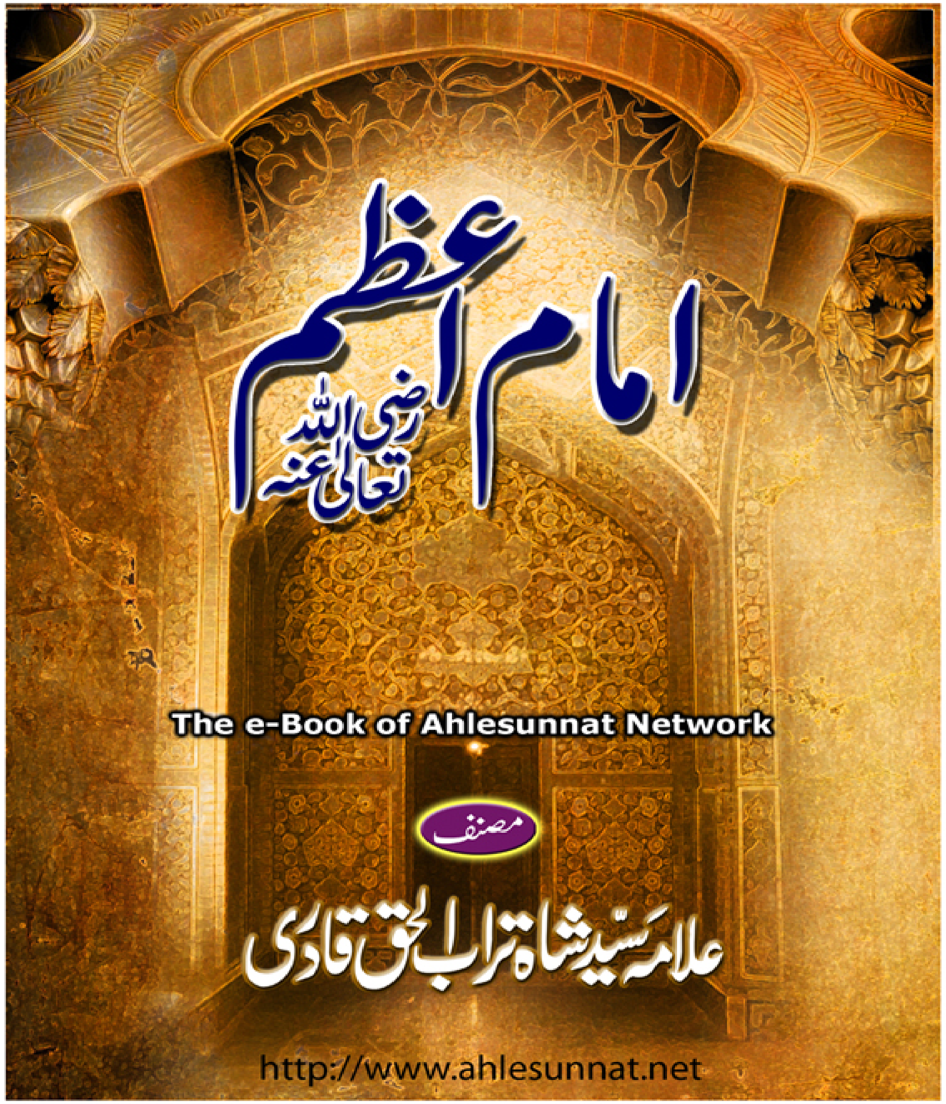

بسم اللہ الرحمن الرحیم والصلوۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

باب اول (1)

نام ونسب:

سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا اسمِ گرامی ''نعمان'' اور کنیت ''ابوحنیفہ'' ہے۔

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ آپ کے نام کے متعلق یہ لطیف نکتہ لکھتے ہیں، نعمان کے معنی لغت میں اس خون کے ہیں جس پر بدن کا سارا ڈھانچہ قائم ہوتا ہے اور اسکے ذریعہ جسم کے تمام اعضاء کام کرتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ اسکے معنی روح کے ہیں تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ امامِ اعظم کی ذاتِ گرامی دستورِ اسلام کے لیے بنیاد ومحور اور فقہی مسائل وتعلیمات کے لیے روح کی طرح ہے۔ (الخیرات الحسان: ۷۰)

سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے والدِ گرامی کا نام ''ثابت'' ہے۔ آپ کے پوتے حضرت اسماعیل بن حماد رحمہما اللہ فرماتے ہیں،

میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔ ہم لوگ فارسی النسل ہیں اور خدا کی قسم! ہم کبھی کسی کی غلامی میں نہیں رہے۔ ہمارے دادا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ انکے دادا اپنے نومولود بیٹے ثابت کو لیکر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انکے لیے اور انکی اولاد کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعا ہمارے حق میں ضرور قبول فرمائی ہے۔ (تبییض الصحیفہ: ۵)

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعاؤں کا ثمر ہے کہ حضرت ثابت رحمہ اللہ کے گھر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ امام اعظم کے دادا نعمان بن مرزبان کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے گہرے تعلقات تھے۔ آپ نے نوروز کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فالودہ کا تحفہ بھیجا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہمارے لیے ہر دن نوروز ہے۔ (ایضاً)

ان روایات میں حضرت اسماعیل رحمہ اللہ نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دادا کا نام نعمان بن مرزبان بتایا ہے جبکہ بعض روایات میں انکا نام زوطی بن ماہ بیان ہوا ہے۔ اس اختلاف کی توجیہ علماء نے یہ کی ہے کہ ایک راوی نے انکے نام لکھے ہونگے اور دوسرے نے القاب بیان کیے ہونگے۔ بعض کے بقول جب زوطی ایمان لائے تو انکا نام نعمان سے بدل دیا گیا اسلیے اسماعیل رحمہ اللہ نے سلسلہ نسب کے بیان میں زوطی کا اسلامی نام نعمان لیا اور اسلامی حمیت کا یہی تقاضا تھا۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۵۴)

امام اعظم کی کنیت:

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی کنیت ابوحنیفہ تھی۔ اکثر تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے صرف ایک بیٹے حماد تھے۔ انکے علاوہ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ آپ کی کنیت ''ابوحنیفہ'' کی مندرجہ ذیل توجیہات بیان کرتے ہیں:-

☆...... ''حنیفہ'' حنیف کا تانیث ہے جس کے معنی ہیں، عبادت کرنے والا اور دین کی طرف راغب ہونے والا۔

☆...... آپ کا حلقۂ درس وسیع تھا اور آپکے شاگرد اپنے ساتھ قلم دوات رکھا کرتے تھے۔ چونکہ اہلِ عراق دوات کو حنیفہ کہتے ہیں اس لیے آپ کو ابوحنیفہ کہا گیا یعنی دوات والے۔

☆...... آپ کی کنیت وضعی معنی کے اعتبار سے ہے یعنی ابوالملۃ الحنیفہ۔ قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا ہے،

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا۔ (آلِ عمران: ۹۵) امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابوحنیفہ اختیار کی۔ اسکا مفہوم ہے، ''باطل ادیان کو چھوڑ کر دینِ حق اختیار کرنے والا''۔ (الخیرات الحسان: ۷۱)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ذکر اسی کنیت کے ساتھ ''توریت'' میں آیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ذکر توراۃ میں ہے۔ حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی اس میں ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں ایک نور ہوگا جس کی کنیت

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 1/51

ابوحنیفہ ہوگی"۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے لقب سراج الامۃ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (تعارف فقہ وتصوف:۲۲۵)

بشاراتِ نبوی ﷺ:

علامہ موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ (م ۵۶۸ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا،

"میری امت میں ایک مرد پیدا ہوگا جس کا نام ابوحنیفہ ہوگا، وہ قیامت میں میری امت کا چراغ ہے"۔ (مناقب للموفق:۵۰)

آپ نے یہ روایت بھی تحریر کی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! حضرت لقمان کے پاس حکمت کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ اگر وہ اپنے خرمنِ حکمت سے ایک دانہ بیان فرماتے تو ساری دنیا کی حکمتیں آپکے سامنے دست بستہ کھڑی ہوتیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ کو خیال آیا کہ کاش میری امت میں کوئی شخص ایسا ہوتا جو حضرت لقمان کی حکمت کا سرمایہ ہوتا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! آپ کی امت میں ایک ایسا مرد ہوگا جو حکمت کے خزانے سے ہزاروں حکمتیں بیان کرے گا اور آپ کی امت کو آپکے احکام سے آگاہ کرے گا۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور انکے منہ میں اپنا لعابِ دہن عنایت فرمایا اور وصیت کی کہ ابوحنیفہ کے منہ میں یہ امانت ڈالنا۔ حضور ﷺ کی یہ امانت یعنی لعابِ دہن امام اعظم کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وساطت سے ملی۔ (ایضاً:۵۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا، میری امت میں ایسا شخص پیدا ہوگا جسے نعمان کہا جائے گا اور اسکی کنیت ابوحنیفہ ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ کے دین اور میری سنت کو زندہ کرے گا۔ (ایضاً:۵۱)

اس طرح کی اور بھی روایات ہیں جن میں نبی کریم ﷺ نے آپ کا نام لے کر آپ کی فضیلت بیان کی ہے لیکن ان احادیث پر بعض لوگوں نے جرح کی ہے البتہ نبی کریم ﷺ کی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ایک بشارت ایسی ہے کہ جس پر محدثین کرام متفق ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

"نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں امام مالک رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بشارت دی، "ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ اونٹوں پر سوار ہوکر علم کی تلاش میں نکلیں گے مگر مدینہ منورہ کے ایک عالم سے بڑھ کر کسی کو نہ پائیں گے"۔

اور ایک حدیث میں امام شافعی رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بشارت دی کہ "قریش کو برا نہ کہو کیونکہ ان میں کا ایک عالم زمین کو علم سے بھر دے گا"۔

اور میں کہتا ہوں کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لیے اس حدیث میں بشارت دی ہے جسے حافظ ابونُعیم نے الحلیہ میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا، "اگر علم ثریا کے پاس ہوتو فارس کے جوانمردوں میں سے ایک مرد ضرور اس تک پہنچ جائے گا"۔

اور شیرازی نے "الالقاب" میں قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا، "اگر علم ثریا یعنی آسمان کے پاس ہوتو بھی مردانِ فارس سے کچھ لوگ ضرور اسے حاصل کرلیں گے"۔ یہ حدیث امام طبرانی نے بھی معجمِ کبیر میں روایت کی ہے۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس کے الفاظ صحیح بخاری و مسلم میں یہ ہیں، لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَالثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَہٗ رِجَال" مِنْ فَارِسَ۔ "اگر ایمان ثریا کے پاس ہوتو فارس کے کچھ لوگ اسکو ضرور حاصل کرلیں گے"۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں،

لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَالثُّرَیَّا لَذَھَبَ بِہٖ رَجُل" مِنْ اَبْنَاءِ فَارِسَ حَتّٰی یَتَنَاوَلَہٗ "اگر ایمان ثریا کے پاس ہوتو مردانِ فارس میں سے ایک شخص اس تک پہنچ جائے گا اور اس کو حاصل کرلے گا"۔

نیز معجمِ کبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقا و مولیٰ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا، "اگر دین آسمان کے پاس ہوتو یقیناً فارس کے کچھ لوگ اسے ضرور حاصل کرلیں گے"۔

ان روایات کے بعد امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "یہ ایک صحیح اصل ہے جس سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی شان اور فضیلت ثابت ہورہی ہے اور یہ امام

مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی حدیثوں کی مانند اور مثل ہے۔ اور یہ صحیح اصل، ہمیں موضوع خبروں سے بے نیاز کردیتی ہے"۔ (تبییض الصحیفہ:۷)

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آقا و مولیٰ ﷺ نے سورۃ جمعۃ کی آیت **و آخرین منھم لما یلحقوا بھم** تلاوت فرمائی تو کسی نے دریافت کیا، آقا! یہ دوسرے لوگ کون ہیں جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے؟ آپ جواب میں خاموش رہے۔ جب بار بار سوال کیا گیا تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر اپنا مبارک ہاتھ رکھ کر فرمایا،

لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَالثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رِجَال" اَوْ رَجُل" مِنْ ھٰؤُلَاءِ۔

"اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو اس کی قوم کے لوگ اس کو ضرور حاصل کرلیں گے"۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر باب الجمعۃ)

امام سیوطی اور دیگر ائمہ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے بخاری و مسلم کی ان احادیث سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہی کو مراد لیا ہے کیونکہ فارس کے علاقوں سے کوئی ایک شخص بھی امامِ اعظم جیسے علم و فضل کا حامل نہ ہوا اور نہ ہی کسی کو آپ جیسا بلند مقام نصیب ہوا۔

یہ بات بھی توجہ کے لائق ہے کہ امام جلال الدین سیوطی، امامِ اعظم ابوحنیفہ کے مقلد نہیں بلکہ امام شافعی کے مقلد ہیں نیز حافظ ابن حجر ہیتمی مکی بھی حنفی نہیں بلکہ امام شافعی کے مقلد ہیں اور ان دونوں بزرگوں نے امام اعظم کی فضیلت پر بالترتیب "تبییضِ الصحیفہ" اور "الخیرات الحسان" تحریر کیں اور بخاری و مسلم کی مذکورہ حدیث کا مصداق امام ابوحنیفہ ہی کو قرار دیا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں، "امام ابوحنیفہ کی شان میں آقا و مولیٰ ﷺ کے اس ارشاد سے بھی استدلال ہوسکتا ہے کہ:

انہ قال ترفع زینۃ الدنیا سنۃ خمسین ومائۃ ۔ "دنیا کی زینت ایک سو پچاس سن ہجری میں اٹھالی جائے گی"۔ اس حدیث کی شرح میں شمس الائمہ امام کردری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہ پر صادق آتی ہے کیونکہ آپ ہی کا انتقال اس سن میں ہوا"۔ (الخیرات الحسان:۵۳)

علماء کرام نے اس حدیث کا مصداق سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کو اس لیے قرار دیا کیونکہ اُس سال دنیا کے سب سے بڑے اور معروف جس عالمِ دین کا وصال ہوا، وہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

آپ کا سنِ ولادت:

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سنِ ولادت میں اختلاف ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ علامہ شاہ ابوالحسن زید فاروقی رحمہ اللہ کے بقول امامِ اعظم کا یہ سنِ ولادت "اہلِ حدیث" نے مشہور کیا ہے۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم:۶۳)

خطیب بغدادی روایت کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی ولادت ۶۱ھ میں اور وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳:۳۳۰)

اس پر علماءِ ازہر نے درج ذیل حاشیہ لکھا ہے۔ "قدیم علماء کرام کی وہ جماعت، جس نے امام ابوحنیفہ کی ان روایات کی تدوین کی ہے جو آپ نے صحابہ کرام سے کی ہیں، اس نے اس قول کی طرف میلان کیا ہے جیسے ابومعشر طبری شافعی وغیرہ"۔

"حضرت امامِ اعظم ۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ سنِ ولادت میں اختلاف ہے۔ علامہ کوثری مصری رحمہ اللہ نے ۷۰ھ کو دلائل و قرائن سے ترجیح دی ہے۔ آپ ۸۷ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گئے۔ وہاں صحابیِ رسول حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کی زیارت کی اور ان سے حدیث سنی۔ ۹۶ھ میں پھر حج کو گئے اور جو صحابہ زندہ تھے ان سے ملے"۔ (سوانح بے بہائے امامِ اعظم:۶۲ بحوالہ مقدمہ انوار الباری)

علامہ قاضی ابوعبداللہ حسین بن علی صیمری اور امام ابن عبدالبر متصل سند سے قاضی القضاۃ امام ابویوسف رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے سنا کہ میں ۹۳ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گیا۔ اسوقت میری عمر سولہ سال تھی۔ وہاں میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جن کے گرد لوگوں کا ہجوم تھا۔ میرے والد نے بتایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ ہیں اور لوگ انکے گرد اس لیے جمع ہیں تاکہ ان سے رسول کریم ﷺ کی حدیثیں سنیں۔ میں نے عرض کی، آپ مجھے بھی انکے پاس لے جائیں تاکہ میں بھی حدیث شریف سن لوں۔ چنانچہ وہ مجمع کو چیرتے ہوئے مجھے لیکر آگے بڑھے یہانتک کہ میں انکے قریب پہنچ گیا اور میں نے انہیں یہ فرماتے سنا۔ "میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہے کہ جس

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 2/51

نے دین کی سمجھ حاصل کرلی، اسکی فکروں کا علاج اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور اسے اس طرح روزی دیتا ہے کہ اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا''۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی اس روایت سے ظاہر ہے کہ امامِ اعظم کی ولادت ۷۷ھ کی ہے۔ اسکے متعلق علامہ ابوالحسن زید فاروقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''عاجز کے نزدیک یہ روایت دوسری روایتوں سے ارجح اور قابلِ اعتماد ہے اور حضرت امامِ عالی مقام کا سالِ ولادت ۷۷ھ ہے''۔ (سوانح بے بہائے امامِ اعظم: ۶۲ بحوالہ اخبارِ ابی حنیفہ و جامع بیان العلم)

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمہ اللہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سنِ ولادت کے متعلق فرماتے ہیں،

''زیادہ تر لوگ ۸۰ھ کو ترجیح دیتے ہیں لیکن بہت سے محققین نے ۷۰ھ کو ترجیح دی ہے۔ اس خادم کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے کہ حضرت امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی''۔ (مقدمہ نزھۃ القاری شرح بخاری: ۱۶۹)

امامِ اعظم تابعی ہیں:

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں، ''علامہ ذہبی سے منقول صحیح روایت سے ثابت ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے بچپن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا دیدار کیا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ امامِ اعظم نے فرمایا، ''میں نے کئی مرتبہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کی، وہ سرخ خضاب لگاتے تھے''۔ اکثر محدثین کا اتفاق ہے کہ تابعی وہ ہے جس نے کسی صحابی کا دیدار کیا ہو''۔ (الخیرات الحسان: ۷۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا وصال ۹۵ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۹۳ھ میں ہوا۔ (تہذیب التہذیب ج ۱: ۳۷۸)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے تابعی ہونے کے متعلق جب شیخ الاسلام حافظ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے یہ جواب دیا،

''امام ابو حنیفہ نے صحابہ کرام کی ایک مبارک جماعت کو پایا ہے۔ آپ کی ولادت (ایک روایت کے مطابق) ۸۰ھ میں کوفہ میں ہوئی۔ وہاں اسوقت صحابہ کرام میں سے سیدنا عبداللہ بن ابی اوفٰی موجود تھے۔ انکا وصال ۸۸ھ میں یا اسکے بعد ہوا۔ اسی زمانہ میں بصرہ میں سیدنا انس بن مالک تھے۔ انکا انتقال ۹۰ھ میں یا اسکے بعد ہوا۔ ابن سعد نے مضبوط سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انس کو دیکھا ہے۔ ان دونوں صحابیوں کے علاوہ بھی بکثرت صحابہ مختلف شہروں میں انکے بعد زندہ موجود تھے۔ رضی اللہ عنہم

بلاشبہ بعض علماء نے امامِ اعظم کی صحابہ کرام سے مرویات کے بارے میں رسالے تصنیف کیے ہیں لیکن انکی اسناد وہاں ضعف سے خالی نہیں۔ میرے نزدیک مستند بات یہ ہے کہ امامِ اعظم نے بعض صحابہ کرام کو دیکھا اور ان سے ملاقات کی جیسا کہ مذکور ہوا، یہ بات ابن سعد نے بھی کہی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ امامِ اعظم تابعین کے طبقہ میں سے ہیں اور یہ بات بلادِ اسلامیہ میں انکے ہمعصر کسی امام کے لیے ثابت نہیں خواہ شام میں امام اوزاعی ہوں یا بصرہ میں حماد ین ہوں یا کوفہ میں امام ثوری ہوں یا مدینہ میں امام مالک ہوں یا مصر میں لیث بن سعد ہوں۔ (تبییض الصحیفہ: ۹)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابو معشر طبری شافعی رحمہ اللہ نے ایک رسالہ میں صحابہ کرام سے امامِ اعظم کی مروی احادیث بیان کی ہیں اور فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ کے ان سات صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے۔

(۱) سیدنا انس بن مالک (۲) سیدنا عبداللہ بن حارث بن جزء (۳) سیدنا جابر بن عبداللہ (۴) سیدنا معقل بن یسار (۵) سیدنا واثلہ بن الاسقع (۶) سیدنا عبداللہ بن انیس (۷) سیدتنا عائشہ بنت عجرد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

امامِ اعظم نے سیدنا انس سے تین حدیثیں، سیدنا واثلہ سے دو حدیثیں جبکہ سیدنا جابر، سیدنا عبداللہ بن انیس، سیدتنا عائشہ بنت عجرد اور سیدنا عبداللہ بن جزء سے ایک ایک حدیث روایت فرمائی ہے۔ آپ نے سیدنا عبداللہ بن ابی اوفٰی سے بھی ایک حدیث روایت فرمائی ہے اور یہ تمام احادیث ان طریقوں کے سوا بھی وارد ہوئی ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین (تبییض الصحیفہ: ۷)

سات صحابہ کرام سے احادیث روایت کرنے کا ذکر خود امامِ اعظم نے بھی کیا ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے، ''میں رسول کریم ﷺ کے سات صحابہ سے ملا ہوں اور میں نے ان سے احادیث سنی ہیں''۔ (مناقب للموفق: ۶۰)

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کو سات صحابہ کرام سے براہِ راست احادیث سننے کا شرف حاصل ہے۔

درِمختار میں ہے کہ امامِ اعظم نے بیس (۲۰) صحابہ کرام کا دیدار کیا ہے۔ خلاصۃ اکمال فی اسماء الرجال میں ہے کہ آپ نے چھبیس (۲۶) صحابہ کرام کو دیکھا ہے۔ (سوانح بے بہائے امامِ اعظم: ۶۲ از شاہ ابوالحسن زید فاروقی)

اگر امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا سنِ ولادت ۸۰ھ مان لیا جائے تو اسوقت مندرجہ ذیل صحابہ کرام مختلف شہروں میں موجود تھے۔

۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری رضی اللہ عنہ متوفی ۸۱ھ۔
۲۔ حضرت طارق بن شہاب کوفی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۲ھ۔
۳۔ حضرت عمر بن ابی سلمۃ رضی اللہ عنہ متوفی ۸۳ھ۔
۴۔ حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ متوفی ۸۳ھ یا ۸۵ھ یا ۸۶ھ۔
۵۔ حضرت عبداللہ بن جزء رضی اللہ عنہ متوفی ۸۵ھ۔
۶۔ حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ متوفی ۸۵ھ۔
۷۔ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۶ھ۔
۸۔ حضرت قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ متوفی ۸۶ھ۔
۹۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۷ھ یا ۸۸ھ۔
۱۰۔ حضرت عتبہ بن عبدالسلمی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۷ھ۔
۱۱۔ حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ متوفی ۸۷ھ۔
۱۲۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ھ یا ۹۱ھ۔
۱۳۔ حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ھ یا ۹۶ھ۔
۱۴۔ حضرت عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ متوفی ۸۹ھ۔
۱۵۔ حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ۔
۱۶۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ یا ۹۲ھ یا ۹۴ھ۔
۱۷۔ حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ یا ۹۹ھ۔
۱۸۔ حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ متوفی ۹۲ھ۔
۱۹۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۹۲ھ یا ۹۳ھ یا ۹۵ھ۔
۲۰۔ حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ متوفی ۹۴ھ۔
۲۱۔ حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ متوفی ۹۶ھ۔
۲۲۔ حضرت ابو امامہ انصاری رضی اللہ عنہ متوفی ۱۰۰ھ۔
۲۳۔ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ متوفی ۱۰۲ھ یا ۱۱۰ھ۔
۲۴۔ حضرت ابوالبداح رضی اللہ عنہ متوفی ۱۱۷ھ۔

اب اگر امام سیوطی رحمہ اللہ کی تحریر کردہ فہرست سے بقیہ نام (حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت معقل بن یسار، حضرت عبداللہ بن اُنیس، حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہم) بھی اس فہرست میں شامل کر لیے جائیں تو صحابہ کرام کی یہ تعداد 28 تک پہنچ جاتی ہے۔ چونکہ محققین علماء کے نزدیک امامِ اعظم کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی ہے اس لیے انہیں مزید اِن 16 صحابہ کرام کا زمانہ بھی نصیب ہوا۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ متوفی ۷۳ھ...... ۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۷۳ھ...... ۳۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ متوفی ۷۳ھ ...... ۴۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۷۳ھ...... ۵۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ...... ۶۔ حضرت سلمہ

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 3/51

بن اکوع رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ......۷۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ یا ۷۹ھ......۸۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۵ھ ......۹۔ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۵ھ......۱۰۔ حضرت سائب بن خباب رضی اللہ عنہ متوفی ۷۷ھ...... ۱۱۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ متوفی ۸۰ھ...... ۱۲۔ حضرت عبداللہ بن حوالۃ رضی اللہ عنہ متوفی ۸۰ھ ......۱۳۔ حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ...... ۱۴۔ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ......۱۵۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ......۱۶۔ زید بن خالد رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ۔

آخر الذکر چار صحابہ کرام کا وصال کوفہ میں ہوا ہے اس لیے سنِ پیدائش ۷۰ھ ہونے کی صورت میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے یقینی طور پر ان صحابہ کرام کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہوگا۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی عمر میں پچپن (۵۵) حج کیے ہیں۔ حضور ﷺ کے مشہور صحابی حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ جن کا وصال ۱۰۲ھ میں یا دوسری روایت کے مطابق ۱۱۰ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوا جبکہ امام اعظم نے پہلا حج امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی مشہور روایت کے مطابق سولہ سال کی عمر میں ۹۳ھ میں اور علامہ کوثری مصری رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق ۸۷ھ میں کیا۔

اگر ہم آپ کا سنِ ولادت ۷۷ھ لیں تو امام اعظم نے حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں دس حج کیے اور دوسری روایت کے مطابق (اگر انکا سن وصال ۱۱۰ھ مانیں تو) اٹھارہ حج کیے۔

اگر ہم صرف ان صحابی کی مثال لیں کہ جن کی زیارت وملاقات سے تابعی ہونے کا شرف مل رہا ہو اور اس سعادت کا حصول مشکل بھی نہ ہو تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ امام اعظم دس یا اٹھارہ بار کوفہ سے حج کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے ہوں اور ایک مرتبہ بھی حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کی زیارت کی سعادت حاصل نہ کی ہو جبکہ اُس زمانے میں صحابی کی زیارت کے لیے لوگ دوسرے شہروں کا سفر کیا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی ثابت ہوچکی کہ ۷۷ھ کی پیدائش کے لحاظ سے آپ کی عمر کے آٹھویں سال تک (جبکہ ۷۰ھ کی پیدائش کے لحاظ سے آپکی عمر کے پندرھویں سال تک) حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ (متوفی ۸۵ھ) اور آپکی عمر کے دسویں سال تک (جبکہ ۷۰ھ کی پیدائش کے لحاظ سے سترھویں سال تک) حضرت عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ عنہ (متوفی ۸۷ھ) آپ ہی کے شہر کوفہ میں موجود تھے۔ چنانچہ اُس زمانے کے دستور کے مطابق لامحالہ آپکے گھر والے آپ کو ان صحابہ کرام کی دعاے برکت کے حصول کے لیے انکی بارگاہ میں لے گئے ہونگے۔

آپ کے شرفِ تابعیت کے لیے اتنا ہی کافی ہے لیکن یہ حقیقت بھی ثابت شدہ ہے کہ آپ نے نہ صرف متعدد صحابہ کرام کی زیارت کی بلکہ ان سے احادیث بھی روایت کیں جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی شافعی، امام ابن حجر مکی شافعی اور علامہ علاؤ الدین حصکفی رحمہم اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تابعی ہیں اور ان احادیثِ رسول ﷺ کے مصداق ہیں۔

☆ ''میری امت میں سب سے بہتر میرے زمانے والے ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہیں''۔ (بخاری، مسلم)

☆ ''اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا''۔ (ترمذی، مشکوٰۃ)

علم کی طرف رغبت:

امام اعظم رحمہ اللہ ابتدائی دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تجارت کی طرف متوجہ ہوگئے۔ آپ فرماتے ہیں، میں ایک دن بازار جا رہا تھا کہ کوفہ کے مشہور امام شعبی رحمہ اللہ سے ملاقات ہوگئی۔ انھوں نے مجھ سے کہا، بیٹا کیا کام کرتے ہو؟ میں نے عرض کی، بازار میں کاروبار کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، تم علماء کی مجلس میں بیٹھا کرو، مجھے تمھاری پیشانی پر علم وفضل اور دانشمندی کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ ان کے اس ارشاد نے مجھے بہت متاثر کیا اور میں نے علمِ دین کے حصول کا راستہ اختیار کیا۔ (مناقب للموفق: ۸۴)

امام اعظم رحمہ اللہ نے علم کلام کا گہرا مطالعہ کرکے اس میں کمال حاصل کیا اور ایک عرصہ تک اس علم کے ذریعہ بحث ومناظرہ میں مشغول رہے۔ پھر انھیں الہام ہوا کہ صحابہ اور تابعین کرام ایسا نہ کرتے تھے حالانکہ وہ علم کلام کو زیادہ جاننے والے تھے۔ وہ شرعی اور فقہی مسائل کے حصول اور ان کی تعلیم میں مشغول رہتے تھے۔ چنانچہ آپ کی توجہ مناظروں سے ہٹنے لگی۔ آپ کے اس خیال کو مزید تقویت یوں ہوئی کہ آپ امام حماد رحمہ اللہ کے حلقۂ درس کے

قریب رہتے تھے کہ آپ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے مطابق طلاق دینا چاہتا ہے وہ کیا طریقہ اختیار کرے؟ آپ نے اسے حضرت حماد رحمہ اللہ کی خدمت میں بھیج دیا اور فرمایا کہ وہ جو جواب دیں مجھے بتا کر جانا۔ امام حماد رحمہ اللہ نے فرمایا، وہ شخص عورت کو اس طہر میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو اور پھر اس سے علیحدہ رہے یہاں تک کہ تین حیض گزر جائیں۔ تیسرے حیض کے اختتام پر وہ عورت غسل کرے گی اور نکاح کے لئے آزاد ہوگی۔ یہ جواب سن کر امام اعظم رحمہ اللہ اسی وقت اٹھے اور امام حماد رحمہ اللہ کے حلقۂ درس میں شریک ہوگئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں حضرت حماد رحمہ اللہ کی گفتگو اکثر یاد کرلیا کرتا اور مجھے ان کے اسباق مکمل طور پر حفظ ہوجاتے۔ آپ کے شاگرد جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تو میں ان کی غلطیوں کی نشاندہی کرتا چنانچہ استادِ گرامی حضرت حماد رحمہ اللہ نے میری ذہانت اور لگن کو دیکھ کر فرمایا: ''ابوحنیفہ میرے سامنے صفِ اول میں بیٹھا کرے۔ اس دریائے علم سے سیراب ہونے کا یہ سلسلہ دس سال تک جاری رہا''۔

(مناقب للموفق: ۸۸، الخیرات الحسان: ۸۷)

امام اعظم اپنے استاد کی نظر میں:

امام حماد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی عادت تھی کہ محفل میں آتے تو نہایت خاموش بیٹھتے، اپنے وقار اور آدابِ محفل کو ملحوظِ خاطر رکھتے۔ ہم ان کی نشست و برخاست کو بھی علمی تربیت کا حصہ تصور کرتے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ مشکل سوالات کرنے لگے۔ بعض اوقات مجھے ان کے حل کرنے میں دقت محسوس ہوتی اور مجھے خوف آتا کہ اگر ان کے استفسارات کا تسلی بخش جواب نہ ملا تو وہ مایوس نہ ہوجائیں۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ سارے کوفہ کے لوگوں میں ان کی شناخت ایک فقیہ کی حیثیت سے ہونے لگی۔

وہ بڑے ذہین اور جلدی سمجھنے والے طالب علم تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ عنقریب ایک وقت آنے والا ہے کہ عالم اسلام کے اہل علم وفضل ان کے دسترخوانِ علم سے استفادہ کرنے آنے لگیں گے اور مجھے محسوس ہوا کہ نعمان ایک ایسا آفتاب ہے جو بطنِ گیتی کی تاریکیوں کو چیرتا ہوا کائنات کو روشن کرے گا۔ (مناقب للموفق: ۸۷)

ایک حیران کن خواب:

آپ نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ آپ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کھول کر آپ کے جسم اقدس کی ہڈیاں اپنے سینے سے لگا رہے ہیں۔ یہ خواب دیکھ کر آپ پر سخت گھبراہٹ طاری ہوگئی۔ خوابوں کی تعبیر کے بہت بڑے عالم، جلیل القدر تابعی امام محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ سے اس خواب کی تعبیر پوچھی گئی تو انھوں نے فرمایا: ''اس خواب کا دیکھنے والا حضور ﷺ کی احادیث اور سنتوں کو دنیا میں پھیلائے گا اور ان سے ایسے مسائل بیان کرے گا جن کی طرف کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوا''۔

اس اشارہ غیبی سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو اطمینان اور خوشی حاصل ہوئی اور اس خواب کی تعبیر اس طرح عملی طور پر سامنے آئی کہ آپ نے سارے عالمِ اسلام کو احادیثِ نبوی کے معارف سے آگاہ فرمایا اور ایسے مسائل بیان کیے جن سے عقل حیران ہوئی۔ (الخیرات الحسان: ۹۳، مناقب للموفق: ۹۱)

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، شروع میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نے گوشہ نشین ہونے کا ارادہ فرمالیا تھا کہ دوسری بار پھر امام اعظم رضی اللہ عنہ، آقا و مولیٰ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ نورِ مجسم ﷺ نے فرمایا،

''اے ابوحنیفہ! تیری زندگی احیائے سنت کے لیے ہے تو گوشہ نشینی کا ارادہ ترک کردے''۔ آقا و مولیٰ ﷺ کا یہ فرمانِ عالیشان سن کر آپ نے گوشہ نشین ہونے کا ارادہ ترک فرمادیا۔ (کشف المحجوب: ۱۶۲)

تدریس کی ابتدا:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کو امام حماد رضی اللہ عنہ کے حلقۂ درس میں ہمیشہ نمایاں مقام حاصل رہا۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو خیال آیا کہ اپنا حلقۂ درس علیحدہ قائم کریں۔ جس دن آپ نے حلقہ قائم کرنے کا ارادہ کیا اسی رات کو آپ حضرت حماد رحمہ اللہ کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک ان کو اطلاع ملی کہ ان کے قریبی رشتہ دار کا انتقال ہوگیا ہے چنانچہ وہ سفر پر روانہ ہوگئے اور آپ کو اپنا خلیفہ بنا گئے۔

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 4/51

اُن کی غیر موجودگی میں آپ نے ساٹھ ایسے مسائل پر فتوے دیے جن کے متعلق آپ نے استاد سے نہ سنا تھا۔ بعد میں آپ نے وہ جواب استاد کو دکھائے تو انھوں نے چالیس مسائل سے اتفاق کیا اور بیس مسائل میں اصلاح کی۔ اس وقت امام اعظم رحمہ اللہ نے قسم کھائی کہ جب تک زندگی ہے، امام حماد رحمہ اللہ کی مجلس کو نہیں چھوڑیں گے۔

(الخیرات الحسان: ۸۷)

جب آپ کے استاد امام حماد رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو لوگوں نے ان کے بیٹے سے استدعا کی کہ وہ اپنے والد کی مسند پر تشریف لائیں مگر وہ اس عظیم ذمہ داری کے لئے راضی نہ ہوئے۔ آخر کار امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گزارش کی گئی تو آپ نے فرمایا، میں نہیں چاہتا کہ علم مٹ جائے اور ہم دیکھتے رہ جائیں۔ چنانچہ آپ اپنے استاد مکرم کی مسند پر بیٹھے۔ اہلِ علم کا ایک بڑا حلقہ آپ کے گرد جمع ہونے لگا۔

آپ نے اپنے شاگردوں کے لئے علم و فضل کے دروازے کھول دیے، محبت و شفقت کے دامن پھیلا دیے، احسان و کرم کی مثالیں قائم کر دیں اور اپنے شاگردوں کو اس طرح زیورِ علم سے آراستہ کیا کہ یہ لوگ مستقبل میں آسمانِ علم و فضل کے آفتاب و مہتاب بن کر چمکتے رہیں۔ (مناقب للموفق: ۹۵)

☆☆☆☆

باب دوم(2)

اخلاق و کردار:

سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ میانہ قد، خوبصورت، خوش گفتار اور شیریں لہجے والے تھے۔ آپ کی گفتگو فصیح و بلیغ اور واضح ہوتی۔

ابونعیم رحمہ اللہ کہتے ہیں، ''امامِ اعظم رحمہ اللہ کا چہرہ اچھا، کپڑے اچھے، خوشبو اچھی اور مجلس اچھی ہوتی۔ آپ بہت کرم کرنے والے اور رفیقوں کے بڑے غم خوار تھے''۔

عمر بن حماد رحمہ اللہ کہتے ہیں، '' آپ خوبصورت اور خوش لباس تھے، کثرت سے خوشبو استعمال کرتے تھے، جب سامنے سے آتے یا گھر سے نکلتے تو آپ کے پہنچنے سے پہلے آپ کی خوشبو پہنچ جاتی''۔ (خطیب بغدادی ج ۱۳: ۳۳۰)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے سفیان ثوری رحمہ اللہ سے کہا، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ غیبت کرنے سے کوسوں دور تھے۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے اپنے کسی مخالف کی غیبت کی ہو۔ سفیان رحمہ اللہ نے فرمایا، اللہ کی قسم! وہ بہت عقلمند تھے، وہ اپنی نیکیوں پر کوئی ایسا عمل مسلط نہیں کرنا چاہتے تھے جو انکی نیکیوں کو ضائع کر دے۔

شریک رحمہ اللہ نے کہا، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نہایت خاموش طبع، بہت عقلمند اور ذہین، لوگوں سے کم بحث کرنے والے اور کم بولنے والے تھے۔

ضمرہ رحمہ اللہ کے بقول لوگوں کا اتفاق ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ درست زبان تھے، انہوں نے کبھی کسی کا ذکر برائی سے نہ کیا اور جب ان سے کہا گیا، لوگ آپ پر اعتراض کرتے ہیں اور آپ کسی پر اعتراض نہیں کرتے؟ تو آپ نے فرمایا، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جس کو چاہے عطا کرے۔

بکیر بن معروف رحمہ اللہ نے فرمایا، امتِ محمدی ﷺ میں کوئی شخص، میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان: ۱۳۲)

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے کہا، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے اخلاق بیان کرو۔ انہوں نے فرمایا،

''امامِ اعظم رضی اللہ عنہ حرام چیزوں سے خود بھی بچتے اور دوسروں کو بھی بچانے کی شدید کوشش کرتے۔ بغیر علم کے دین میں کوئی بات کہنے سے بہت ڈرتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں انتہائی مجاہدہ کرتے۔ وہ دنیاداروں سے دور رہتے اور کبھی کسی کی خوشامد نہ کرتے۔ وہ اکثر خاموش رہتے اور دینی مسائل میں غور و فکر کیا کرتے۔ علم و عمل میں بلند رتبہ ہونے کے باوجود عاجزی و انکساری کا پیکر تھے۔

جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو قرآن و سنت کی طرف رجوع کرتے اگر قرآن و سنت میں اس کی نظیر نہ ملتی تو حق طریقہ پر قیاس کرتے۔ اپنے نفس اور دین کی حفاظت کرتے اور راہِ خدا میں علم اور مال و دولت خوب خرچ کرتے۔ انکا نفس تمام لوگوں سے بے نیاز تھا، لالچ اور حرص کی طرف ان کا میلان نہ تھا۔ وہ غیبت کرنے سے بہت دور تھے، اگر کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی سے کرتے''۔

یہ سن کر خلیفہ نے کہا، ''صالحین کے اخلاق ایسے ہی ہوتے ہیں''۔ پھر اس نے کاتب کو یہ اوصاف لکھنے کا حکم دیا اور اپنے بیٹے سے کہا، ان اوصاف کو یاد کر لو۔

(سوانح بے بہائے امام اعظم: ۷۶)

امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''مجھے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیس سال سے زائد مدت گزارنے کی سعادت ملی، میں نے آپ سے زیادہ لوگوں کا خیر خواہ، ہمدرد اور شفقت کرنے والا نہیں دیکھا۔ آپ اہلِ علم کو دل و جان سے چاہتے۔ آپ کے شب و روز اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے وقف تھے۔ سارا دن تعلیم و تدریس میں گزرتا۔ باہر سے آنے والے مسائل کا جواب لکھتے۔ بالمشافہ مسائل پوچھنے والوں کی راہنمائی فرماتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو وہ درس و تدریس کی مجلس ہوتی اور باہر نکلتے تو مریضوں کی عیادت، جنازوں میں شرکت، فقراء و مساکین کی خدمت، رشتہ داروں کی خبر گیری اور آنے والوں کی حاجت روائی میں مشغول ہو جاتے۔ رات عبادت میں گزارتے اور قرآن مجید کی بہترین انداز میں تلاوت کرتے۔ یہی معمولات زندگی بھر قائم رہے یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ (مناقب للموفق: ۴۰۰)

معانی بن عمران الموصلی رحمہ اللہ کہتے ہیں، ''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ میں دس صفات ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی کسی میں موجود ہو تو وہ اپنی قوم کا سردار بن جاتا ہے۔ پرہیزگاری، سچائی، فقہی مہارت، عوام کی خاطر مدارات اور سخاوت، پرخلوص ہمدردی، لوگوں کو نفع پہنچانے میں سبقت، طویل خاموشی (فضول گفتگو سے پرہیز)، گفتگو میں حق بات کہنا اور مظلوم کی معاونت خواہ دشمن ہو یا دوست''۔ (ایضاً: ۲۲۴)

حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''میں بیس سال تک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی خدمت میں رہا۔ اس مدت میں، میں نے انہیں خلوت اور جلوت میں ننگے سر اور پاؤں پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا۔ ایک بار میں نے ان سے عرض کی۔ استادِ محترم! اگر آپ خلوت میں پاؤں دراز کر لیا کریں تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟ فرمایا، خلوت میں ادب ملحوظ رکھنا جلوت کے بہ نسبت بہتر اور زیادہ اولیٰ ہے۔ (حدائق الحنفیہ: ۲۷)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ علم و فضل کی دنیا میں فقہ پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ اپنے احباب کے لئے بے پناہ فکرمند رہتے، علمی حاجات پوری کرنے میں بڑی توجہ اور قابلیت سے حصہ لیتے، جسے پڑھاتے اس کے دکھ درد میں شریک ہوتے۔ غریب و مساکین شاگردوں کا خاص خیال کرتے۔ آپ بعض اوقات لوگوں کو اتنا دیتے کہ وہ خوشحال ہو جاتے۔ آپ کے پاس عقل و بصیرت کے خزانے تھے، اس کے باوجود آپ مناظروں سے اجتناب فرماتے۔ آپ لوگوں سے بہت کم گفتگو فرماتے اور ان سے مسائل میں الجھتے نہیں تھے بلکہ خاموشی اختیار کرتے۔ (مناقب للموفق: ۲۷۶)

امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حسنِ اخلاق کے بارے میں بے شمار واقعات کتب کثیرہ میں موجود ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جس طرح علم و عمل میں بے مثل و بے مثال شان رکھتے ہیں اسی طرح حسن و اخلاق اور سیرت و کردار میں بھی انکا کوئی ثانی نہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے تو گویا سمندر کو کوزے میں سمو کر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا،

''اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو علم و عمل، سخاوت و ایثار اور دیگر قرآنی اخلاق سے مزین کر دیا تھا''۔ (الخیرات الحسان: ۱۳۶)

امام اعظم بحیثیت تاجر:

ریشمی کپڑے کے تاجر کو عربی میں الخزاز کہتے ہیں۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ ریشمی کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ آپ کی تجارت بہت وسیع تھی۔ لاکھوں کا لین دین تھا۔ اکثر شہروں میں کارندے مقرر تھے۔ بڑے بڑے سوداگروں سے معاملہ رہتا تھا۔ اتنے وسیع کاروبار کے باوجود دیانت اور احتیاط کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک آنہ بھی انکی آمدنی میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ چار صفات کی وجہ سے ایک کامل اور ماہر تاجر ہوئے۔

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 5/51

1۔ آپ کا نفس غنی تھا، لالچ کا اثر کسی وقت بھی آپ پر ظاہر نہ ہوا۔
2۔ آپ نہایت درجہ امانت دار تھے۔
3۔ آپ معاف اور درگزر کرنے والے تھے۔
4۔ آپ شریعت کے احکام پر سختی سے عمل پیرا تھے۔

ان اوصافِ عالیہ کا اجتماعی طور پر جو اثر آپ کے تجارتی معاملات پر ہوا، اُسکی وجہ سے آپ تاجروں کے طبقہ میں انوکھے تاجر ہوئے اور بیشتر افراد نے آپکی تجارت کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تجارت سے تشبیہ دی ہے، گویا آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تجارت کی ایک مثال پیش کر رہے ہیں اور آپ ان طریقوں پر چل رہے ہیں جن پر سلف صالحین کا عمل تھا۔ آپ مال خریدتے وقت بھی اسی طرح امانت داری کے طریقے پر عامل رہتے تھے جس طرح بیچنے کے وقت عامل رہا کرتے تھے۔

(سوانح بے بہائے امام اعظم:٦٩)

ایک دن ایک عورت آپ کے پاس ریشمی کپڑے کا تھان بیچنے کے لیے لائی۔ آپ نے اس سے دام پوچھے، اس نے ایک سو بتائے۔ آپ نے فرمایا، یہ کم ہیں، کپڑا زیادہ قیمتی ہے۔ اس عورت نے دو سو بتائے۔ آپ نے پھر کہا، یہ دام کم ہیں۔ اس نے پھر سو اور بڑھائے حتّٰی کہ چار سو تک پہنچ گئی۔ آپ نے فرمایا، یہ چار سو سے زیادہ کا ہے۔ وہ بولی، تم مجھ سے مذاق کرتے ہو؟ آپ نے اسے پانچ سو دیکر وہ کپڑا خرید لیا۔ اس تقوی اور دیانت نے آپ کے کاروبار کو بجائے نقصان پہنچانے کے اور چمکا دیا۔

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے کبھی کسی بیچنے والے کی غفلت اور لاعلمی سے فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ آپ ان کی بھلائی کے لیے ان کی بہترین راہنمائی فرماتے تھے۔ آپ اپنے احباب سے یا کسی غریب خریدار سے نفع بھی نہیں لیا کرتے تھے۔ بلکہ اپنے نفع میں سے بھی اس کو دے دیا کرتے۔

ایک بوڑھی عورت آپکے پاس آئی اور اس نے کہا، (میری زیادہ استطاعت نہیں، اس لیے) یہ کپڑا جتنے میں آپکو پڑا ہے اس دام پر میرے ہاتھ فروخت کر دیں۔ آپ نے فرمایا، تم چار درہم میں لے لو۔ وہ بولی، میں ایک بوڑھی عورت ہوں، میرا مذاق کیوں اڑاتے ہو (کیونکہ یہ قیمت بہت کم ہے)؟ آپ نے فرمایا،

''میں نے دو کپڑے خریدے تھے اور ان میں سے ایک کپڑے کو دونوں کی قیمتِ خرید سے چار درہم کم پر فروخت کر چکا ہوں، اب یہ دوسرا کپڑا ہے جو مجھے چار درہم میں پڑا ہے، تم چار درہم میں اسے لے لو۔''

ایک مرتبہ آپ نے اپنے کاروباری شریک کو بیچنے کے لیے کپڑے کے تھان بھیجے جن میں سے ایک تھان میں کوئی نقص اور عیب تھا۔ اس سے فرمایا، جب اس تھان کو فروخت کرنا تو اس کا عیب بھی بتا دینا۔ اس نے تھان فروخت کر دیے لیکن گاہک سے اس تھان کا عیب بیان کرنا بھول گئے۔ اور یہ بھی نہ یاد رہا کہ وہ عیب دار تھان کس گاہک کو فروخت کیا تھا۔

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ان تمام تھانوں کی قیمت تیس ہزار درہم صدقہ کر دی اور اس شریک کو علیحدہ کر دیا۔ (الخیرات الحسان:١٤٠)

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی زندگی بھر یہ کوشش رہی کہ وہ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم پر زندگی بسر کریں اور آپکے اقوال، افعال اور خصائل کی پیروی کریں، کیونکہ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام سے افضل تھے۔ حضور ﷺ سے قربت اس لیے تھی کہ وہ مزاج شناسِ عاداتِ رسول ﷺ تھے۔ صحابہ کرام میں سب سے بڑھ کر عالم، فقیہ، متقی، پرہیزگار، عبادت گزار، سخی، جواد اور جانثار آپ ہی تھے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تابعین میں سب سے زائد علم والے، سب سے زائد متقی، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ جواد تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ میں دوکانداری کرتے تھے، کپڑے کا کاروبار تھا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں کپڑے کی تجارت کی اور حضور ﷺ کی سنتوں کی معرفت اور دین کی سمجھ بھی حاصل کی۔ اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک ایک لمحہ آپ نے اپنی زندگی میں شامل کر لیا۔ (مناقب للموفق:

١٠٢)

سخاوت:

امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی وسیع تجارت کا مقصد محض دولت کمانا نہیں تھا بلکہ آپ کا مقصد لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا تھا۔ جتنے احباب اور ملنے والے تھے سب کے وظیفے مقرر کر رکھے تھے۔ شیوخ اور محدثین کے لیے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا کہ اس سے جو نفع ہوتا تھا، سال کے سال ان لوگوں کو پہنچا دیا جاتا تھا۔

آپ کا عام معمول تھا کہ گھر والوں کے لیے کوئی چیز خریدتے تو اسی قدر محدثین اور علماء کے پاس بھجواتے۔ اگر کوئی شخص ملنے آتا تو اس کا حال پوچھتے اور حاجت مند ہوتا تو حاجت روائی کرتے۔ شاگردوں میں جس کو تنگ دست دیکھتے اسکی گھریلو ضروریات کی کفالت کرتے تاکہ وہ اطمینان سے علم کی تکمیل کر سکے۔ بہت سے لوگ جو مفلسی کی وجہ سے علم حاصل نہیں کر سکتے تھے، آپ ہی کی دستگیری کی بدولت بڑے بڑے رتبوں پر پہنچے۔ ان میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا نام بہت نمایاں ہے۔

''امامِ اعظم رضی اللہ عنہ تجارت کے نفع کو سال بھر جمع کرتے اور پھر اس سے اساتذہ اور محدثینِ کرام کی ضروریات مثلاً خوراک اور لباس وغیرہ خرید کر ان کی خدمت میں پیش کر دیا کرتے۔ اور جو روپیہ نقد باقی رہ جاتا وہ ان حضرات کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کر کے فرماتے، میں نے اپنے مال میں سے کچھ نہیں دیا۔ یہ سب مال اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس نے اپنے فضل و کرم سے آپ حضرات کے لیے یہ مال مجھے عطا فرمایا ہے جو میں آپکی خدمت میں پیش کر رہا ہوں''۔ (مناقب للموفق:٢٧٦)

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کثرت سے صدقہ دیا کرتے تھے، ان کو جو بھی نفع ہوتا وہ دے دیا کرتے تھے۔ مجھ کو اس کثرت سے تحفے ارسال کیے کہ مجھ کو وحشت ہونے لگی۔ میں نے ان کے بعض اصحاب سے اس کا شکوہ کیا تو انہوں نے کہا، اگر تم ان تحفوں کو دیکھتے جو انہوں نے سعید بن ابی عروبہ رحمہ اللہ کو بھیجے ہیں تو حیران رہ جاتے۔ امام اعظم نے محدثین میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑا کہ جس کے ساتھ بھلائی نہ کی ہو۔ (الخیرات الحسان:١٣٥)

امام مسعر رحمہ اللہ کہتے ہیں، ''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جب بھی اپنے لیے یا اپنے گھر والوں کے لیے کپڑا یا میوہ خریدتے تو پہلے اسی مقدار میں کپڑا یا میوہ علماء و مشائخ کے لیے خریدتے''۔ (ایضاً:١٣٦)

شریک رحمہ اللہ نے کہا، جو شخص آپ سے پڑھتا تو آپ اس کو نان و نفقہ کی طرف سے بے نیاز کر دیا کرتے بلکہ اس کے گھر والوں پر بھی خرچ کرتے تھے اور جب وہ علم پڑھ لیتا تو اس سے فرماتے، ''اب تم کو بہت بڑی دولت مل گئی ہے کیونکہ تم کو حلال و حرام کی پہچان ہوگئی ہے''۔ (ایضاً:١٣٧)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے بیان کیا، ''آپ نے بیس سال تک میرا اور میرے گھر والوں کا خرچہ برداشت کیا اور میں جب بھی آپ سے کہتا کہ میں نے آپ سے زائد دینے والا نہیں دیکھا تو آپ فرماتے، اگر تم میرے استاد امام حماد رحمہ اللہ کو دیکھ لیتے تو ایسا نہ کہتے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا، اگر آپ کسی کو کچھ دیا کرتے تھے اور وہ آپ کا شکریہ ادا کرتا تو آپ کو بڑا ملال ہوتا تھا۔ آپ اس سے فرماتے، ''شکر اللہ تعالیٰ کا ادا کرو کہ اس نے یہ روزی تم کو دی ہے۔ (ایضاً:١٣٦)

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ قمطراز ہیں، ''امامِ اعظم رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ اپنے اصحاب اور ہم نشینوں کی غم خواری اور ان کا اکرام کرنے والے تھے۔ اسی لیے آپ محتاجوں کا نکاح کرا دیتے اور تمام اخراجات خود برداشت کرتے تھے۔ آپ ہر شخص کی طرف اسکے مرتبے کے مطابق خرچ بھیجتے تھے۔

ایک بار آپ نے ایک شخص کو اپنی مجلس میں پھٹے پرانے کپڑے پہنے دیکھا تو جب لوگ جانے لگے آپ نے اسے فرمایا، تم ذرا ٹھہر جاؤ۔ پھر فرمایا، میرے جاءنماز کے نیچے جو کچھ ہے وہ لے لو اور اس سے اپنی حالت سنوارو۔ اس نے جاءنماز اٹھا کر دیکھا تو وہاں ہزار درہم تھے۔ اس نے عرض کی، میں دولتمند ہوں مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ تو آپ نے فرمایا، تم نے یہ حدیث نہیں سنی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کا اثر دیکھنا چاہتا ہے لہذا تم اپنی حالت بدلو، تاکہ تمہیں دیکھ کر کسی کو تمہارے محتاج ہونے کا شبہ نہ ہو، اور تمھارے دوست تمہاری خوشحالی سے خوش ہوں۔ (ایضاً:١٣٣)

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 6/51

ایک مرتبہ آپ کسی بیمار کی عیادت کو جا رہے تھے کہ راستے میں ایک شخص آتا دکھائی دیا جو آپکا مقروض تھا۔ اس نے دور سے آپ کو دیکھ لیا اور منہ چھپا کر دوسری طرف جانے لگا۔ آپ نے اسے دیکھ لیا اور نام لیکر اس کو پکارا وہ کھڑا ہو گیا۔ آپ نے قریب پہنچ کر فرمایا، تم نے مجھے دیکھ کر راستہ کیوں بدلا؟ اس نے عرض کی، میں نے آپکا دس ہزار درہم قرض ادا کرنا ہے، اس شرمندگی کی وجہ سے آپکا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔
آپ نے فرمایا، سبحان اللہ! میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے سارا قرض معاف کر دیا، تم آئندہ مجھ سے منہ نہ چھپانا اور میری وجہ سے جو تمہیں ندامت اور پریشانی ہوئی اس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں۔
یہ روایت بیان کرکے شقیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں، آپ کا یہ حسنِ سلوک دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ آپ سے بڑھ کر شاید ہی کوئی زاہد اور مروت کرنے والا ہو۔ (ایضاً:۱۳۶)
ایک بار حج کے سفر میں عبداللہ بن بکر سہمی رحمہ اللہ کا کسی بدوی سے جھگڑا ہو گیا۔ وہ انہیں امام صاحب کی خدمت میں لے آیا کہ یہ میری رقم ادا نہیں کر رہا۔ انہوں نے انکار کیا۔ آپ نے بدوی سے فرمایا، "تم مجھے بتاؤ تمہارے کتنے درہم بنتے ہیں؟ اس نے کہا، چالیس درہم۔ آپ نے فرمایا، تعجب ہے کہ لوگوں کے دلوں سے مروت و حمیت کا جذبہ ختم ہو گیا۔ اتنی سی رقم پر جھگڑا۔ مجھے تو شرم محسوس ہوتی ہے۔ پھر آپ نے اپنے پاس سے چالیس درہم اس بدوی کو ادا کر دیے۔ (مناقب للموفق:۲۷۲)
جب آپ کے صاحبزادے حماد رحمہ اللہ نے استاد سے سورہ فاتحہ پڑھی تو آپ نے ان کے استاد کو ایک ہزار درہم نذرانہ پیش کیا۔ وہ کہنے لگے، حضور میں نے کون سا اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ آپ اتنی زیادہ رقم کا نذرانہ دے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا آپ نے میرے بیٹے کو جو دولت عنایت کی ہے اس کے سامنے تو یہ نذرانہ بہت حقیر ہے۔ بخدا اگر میرے پاس اس سے زیادہ ہوتا تو وہ بھی پیش کر دیتا"۔ (ایضاً:۲۷۰)
وکیع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مجھ سے فرمایا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشادِ گرامی ہے، چار ہزار یا اس سے کچھ کم نفقہ ہے یعنی سال بھر کے لیے اتنا خرچ کافی ہے۔ اس ارشادِ گرامی کی وجہ سے چالیس سال سے میں کبھی چار ہزار درہم کا مالک نہیں ہوا۔ جب بھی میرے پاس چار ہزار درہم سے زائد مال آتا ہے، میں وہ زائد مال راہِ خدا میں خرچ کر دیتا ہوں۔ اور اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میں لوگوں کا محتاج ہو جاؤں گا تو ایک درہم بھی اپنے پاس نہ رکھتا۔ (الخیرات الحسان:۱۳۴)
امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جس خلوص و فراخدلی سے عوام اور علماء کرام کی خدمت کی، اسکی مثال نہیں ملتی۔ جو لوگ آپ کی مجلس میں یونہی چند لمحے ستانے کے لیے بیٹھ جاتے، وہ بھی آپ کی سخاوت سے فیضیاب ہوتے۔ آپ ان سے بھی انکی ضروریات کے متعلق پوچھتے۔ اگر کوئی بھوکا ہوتا تو اسے کھانا کھلاتے، بیمار ہوتا تو علاج کے لیے رقم دیتے، کوئی حاجت مند ہوتا تو اسکی حاجت روائی کرتے۔ اگر کوئی زبان سے حاجت بیان نہ کرتا تو اسکے کہے بغیر فراستِ باطنی سے اسکا مدعا جان لیتے۔
اس حوالے سے ایک واقعہ پیشِ خدمت ہے جسے علامہ موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کوفہ میں ایک مالدار شخص تھا۔ بڑا خوددار اور حیادار تھا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ وہ غریب اور محتاج ہو گیا۔ وہ بازار جا کر مزدوری کرتا، مشقت اٹھاتا اور صبر کرتا۔ ایک دن اسکی بچی نے بازار میں ککڑی دیکھی۔ گھر آکر ماں سے ککڑی لینے کے لیے پیسے مانگے مگر ماں اس کی خواہش پوری نہ کر سکی۔ گھر کا سامان پہلے ہی بک چکا تھا۔ بچی رونے لگی۔ اس شخص نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ سے امداد لینے کا ارادہ کیا۔ وہ آپ کی مجلس میں آکر بیٹھا مگر شرم و حیا اور خودداری کے باعث اسکی زبان نہ کھل سکی۔ امامِ اعظم رحمہ اللہ نے اپنی فراست سے بھانپ لیا کہ اس شخص کو کوئی حاجت ہے۔ مگر حیا کے باعث یہ سوال نہیں کر رہا۔ جب وہ شخص اٹھ کر وہاں سے جانے لگا تو آپ نے ایک آدمی اس کے پیچھے روانہ کر دیا۔ اس شخص نے گھر جا کر اپنی بیوی کو بتایا کہ میں شرم کے باعث اس بابرکت مجلس میں کچھ نہ مانگ سکا۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے بھیجے ہوئے آدمی نے واپس جا کر یہ سب احوال امام صاحب کے گوش گزار کر دیا۔
جب رات کا ایک حصہ گزر گیا تو امامِ اعظم رضی اللہ عنہ پانچ ہزار درہم کی تھیلی لے کر اس شخص کے گھر پہنچ گئے اور دروازہ کھٹکھٹا کر فرمایا، "میں تمہارے دروازے پر ایک چیز رکھے جا رہا ہوں اسے لے لو"۔ یہ فرما کر آپ واپس آ گئے۔ اسکے گھر والوں نے تھیلی کھولی تو اس میں پانچ ہزار درہم تھے اور ایک کاغذ کے پرزے پر یہ تحریر تھا، "تمہارے دروازے پر ابوحنیفہ یہ تھوڑی سی رقم لے کر آیا تھا یہ اسکی حلال کی کمائی ہے اسے استعمال میں لاؤ اور واپس نہ

کرنا"۔ (مناقب للموفق:۲۸۱)

امانت داری:

حکم بن ہشام رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ لوگوں میں بہت بڑے امانت دار تھے۔ جب خلیفہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اسکے خزانے کے متولی اور نگراں بن جائیں ورنہ وہ انہیں سزا دے گا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کی بجائے خلیفہ کی ایذا رسانی کو قبول فرمالیا"۔ (الخیرات الحسان:۱۴۵)
کیونکہ اکثر بادشاہ اور حکام سرکاری خزانے کا بیجا استعمال کرتے ہیں اور آپ انکے اس ناجائز کام میں حصہ دار نہیں بننا چاہتے تھے۔
حضرت وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "خدا کی قسم! امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بہت بڑے امانتدار تھے۔ انکے دل میں اللہ تعالیٰ کی شان اور اسکا خوف جلوہ گر تھا۔ اور وہ اسکی رضا پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔" (مناقب للموفق:۲۳۳)
عبدالعزیز صنعانی رحمہ اللہ جنہوں نے آپ سے فقہ پڑھی تھی، فرماتے ہیں، جب میں حج پر گیا تو اپنی ایک حسین کنیز امامِ اعظم رحمہ اللہ کے پاس بطور امانت چھوڑ گیا۔ ایک عرصہ بعد جب میں آپ کے پاس حاضر ہوا تو میں نے دریافت کیا، حضور! میری کنیز نے آپکی کیسی خدمت کی؟ آپ نے فرمایا، میں نے اس سے کبھی کوئی کام نہ لیا اور نہ ہی اسے آنکھ اٹھا کر دیکھا کیونکہ یہ آپکی امانت تھی۔ (ایضاً:۲۳۵)
ایک دیہاتی نے آپ کے پاس ایک لاکھ ستر ہزار درہم بطور امانت رکھے مگر وہ فوت ہو گیا۔ اس نے کسی کو بتایا بھی نہ تھا کہ میں نے اس قدر رقم امامِ اعظم کے پاس بطور امانت رکھوائی ہے، اسکے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ جب وہ بالغ ہوئے تو امامِ اعظم رحمہ اللہ نے انہیں اپنے پاس بلایا اور انکے والد کی ساری رقم لوٹا دی اور فرمایا، یہ تمہارے والد کی امانت تھی۔ آپ نے یہ امانت خفیہ طور پر لوٹائی تاکہ لوگوں کو اتنی بڑی رقم کا علم نہ ہو اور وہ انہیں تنگ نہ کریں۔ (ایضاً:۲۳۷)
امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا تقویٰ اور امانت و دیانت کے باعث علماء اور عوام آپکی بے حد عزت کیا کرتے تھے جبکہ مخالفین و حاسدین حسد کی آگ میں جلتے رہتے اور مختلف حربے استعمال کرکے آپ کے مقام و رتبے کو گھٹانے کی مذموم کوشش کرتے۔ ایک بار ایک شخص کے ذریعے آپکے پاس ایک تھیلی امانت رکھوائی گئی جس پر سرکاری مہر بھی لگی ہوئی تھی۔ حاسدوں کی بدگمانی یہ تھی کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ بعد یقیناً اس رقم کو کاروبار میں استعمال کرلیں گے اور اسی پر گرفت کی جائے گی۔
چنانچہ اس منصوبہ بندی کے ساتھ ایک شخص نے کوفہ کے قاضی ابن ابی لیلیٰ کے پاس دعویٰ دائر کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فلاں شخص کا مال تجارت کے لیے اپنے بیٹے کو دے دیا ہے حالانکہ یہ مال امانت کے طور پر رکھوایا تھا۔ چنانچہ امام صاحب کو طلب کیا گیا اور بتایا گیا کہ آپ پر الزام ہے کہ آپ نے فلاں شخص کی امانت اپنے کاروبار میں لگا دی ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ الزام بالکل غلط ہے۔ اسکی امانت جوں کی توں میرے پاس محفوظ ہے۔ اگر آپ چاہیں تو سرکاری نمائندہ بھیج کر تصدیق کرلیں۔ جب وہ لوگ آئے تو آپ کے مال خانے میں وہ امانت ویسی ہی موجود پائی جس پر سرکاری مہر لگی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر سب کو ندامت ہوئی۔ (ایضاً:۲۳۴)
انکے لیے ندامت اور حیرت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس اتنی کثیر امانتیں جمع تھیں جو انکے وہم و گمان میں بھی نہیں تھیں۔ محمد بن الفضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، جب امامِ اعظم کا وصال ہوا تو آپ کے پاس لوگوں کی پانچ کروڑ کی امانتیں تھیں جنہیں آپکے بیٹے حضرت حماد رحمہ اللہ نے لوگوں کو لوٹایا۔ (ایضاً:۲۳۵)
یہ بات غور طلب ہے کہ یہ وہ رقم ہے جو آپ کے وصال کے بعد موجود تھی جبکہ آخری عمر میں خلیفہ کی مخالفت کے باعث آپکے کے لیے جیل کی قید اور دیگر سزاؤں کا امکان بہت بڑھ چکا تھا۔ لہٰذا آپ کے تقویٰ اور بصیرت کے باعث یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ آپ نے اس زمانے میں ان امانتوں کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کی کوشش میں کوئی کسر نہ چھوڑی ہوگی لیکن لوگوں کی امانتوں کا سلسلہ اس قدر وسیع تھا کہ اسے سمیٹتے سمیٹتے بھی پانچ کروڑ کی امانتیں بچ گئیں جو بعد میں آپکے فرزند نے ان لوگوں تک پہنچائیں۔
اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی امانتوں کی حفاظت کا ایک عظیم نظام قائم کیا ہوا تھا۔ دفتر، مال خانہ، ملازم، کھاتہ رجسٹر اور

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 7/51

حساب کتاب کرنے والے حساب داں یقیناً اس نظام کا حصہ ہوں گے۔اس بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ لوگوں کے اموال و رقوم کی حفاظت اور انکی اصل مالکوں کو واپسی یقینی بنانے کے لیے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ منصوبہ بندی اور عملی اقدامات کر کے سود سے پاک خالص اسلامی بینک کا واضح تصور پیش کر چکے ہیں۔

صبر و حلم:

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ جلالتِ شان کے باوجود نہایت حلیم و بردبار اور متواضع انسان تھے۔آپ عظیم قوتِ برداشت اور بے پناہ صبر و تحمل کا پیکر تھے۔ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے مناظرے کے دوران گستاخانہ گفتگو شروع کی اور آپکو بدعتی اور زندیق کہہ کر مخاطب کیا۔اس پر آپ نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے، وہ خوب جانتا ہے میرے بارے میں جو تم نے کہا وہ سچ نہیں ہے۔میں تمہارے عقیدے سے اتفاق نہیں کرتا۔جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا ہے اسکے برابر کسی کو نہ جانا۔میں اسکی بخشش کا امیدوار ہوں اور میں اسکے عذاب سے ڈرتا ہوں''۔

یہ کہتے ہوئے آپ رو پڑے اور روتے روتے بیہوش ہو کر گر پڑے پھر ہوش آیا تو اس شخص نے کہا، مجھے معاف کر دیجئے۔آپ نے فرمایا، ''جس جاہل نے بھی میرے بارے میں کچھ کہا وہ معاف ہے اور جو علم کے باوجود مجھ میں عیب بتائے تو وہ قصوروار ہے۔(الخیرات الحسان: ۱۳۰)

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ آپ بہت باوقار انسان تھے، جب گفتگو فرماتے تو کسی کے جواب کے لیے ہی فرماتے اور بیکار و لغو باتوں پر غور نہ کرتے اور نہ ہی ایسی باتیں سنتے۔جب آپ کے پاس کوئی شخص آکر کہتا کہ فلاں نے ایسی بات کہی ہے تو آپ فرماتے، یہ بات چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ فلاں معاملہ میں کیا کہتے ہو۔یہ کہہ کر اسکی بات منقطع فرماتے اور ارشاد فرماتے، ایسی باتیں کہنے سے بچو جنہیں لوگ ناپسند کرتے ہوں۔(ایضاً: ۱۳۱)

ایک دفعہ آپ مسجد خیف میں تشریف فرما تھے، شاگردوں اور ارادتمندوں کا حلقہ تھا۔ایک شخص نے مسئلہ پوچھا، آپ نے مناسب جواب دیا۔اس نے کہا، مگر حسن بصری نے اسکے خلاف بتایا ہے، آپ نے فرمایا، حسن بصری رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں اجتہادی غلطی ہوئی ہے۔ایک شخص کھڑا ہوا جس نے کپڑے سے منہ چھپایا ہوا تھا۔وہ کہنے لگا، ''اے زانیہ کے بیٹے، تم حسن بصری کو خطا کار اور غلط کہتے ہو''۔اس بیہودہ گوئی پر لوگ مشتعل ہو گئے اور اسے مارنا چاہا مگر امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں روک دیا اور سب کو خاموش کر کے بٹھا دیا۔اور اس شخص سے نہایت تحمل اور وقار کے ساتھ فرمایا، ''ہاں حسن بصری رضی اللہ عنہ سے غلطی ہوئی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں جو حضور ﷺ سے روایت کی ہے وہ صحیح ہے''۔(مناقب للموفق: ۲۹۸)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ ایک دن مسجد میں درس دے رہے تھے کہ ایک شخص جو آپ سے بغض و عناد رکھتا تھا، آکر آپکی شان میں برے الفاظ کہنے لگا۔آپ نے توجہ نہ کی اور اسی طرح درس میں مشغول رہے اور شاگردوں کو اس کی طرف توجہ کرنے سے منع فرمادیا۔جب آپ درس کے بعد گھر کی طرف چلے تو وہ شخص بھی گالیاں بکتا ہوا پیچھے پیچھے چلا۔آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا بلکہ خاموشی اور وقار سے سر جھکائے اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔وہ آپکے دروازے پر سر مارنے لگا اور بولا، تم مجھے کتا سمجھتے ہو کہ میں بھونک رہا ہوں اور تم جواب بھی نہیں دیتے۔

اس قسم کا ایک اور واقعہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب امامِ اعظم رحمہ اللہ اپنے گھر کے قریب پہنچے تو کھڑے ہو گئے اور اس گالیاں بکنے والے سے فرمایا، یہ میرے گھر کا دروازہ ہے اور میں اندر جانا چاہتا ہوں اسلیے تم جتنی گالیاں دینا چاہو دے لوتا کہ تمہیں کچھ حسرت باقی نہ رہے۔وہ شخص شرم سے سر جھکا کر بولا، آپکی برداشت کی انتہا ہے آپ مجھے معاف کر دیں۔آپ نے فرمایا، جاؤ تمہیں معاف کر دیا۔(ایضاً: ۲۸۶)

بقول امام ابو یوسف رحمہ اللہ، ''امامِ اعظم رضی اللہ عنہ مال میں سخاوت کرنے والے اور علم سکھانے میں صبر کرنیوالے تھے۔آپ بہت بردباری سے اپنے متعلق کیے جانے والے اعتراضات کو سنتے تھے اور غصہ سے کوسوں دور تھے''۔(الخیرات الحسان: ۱۱۹)

عبادت و ریاضت:

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ''امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا پوری رات عبادت کرنا اور تہجد پڑھنا تواتر سے ثابت ہے اور یہی وجہ ہے کہ کثرتِ قیام کی وجہ سے آپ کو وتد یعنی میخ (کیل) کہا جاتا تھا۔آپ تیس سال تک ایک رکعت میں مکمل قرآن پڑھتے رہے اور آپ کے بارے

میں مروی ہے کہ آپ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز چالیس سال تک پڑھی''۔(الخیرات الحسان: ۱۱۷)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے تمام رات عبادت کرنے کا باعث یہ واقعہ ہوا کہ ایک بار آپ کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ راستے میں آپ نے کسی شخص کو یہ کہتے سنا، ''یہ امام ابوحنیفہ ہیں جو تمام رات اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور سوتے نہیں''۔آپ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے فرمایا، سبحان اللہ! کیا تم خدا کی شان نہیں دیکھتے کہ اس نے ہمارے لیے اس قسم کا چرچا کر دیا، اور کیا یہ بری بات نہیں کہ لوگ ہمارے متعلق وہ بات کہیں جو ہم میں نہ ہو، لہٰذا ہمیں لوگوں کے گمان کے مطابق بننا چاہیے۔خدا کی قسم! میرے بارے میں لوگ وہ بات نہیں کہیں گے جو میں نہیں کرتا۔چنانچہ آپ تمام رات عبادت و دعا اور آہ و زاری میں گزارنے لگے۔(ایضاً: ۱۱۸)

مسعر بن کدام رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں امامِ اعظم رحمہ اللہ کی مسجد میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ نے فجر کی نماز پڑھی اور لوگوں کو علم سکھانے میں مشغول ہو گئے، یہاںتک کہ آپ نے نمازِ ظہر ادا کی پھر لوگوں کو عصر تک علمِ دین سکھاتے رہے پھر عصر ادا فرمائی۔اسی طرح عصر سے مغرب اور مغرب سے عشاء تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔پھر عشاء پڑھ کر گھر تشریف لے گئے۔آپ کا یہ معمول دیکھ کر میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ جب آپکی تدریسی مصروفیات اس قدر ہیں تو آپ نفل عبادات کیسے کرتے ہوں گے۔چنانچہ میں ضرور آپ پر نگاہ رکھوں گا۔

جب لوگ عشاء پڑھ کر گھروں کو جاچکے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ آپ گھر سے صاف ستھرا لباس پہن کر مسجد میں تشریف لائے۔ایسا معلوم ہوتا تھا گویا آپ دولھا ہیں۔آپ نفل نماز پڑھتے رہے یہاںتک کہ صبح صادق طلوع ہوگئی۔پھر آپ گھر تشریف لے گئے۔جب کچھ دیر بعد واپس تشریف لائے تو لباس بدلا ہوا تھا۔آپ نے فجر کی نماز باجماعت ادا کی اور پھر حسبِ سابق وہی درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا جو عشاء تک جاری رہا۔میں نے خیال کیا کہ آج رات یہ ضرور آرام کریں گے۔مگر دوسری رات بھی وہی معمول دیکھا جو پہلی رات کا تھا۔میں نے یہ گمان کیا اب تیسری رات تو ضرور آرام کریں گے مگر تیسری رات بھی وہی معمول دیکھا۔تو میں نے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک میں زندہ ہوں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا لہٰذا میں نے مستقل انکی خدمت میں رہنے اور انکی شاگردی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

امام مسعر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے امامِ اعظم رحمہ اللہ کو دن میں کبھی بغیر روزہ کے نہیں دیکھا اور نہ ہی کبھی رات میں سوتے ہوئے پایا البتہ ظہر سے قبل آپ کچھ دیر آرام کرلیا کرتے تھے، آپ کا ہمیشہ یہی معمول رہا۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، مسعر بن کدام رحمہ اللہ بھی بڑے خوش نصیب تھے کہ انکا وصال امامِ اعظم رحمہ اللہ کی مسجد میں ایسی حالت میں ہوا جب وہ سجدہ کی حالت میں اپنی جبینِ نیاز، بارگاہِ بے نیاز میں جھکا چکے تھے۔(ایضاً: ۱۱۹)

ابو حفص رحمہ اللہ نے بھی امامِ اعظم رحمہ اللہ کا یہ معمول بیان کیا ہے کہ آپ روزانہ عشاء کے بعد گھر تشریف لے جاتے اور پھر کچھ وقت گزار کر مسجد میں آتے اور اسی طرح رات بھر عبادت کرتے اور اذانِ فجر سے قبل گھر چلے جاتے اور پھر فجر کی نماز کے لیے دوبارہ آتے اور اس طرح عام لوگوں کو یہ تاثر دیتے کہ وہ ساری رات گھر میں رہے ہیں۔(مناقب للموفق: ۲۶۰) خارجہ بن مصعب رحمہ اللہ نے فرمایا، قرآن مجید کو ایک رکعت میں شروع سے ختم تک چار حضرات نے پڑھا ہے اور وہ ہیں، حضرت عثمانِ غنی، تمیم داری، سعید بن جبیر، اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم۔(اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ: ۴۵)

علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ ایک رکعت میں پورا قرآن تلاوت کرنے سے متعلق اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں، ''آپ کا ایک رکعت میں قرآن ختم کرنا اس حدیث کے منافی نہیں کہ ''جس نے قرآن کو تین رات سے کم میں ختم کیا وہ فقیہ نہ ہوا'' کیونکہ یہ اسکے لیے ہے جو صاحبِ کرامت نہ ہو، یاد کرنے میں اور آسانی میں اور وقت کی وسعت میں۔اس لیے بہت سے صحابہ و تابعین سے منقول ہے کہ وہ ایک رکعت میں ختم کرتے تھے بلکہ بعض نے تو مغرب و عشاء کے درمیان چار مرتبہ ختم کیا اور یہ سب کرامت کے طور پر ہے اس لیے قابلِ اعتراض نہیں''۔(الخیرات: ۱۲۴)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امامِ اعظم رضی اللہ عنہ رات کے وقت ایک قرآن پاک نوافل میں ختم کیا کرتے تھے۔رمضان المبارک میں ایک قرآن صبح اور ایک قرآن عصر کے وقت ختم فرمایا کرتے تھے اور عام طور پر رمضان کے دوران باسٹھ (۶۲) بار قرآن مجید ختم کرلیا کرتے تھے۔(مناقب للموفق: ۲۴۹)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے پچپن (۵۵) حج کیے۔آخری حج میں کعبہ شریف کے مجاوروں سے اجازت لے کر کعبہ کے اندر چلے گئے اور وہاں آپ نے دو

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 8/51

رکعت میں پورا قرآن اس طرح تلاوت کیا کہ پہلی رکعت میں دائیں پاؤں پر زور رکھا اور بائیں پاؤں پر دباؤ نہیں دیا۔ اس حال میں نصف قرآن تلاوت کیا پھر دوسری رکعت میں بائیں پاؤں پر زور رکھا اگر چہ دوسرا پاؤں بھی زمین پر تھا مگر اس پر وزن نہیں دیا۔ اس طرح آپ نے بقیہ نصف قرآن کی تلاوت مکمل کی۔

نماز کے بعد روتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی، ''اے میرے رب! میں نے تجھے پہچانا ہے جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے لیکن میں تیری ایسی عبادت نہ کر سکا جیسا کہ عبادت کا حق تھا، مولا تو میری خدمت کی کمی کو معرفت کے کمال کی وجہ سے بخش دے''۔ تو غیب سے آواز آئی، ''اے ابوحنیفہ! تم نے ہماری معرفت حاصل کی اور خدمت میں خلوص کا مظاہرہ کیا اسلیے ہم نے تمہیں بخش دیا اور قیامت تک تمہارے مذہب پر چلنے والوں کو بھی بخش دیا''۔ سبحان اللہ! (الخیرات: ۱۲۲، شامی ج ۱: ۳۸)

خشیتِ الٰہی:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الخیرات الحسان میں آپکے خوفِ خدا اور مراقبہ کے عنوان سے ایک باب تحریر کیا ہے۔ آپ رقمطراز ہیں، ''اسد بن عمرو رحمہ اللہ نے فرمایا، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز رات میں سنی جاتی تھی یہانتک کہ آپ کے پڑوسی آپ پر ترس کھاتے۔ وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں، بخدا آپ بہت دیانت دار تھے اور خدا کی جلالت اور کبریائی آپ کے قلب میں راسخ تھی۔ آپ اپنے رب کی خوشنودی کو ہر چیز پر ترجیح دیتے اور چاہے تلواروں سے ان کے ٹکڑے کر دیے جاتے وہ اپنے رب کی رضا نہ چھوڑتے۔ آپ کا رب آپ سے ایسا راضی ہوا جیسے ابرار سے ہوتا ہے اور امامِ اعظم رضی اللہ عنہ واقعی ابرار میں سے تھے''۔ (صفحہ ۱۲۵)

یزید بن لیث رحمہ اللہ کہتے ہیں، امامِ اعظم رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ لوگوں میں سے تھے۔ امام نے نمازِ عشاء میں سورۃ زلزال تلاوت کی۔ جب نماز ختم ہوئی تو میں نے دیکھا کہ امامِ اعظم متفکر بیٹھے ہیں اور لمبی لمبی سانسیں لے رہے ہیں۔ میں وہاں سے چلا آیا اور چراغ جس میں تیل کم ہی تھا، وہیں چھوڑ دیا کہ کہیں انکا دھیان نہ بٹے۔ صبح صادق کے وقت میں مسجد آیا تو دیکھا کہ آپ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں، ''اے وہ ذات جو ذرہ بھر برائی کے بدلے سزا دیتا ہے، اگر نعمان کی جزا تیرے پاس جہنم یا اس سے قریب ہے تو اسے تو اپنی رحمت میں داخل فرما''۔ راوی کہتے ہیں، جب میں پہنچا تو چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ آپ نے فرمایا، کیا چراغ لینے آئے ہو؟ میں نے عرض کی، حضور! فجر کی اذان ہو چکی ہے۔ آپ نے فرمایا، جو تم نے دیکھا اسے چھپانا۔ پھر آپ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی۔ (ایضاً: ۱۲۶)

ابوالاحوص رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''اگر امام اعظم رحمہ اللہ سے یہ کہا جاتا کہ آپ تین دن تک انتقال کر جائیں گے تو بھی آپ اپنے معمول کے اعمال سے کچھ زیادہ نیکی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ اسقدر نیکیاں کرتے تھے کہ اس میں اضافہ ممکن ہی نہ تھا''۔ (ایضاً: ۱۲۷)

امام ابو یحییٰ نیشاپوری رحمہ اللہ کہتے ہیں، میں نے ساری رات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو نماز پڑھتے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتے دیکھا۔ میں دیکھتا کہ آپ کے آنسو مصلے پر بارش کے قطروں کی طرح ٹپک رہے ہیں۔ (مناقب للموفق: ۲۵۶)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، ''اگر لوگ اپنے معاملات میں درست رہتے تو میں کسی کو فتویٰ نہ دیتا۔ مجھے اس سے بڑھ کر کوئی خوف نہیں کہ میں اپنے کسی فتوی کی وجہ سے کہیں دوزخ میں نہ چلا جاؤں۔ اسلیے میں فتویٰ دینے سے پہلے ہزار بار سوچتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرتا ہوں''۔ (ایضاً
(۲۲۱:

ایک روز امامِ اعظم رحمہ اللہ کہیں جا رہے تھے کہ لاعلمی میں آپ کا پاؤں ایک لڑکے کے پاؤں پر آ گیا۔ اس لڑکے نے کہا، اے شیخ! کیا تم قیامت کے روز خدا کے انتقام سے نہیں ڈرتے؟ آپ نے یہ بات سنی تو غش کھا کر گر گئے۔ کچھ دیر بعد ہوش آیا تو مسعر بن کدام رحمہ اللہ نے عرض کی، اس لڑکے کی بات نے آپکے دل پر اتنا عظیم اثر کیا؟ آپ نے فرمایا، ''کیا عجب کہ اسکی آواز غیبی ہدایت ہو''۔ (الخیرات الحسان: ۱۲۸)

آپکے دل میں خوفِ خدا اس قدر تھا کہ ایک مرتبہ کسی شخص سے گفتگو فرما رہے تھے کہ اس شخص نے کہا، خدا سے ڈرو۔ یہ سننا تھا کہ امامِ اعظم رحمہ اللہ کا چہرہ زرد پڑ گیا، سر جھکا لیا اور فرمایا، خدا تمہیں جزا دے، ہر وقت لوگوں کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی انہیں خدا کی یاد دلائے۔ (سوانح امام اعظم:

(۲۲۲

ایک روز امام نے فجر کی نماز میں یہ آیت پڑھی جسکا ترجمہ یہ ہے، ''اور ہرگز اللہ کو بے خبر نہ جاننا ظالموں کے کام سے'' (ابراہیم: ۴۱) تو آپ لرز گئے اور کپکپی طاری ہو گئی۔ آپ کی اس کیفیت کو لوگوں نے محسوس کر لیا۔ امامِ اعظم رحمہ اللہ کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ فرماتے، یہ مشکل میرے کسی گناہ کی وجہ سے ہے تو آپ اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے اور وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرتے اور استغفار کرتے تو مسئلہ حل ہو جاتا۔ آپ فرماتے، مجھے خوشی ہوئی کیونکہ مجھے امید ہے کہ رب تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے گا۔ اس بات کی اطلاع حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کو ہوئی تو بہت روئے اور فرمایا، ''اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ پر رحم فرمائے، یہ بصیرت انکے گناہوں کی کمی کی وجہ سے ہے جبکہ دوسرے لوگوں کو یہ بیداری حاصل نہیں ہوتی کیونکہ وہ گناہوں میں مستغرق ہوتے ہیں''۔ (الخیرات الحسان: ۱۲۸)

فضیل بن دکین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''میں نے تابعین وغیرہ کی ایک جماعت کو دیکھا تو کسی کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اچھی طرح نماز پڑھتے ہوئے نہ پایا۔ آپ نماز شروع کرنے سے پہلے رو پڑتے اور دعا فرماتے تو دیکھنے والا کہتا، واقعی خدا سے ڈرنے والے یہی ہیں''۔

امام ابن حجر شافعی رحمہ اللہ اپنی طویل گفتگو کے اختتام پر فرماتے ہیں، ''رات کو جب آپ نماز ادا فرماتے تو چٹائی پر آپکے آنسوؤں کے گرنے کی آواز اسطرح آتی جس طرح بارش کے قطرے گرتے ہیں۔ رونے کا اثر آپ کی آنکھوں اور رخساروں پر نظر آتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے اور ان سے راضی ہو''۔ (ایضاً: ۱۲۹)

زہدوتقویٰ:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''میں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے زائد متقی کسی کو نہ دیکھا۔ تم ایسے شخص کی کیا بات کرتے ہو جس کے سامنے کثیر مال پیش کیا گیا اور اس نے اس مال کو نگاہ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ اس پر اسے کوڑوں سے مارا گیا مگر اس نے صبر کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مصائب کو برداشت کیا مگر مال ومتاع قبول نہ کیا بلکہ دوسروں کی طرح (جاہ و مالِ دنیا کی) کبھی تمنا اور آرزو بھی نہ کی حالانکہ لوگ ان چیزوں کے لیے سو سو جتن اور حیلے کرتے ہیں۔ بخدا آپ ان تمام علماء کے برعکس تھے جنہیں ہم مال وانعام کے لیے دوڑتا دیکھتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا کے طالب ہیں اور دنیا ان سے بھاگتی ہے۔ جبکہ امامِ اعظم رحمہ اللہ وہ تھے کہ دنیا انکے پیچھے آتی تھی اور آپ اس سے دور بھاگتے تھے''۔ (مناقب للموفق:
(۲۲۸

مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ نے فرمایا، میں کوفہ والوں کے ساتھ رہا ہوں لیکن میں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے زیادہ متقی کوئی نہ دیکھا۔

حسن بن صالح رحمہ اللہ کہتے ہیں، آپ سخت پرہیز گار تھے، حرام سے ڈرتے تھے اور شبہ کی وجہ سے کئی حلال چیزیں بھی چھوڑ دیتے تھے۔ میں نے کوئی فقیہ ایسا نہ دیکھا جو اپنے نفس اور علم کی حفاظت آپ سے زیادہ کرتا ہو، وہ آخری عمر تک جہاد کرتے رہے۔

یزید بن ہارون رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے ایک ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا مگر میں نے ان میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے زائد نہ تو کسی کو متقی پایا اور نہ اپنی زبان کا حفاظت کرنے والا۔ آپ کو زبان کی حفاظت کا اس قدر شدید احساس تھا کہ وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں، آپ نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی سچی قسم کھائی تو ایک درہم صدقہ کریں گے۔ چنانچہ ایک بار قسم کھائی تو ایک درہم صدقہ کیا پھر عہد کیا کہ اگر اب قسم کھائی تو ایک دینار صدقہ کریں گے۔ (الخیرات الحسان: ۱۴۰)

آپکے کاروباری شریک حفص رحمہ اللہ کہتے ہیں،
میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ تیس سال تک رہا لیکن میں نے کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے اس چیز کے خلاف ظاہر کیا ہو جو آپکے دل میں ہو۔ جب آپکو کسی چیز کے بارے میں شبہ پیدا ہوتا تو آپ اپنے دل سے اسکو نکال دیتے تھے اگر چہ اس کی خاطر اپنا تمام مال ہی کیوں نہ خرچ کرنا پڑے۔ (ایضاً:
(۱۴۱

اسکی مثال وہ واقعہ ہے کہ آپکے ایک کاروباری شریک نے کپڑے کا عیب ظاہر کیے بغیر اسے بیچ دیا تو آپ نے اس دن کی ساری کمائی تیس ہزار درہم

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 9/51

خیرات کردی۔ یہ واقعہ "امامِ اعظم بحیثیت تاجر" کے عنوان کے تحت بیان ہو چکا ہے۔

کسی نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ سے عرض کی، آپ کو دنیا کا مال واسباب پیش کیا جاتا ہے مگر آپ اسے قبول نہیں فرماتے حالانکہ آپ ایماندار ہیں اور یہ آپکا حق ہے۔ آپ نے فرمایا، میں نے اپنے اہل وعیال کو اللہ کے سپرد کر رکھا ہے۔ وہ انکا خود کفیل ہے۔ میرا ذاتی خرچ دو درہم ماہانہ ہے، تو میں اپنی ضرورت سے بڑھ کر کیوں جمع کروں۔ (مناقب للموفق: ۲۲۸)

جب آپ کو بغداد میں قید کر دیا گیا تو اپنے بیٹے حماد رحمہ اللہ کو پیغام بھیجا، اے میرے بیٹے! میرا خرچ دو درہم ماہانہ ہے کبھی ستو کے لیے اور کبھی روٹی کے لیے۔ اور اب میں یہاں قید میں ہوں تو جلد خرچ بھیج دو۔ یہ تقویٰ تھا کہ جیل میں بھی حکومت کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ (ایضاً: ۲۱۲)

شقیق بن ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہم ایک دن امامِ اعظم رحمہ اللہ کے پاس مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک چھت سے ایک سانپ آپ کے سر پر لٹکتا دکھائی دیا۔ سانپ دیکھ کر لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی، سانپ سانپ کہہ کر سب بھاگے۔ مگر امامِ اعظم رحمہ اللہ نہ تو اپنی جگہ سے اٹھے اور نہ ہی ان کے چہرے پر کوئی پریشانی کے آثار نظر آئے۔ ادھر سانپ سیدھا امامِ اعظم رحمہ اللہ کی گود میں آگرا۔ آپ نے ہاتھ سے جھٹک کر اسے ایک طرف پھینک دیا مگر خود اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اس دن سے مجھے یقین ہوگیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین اور پختہ اعتماد ہے۔ (ایضاً: ۲۸۴)

بکیر بن معروف رحمہ اللہ کہتے ہیں، میں نے ایک دن امامِ اعظم رحمہ اللہ سے عرض کی، حضور میں نے آپ جیسا کوئی دوسرا نہیں دیکھا، آپکے مخالفین آپ کا گلہ کرتے ہیں، آپ کی غیبت کرتے ہیں مگر آپ جب بھی کسی کا ذکر کرتے ہیں تو اسکی خوبیاں ہی بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، میں نے کبھی کسی کے عیب تلاش نہیں کیے اور کبھی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیا۔ (ایضاً: ۲۱۳)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے بے مثال تقویٰ کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ ایک بار کوفہ میں کچھ بکریاں چوری ہوگئیں تو آپ نے دریافت کیا، بکری زیادہ سے زیادہ کتنے سال زندہ رہتی ہے؟ لوگوں نے بتایا، سات سال، تو آپ نے سات سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا (کہ کہیں چوری کی بکری کا گوشت جسم میں نہ چلا جائے)۔

انہی دنوں آپ نے ایک فوجی کو دیکھا کہ اس نے گوشت کھا کر اس کا فضلہ کوفہ کی نہر میں پھینک دیا تو آپ نے مچھلی کی طبعی عمر کے بارے میں دریافت کیا اور پھر اتنے سال تک مچھلی کے گوشت سے پرہیز کیا۔ (الخیرات الحسان: ۱۴۳)

کسی نے یزید بن ہارون رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ انسان فتویٰ دینے کے قابل کب ہوتا ہے؟ فرمایا، جب وہ امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقام کو پہنچ جائے۔ راوی کہتے ہیں، میں نے یہ سن کر کہا، ابو خالد آپ بھی ایسا کہتے ہیں؟ (یزید بن ہارون رحمہ اللہ پہلے امامِ اعظم رحمہ اللہ کے علم وفضل کے قائل نہیں تھے اس لیے انہیں حیرانی ہوئی) آپ نے فرمایا، میرے پاس اس سے بڑھ کر الفاظ نہیں ورنہ انکا مقام تو اس سے بھی بلند ہے۔ دنیائے اسلام میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جیسا فقیہ ہے نہ متقی۔ میں نے انکو ایک دن تیز دھوپ میں ایک شخص کے مکان کے پاس کھڑے دیکھا۔ میں نے عرض کی، آپ اس دیوار کے سائے میں آجائیں۔ امامِ اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا، یہ گھر والا میرا مقروض ہے، میں نے اس سے کچھ درہم لینے ہیں اور میں پسند نہیں کرتا کہ اسکے گھر کے سائے میں بیٹھوں۔ اس سے بڑھ کر احتیاط اور تقویٰ کیا ہو سکتا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا، میں نے اس گھر والے سے قرض واپس لینا ہے، اگر میں اس کی دیوار کے سائے میں کھڑے ہو کر فائدہ اٹھاؤں تو یہ ایک قسم کا سود ہے۔ یہ فتویٰ عوام کے لیے نہیں ہے لیکن عالم کو اس سے زیادہ عمل کرنا چاہیے جس نیکی کی طرف وہ لوگوں کو بلاتا ہے۔ (ایضاً: ۱۴۴، مناقب للموفق: ۲۰۵)

امام رازی شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ایک مرتبہ امامِ اعظم رحمہ اللہ کہیں جا رہے تھے راستہ میں اتفاقاً آپکی جوتی کو کچھ نجاست لگ گئی۔ آپ نے نجاست دور کرنے کے لیے جوتی کو جھاڑا تو کچھ نجاست اڑ کر ایک مکان کی دیوار سے لگ گئی۔ آپ پریشان ہو گئے کہ اگر نجاست یونہی چھوڑ دی جائے تو اسکی دیوار خراب ہوتی ہے اور اگر اسے کرید کر دیوار صاف کی جائے تو دیوار کی مٹی بھی اتر آئے گی اور اس سے مالکِ مکان کو نقصان ہے۔ چنانچہ آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا، صاحبِ خانہ باہر آیا۔ اتفاق سے وہ شخص مجوسی تھا اور آپکا مقروض تھا۔ وہ یہ سمجھا کہ آپ قرض واپس لینے آئے ہیں۔ پریشان ہو کر عذر پیش کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا، قرض کو چھوڑو میں تو اس الجھن میں ہوں کہ تمہاری دیوار کیسے صاف کروں۔ پھر سارا واقعہ بتا دیا۔ وہ مجوسی آپ کا تقویٰ

اور کمالِ احتیاط دیکھ کر بے ساختہ بولا، آپ دیوار بعد میں صاف کیجیے گا، پہلے کلمہ پڑھا کر میرا دل صاف کر دیں، چنانچہ وہ مسلمان ہوگیا۔ (تفسیر کبیر زیرِ آیت مالکِ یوم الدین)

حق گوئی:

علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں پچیسویں فصل کا عنوان یہ تحریر کیا ہے، "اپنی کمائی سے کھانا اور عطیات کا رد کرنا"۔ وہ اسکے تحت لکھتے ہیں، "خدا کی قسم! امامِ اعظم رحمہ اللہ نے کبھی کسی خلیفہ یا امیر کا کوئی تحفہ یا انعام قبول نہیں کیا"۔

ایک بار عباسی خلیفہ نے دو سو دینار کا تحفہ پیش کیا تو آپ نے یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ "ان پر میرا کوئی حق نہیں"۔ ایک مرتبہ امیر المومنین نے ایک خوبصورت لونڈی بھیجی مگر آپ نے قبول نہ کی اور فرمایا، "میں اپنے کام اپنے ہاتھ سے کر لیتا ہوں اس لیے مجھے کنیز کی حاجت نہیں"۔ (مناقب للموفق ص ۲۲۷)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ امراء اور حکام کے تحائف اور نذرانوں کے اس لیے مخالف تھے کہ جو کسی کا احسان مند ہو جاتا ہے وہ اسکے خلاف حق بات کہنے سے رک جاتا ہے بقول شخصے، "جو کسی کا کھاتا ہے وہ اس سے شرماتا ہے"۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ حق گوئی و بیباکی کے علمبردار تھے اس لئے آپ نے کبھی کسی دنیادار کا تحفہ یا نذرانہ قبول نہ فرمایا۔

بنو امیہ کے دورِ حکومت میں ابن ھبیرہ کوفہ کا گورنر تھا۔ اس نے ایک بار اپنے اور خوارج کے مابین ایک دستاویز لکھنے کے لئے ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ سے کہا۔ دونوں نے ایک ماہ کا وقت لیکر مضمون لکھا جو اسے پسند نہ آیا۔ انکے بتانے پر ابن ھبیرہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو بلوایا اور یہ مسئلہ پیش کیا۔ امامِ اعظم رحمہ اللہ نے اسی وقت مضمون لکھوا دیا جو گورنر اور علماء سب کو پسند آیا۔ (ایضاً: ۳۱۲)

گورنر نے درخواست کی، "حضور! کبھی کبھی ہمارے پاس آیا کریں تو ہمیں فائدہ ہو"۔ آپ نے بیباکی سے فرمایا، "میں تم سے مل کر کیا کروں گا۔ تم مہربانی سے پیش آؤ گے تو تمہارے دام میں آجاؤں گا اور اگر ناراض ہوئے اور مجھے قرب کے بعد دور کر دیا تو اس میں میری ذلت ہے۔ نیز تمہارے پاس جو مال ہے اسکی مجھے حاجت نہیں اور جو دولت (علم) میرے پاس ہے اسے کوئی چھین نہیں سکتا"۔

ابن ھبیرہ نے کئی مشہور علماء کو حکومتی عہدے دیے تو امامِ اعظم رحمہ اللہ کو بلا کر بیت المال کی نظامت کا منصب پیش کیا۔ آپ نے انکار کیا۔ اس پر گورنر غضبناک ہوگیا اور اس نے کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ آپ نے کوڑوں کی سزا برداشت کر لی مگر یہ منصب قبول نہ کیا۔ پھر گورنر نے آپ کو کوفہ کا قاضی مقرر کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا، "خدا کی قسم میں اپنے آپ کو کبھی حکومت میں شریک نہیں کروں گا"۔

گورنر نے غصہ میں قسم کھائی، اگر عہدۂ قضا کو بھی امام ابوحنیفہ نے قبول نہ کیا تو انکے سر پر تیس کوڑے مارے جائیں گے اور جیل میں ڈال دوں گا۔ آپ نے فرمایا، "کوڑے تو ہلکی سزا ہے اگر وہ مجھے قتل بھی کر دے تو میں یہ عہدہ قبول نہ کروں گا"۔ ایک اور روایت میں ہے۔ "اگر گورنر مجھے مسجد کے دروازے گننے کا حکم دے تو میں گورنر کے حکم سے یہ کام بھی نہیں کروں گا اور گورنر یہ حکم دے کہ فلاں کی گردن اڑا دو، فلاں کو قید کر دو تو میں بے گناہوں کی سزاؤں پر مہریں کیوں لگاؤں؟"۔ یہ جواب سن کر گورنر آگ بگولہ ہوگیا۔ چنانچہ اس کے حکم سے آپکو کوڑے مارے گئے اور جیل میں ڈال دیا گیا۔

ایک رات ابن ھبیرہ کو خواب میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا، تم میرے امتی کو بلاوجہ سزا دے رہے ہو، شرم کرو۔ اس دن ابن ھبیرہ نے آپ کو جیل سے رہا کر دیا۔ آپ کوفہ سے مکہ مکرمہ چلے گئے۔ یہ واقعہ ۱۳۰ھ کا ہے۔ جب بنو امیہ کی حکومت ختم ہوگئی تو عباسی حکومت کے دور میں آپ کوفہ واپس آگئے۔ (ایضاً: ۳۱۵)

ایک بار عباسی خلیفہ منصور اور اسکی بیوی میں اختلاف ہوگیا۔ خلیفہ نے کہا، کسی کو منصف بنالو۔ اس نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ چنانچہ آپ کو بلایا گیا اور خلیفہ کی بیوی پردے کے پیچھے بیٹھی تاکہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا فیصلہ خود سنے۔ منصور نے آپ سے پوچھا، کتنی عورتوں سے نکاح جائز ہے؟ آپ نے فرمایا، چار عورتوں سے۔ منصور نے اپنی بیوی سے کہا، غور سے سن لو۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے خلیفہ سے کہا، امیر المومنین! چار بیویوں کی اجازت اس کے لیے ہے جو اُن میں عدل کر سکے، ورنہ ایک نکاح کا حکم ہے۔ یہ سن کر خلیفہ خاموش ہوگیا۔

جب امامِ اعظم رضی اللہ عنہ گھر تشریف لے آئے تو کچھ دیر میں ایک خادم پچاس ہزار درہم اور دیگر تحائف لیے ہوئے آیا کہ خلیفہ کی بیوی نے بھجوائے

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved.

ہیں۔آپ نے اس خادم سے کہا، یہ سب واپس لے جاؤ اور اپنی مالکہ سے کہو کہ میں نے جو کچھ کہا محض رضائے الٰہی کے لیے کہا، یہ میرا دینی فرض تھا''۔(ایضاً:۲۲۷)

عباسی خلیفہ منصور نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کو بغداد بلا کر چیف جسٹس کا عہدہ قبول کرنے کا حکم دیا تو آپ نے انکار کردیا۔آپ کے انکار پر خلیفہ نے قسم کھائی کہ میں ضرور ایسا کروں گا۔اس پر امامِ اعظم رحمہ اللہ نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔خلیفہ کے وزیر نے کہا، آپ امیر المومنین کی قسم پر قسم کھاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں کیونکہ امیر المومنین مجھ سے زیادہ آسانی سے اپنی قسم کا کفارہ ادا کرسکتے ہیں۔خلیفہ کے دربار میں قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس کا منصب قبول کرنے پر بڑی بحث ہوئی۔امامِ اعظم رحمہ اللہ نے یہ تک فرمادیا، تم تو ایسے شخص کو قریب لایا کرتے ہو جو تمہاری ہاں میں ہاں ملائے اور ہر حال میں تمہاری تکریم کرے اور میں اس کام کے لیے بالکل موزوں نہیں۔(تبییض الصحیفہ :۳۷)

جب کوئی عذر قبول نہ ہوا تو آپ نے خلیفہ سے کہا، بات یہ ہے کہ میں اس منصب کی صلاحیت نہیں رکھتا۔خلیفہ نے کہا، آپ جھوٹ بولتے ہیں۔آپ یقیناً اسکی اہلیت وصلاحیت رکھتے ہیں۔امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے استغناء اور بے نیازی کے ساتھ جواب دیا،''اب تم خود اپنے دل سے فیصلہ کرلو کہ ایک جھوٹا شخص چیف جسٹس کیونکر مقرر کیا جاسکتا ہے''۔یہ سن کر خلیفہ منصور لاجواب ہوگیا اور اس نے آپکو کوڑے لگوائے۔(مناقب للموفق:۴۳۱)

بنوامیہ کے دور میں کوفہ کا گورنر خالد بن عبداللہ جمعہ کے خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھا تو تقریر میں ایسا مگن ہوا کہ ظہر کا آخری وقت آگیا اور عصر کا وقت نہایت قریب ہوگیا۔امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے گورنر کی طرف کنکریاں پھینکتے ہوئے کہا، الصلوٰۃ الصلوٰۃ۔نماز تو پڑھ لی گئی مگر اس گستاخی پر آپکو گرفتار کرلیا گیا۔گورنر نے پوچھا، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا، نماز کسی کا انتظار نہیں کرتی، اللہ کی کتاب اور شریعت کے احکام پر عمل کرنے کا آپ پر زیادہ حق ہے۔اگر آپ ہی اسے پامال کرتے رہے تو عوام کا کیا بنے گا۔(ایضاً:۱۳۱)

آئینِ جواں مرداں حق گوئی وبیباکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

والدین سے حسنِ سلوک:

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے والدگرامی آپکے بچپن ہی میں وفات پاگئے تھے جبکہ آپکی والدہ ایک مدت تک زندہ رہیں۔آپ اپنی والدہ سے بے حد محبت کرتے اور انکی خوب خدمت کرتے۔آپکی والدہ شکی مزاج تھیں اور عام عورتوں کی طرح انہیں بھی واعظوں اور قصہ گوئی کرنے والے خطیبوں سے عقیدت تھی۔

کوفہ کے مشہور واعظ عمرو بن ذر اور قاضی زرعہ پر انہیں زیادہ یقین تھا اسلیے کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا تو امامِ اعظم رحمہ اللہ کو حکم دیتیں کہ عمرو بن ذر سے پوچھ آؤ۔آپ اپنی والدہ ماجدہ کے ارشاد کی تعمیل کے لیے انکے پاس جاتے۔

وہ بیچارے سراپا عذر بن کر عرض کرتے، حضور! آپ کے سامنے میں کیسے زبان کھول سکتا ہوں۔اور اکثر ایسا ہوتا کہ عمرو کو کوئی مسئلہ کا جواب نہ آتا تو امامِ اعظم رحمہ اللہ سے درخواست کرتے،''آپ مجھ کو جواب بتادیں تاکہ میں اسی کو آپ کے سامنے دہرادوں''۔آپ جواب دیتے تو وہ اسے آپکے سامنے دہرادیتے اور پھر وہی جواب امامِ اعظم رحمہ اللہ اپنی والدہ کو آکر بتادیتے۔(الخیرات الحسان:۱۹۶)

آپکی والدہ کبھی کبھی اصرار کرتیں کہ میں خود چل کر پوچھوں گی چنانچہ وہ خچر پر سوار ہوتیں اور امامِ اعظم رضی اللہ عنہ پیدل ساتھ جاتے حالانکہ آپ کا گھر وہاں سے کئی میل دور تھا۔وہ خود مسئلہ بیان کرتیں اور اپنے کانوں سے جواب سن لیتیں تب اطمینان ہوتا۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ایک دن میں نے دیکھا کہ امامِ اعظم رحمہ اللہ اپنی والدہ کو خچر پر بٹھائے عمرو بن ذر کے پاس جارہے تھے تاکہ آپ سے کسی مسئلہ پر گفتگو کرسکیں۔آپ اپنی والدہ کی خواہش پر لے جارہے تھے ورنہ آپکو معلوم تھا کہ عمرو بن ذر کا کیا مقام ہے۔یہ سب اپنی والدہ کی خواہش کے احترام کے پیشِ نظر تھا۔(مناقب للموفق: ۲۹۳)

ایک بار آپکی والدہ نے آپ سے فتویٰ پوچھا۔آپ نے فتویٰ تحریر فرمادیا۔وہ بولیں، میں تو وہی فتویٰ قبول کروں گی جو زرعہ لکھیں گے۔چنانچہ آپ اپنی والدہ کی دلجوئی کے لیے زرعہ کے پاس گئے اور فرمایا، میری والدہ آپ سے یہ فتویٰ پوچھتی ہیں۔تو انہوں نے کہا، آپ زیادہ بڑے فقیہ ہیں آپ فتویٰ

دیجئے۔آپ نے فرمایا، میں نے یہ فتویٰ دیا ہے لیکن وہ آپ سے تصدیق چاہتی ہیں تو زرعہ نے لکھ کر کہا، فتویٰ وہی صحیح ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے دیا تھا۔اس تحریر سے وہ مطمئن ہوگئیں۔(ایضاً)

جب امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کو عباسی خلیفہ نے چیف جسٹس مقرر کرنا چاہا تو آپ نے انکار کیا۔اس پر آپ کو جیل میں ڈال دیا گیا۔جلاد روزانہ جیل سے نکال کر آپکو لوگوں کے سامنے کوڑے مارتے اور کہتے کہ چیف جسٹس کا منصب قبول کرلیں مگر آپ انکار کرتے۔ایک دن کوڑے کھاتے کھاتے رو پڑے۔وجہ پوچھی گئی تو فرمایا، میں اپنی تکلیف کی وجہ سے نہیں رویا مجھے اپنی والدہ یاد آگئیں کہ وہ میری جدائی میں کس قدر مغموم ہونگی۔دوسری روایت میں ہے کہ جب میری والدہ میرے خون آلود چہرے کو دیکھیں گی تو انہیں کتنا دکھ ہوگا۔(ایضاً)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جب مجھے کوڑے لگائے جاتے تھے تو میری والدہ مجھے کہا کرتی تھیں، ابوحنیفہ! تجھے علم نے اس قوتِ برداشت تک پہنچا دیا ہے۔تم اس علم کو چھوڑ دو اور عام دنیا والوں کی طرح کام کرتے جاؤ۔میں نے کہا، امی جان! اگر میں علم چھوڑ دوں تو اللہ تعالیٰ کی رضا کس طرح حاصل کروں گا''۔

آپ فرماتے تھے، میں اپنے والدین کے ایصالِ ثواب کے لیے ہر جمعہ کے دن بیس درہم خیرات کرتا ہوں، اور اس بات کی میں نے منت مانی ہوئی ہے۔دس درہم والد اور دس درہم والدہ کے لیے خیرات کرتا ہوں۔ان مقررہ درہموں کے علاوہ آپ اپنے والدین کے لیے فقراء ومساکین میں اور بھی چیزیں صدقہ کرتے تھے۔(ایضاً:۲۹۴)

پڑوسیوں سے حسنِ سلوک:

سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پڑوس میں ایک موچی رہتا تھا، جو دن میں محنت مزدوری کرتا اور شام کو بازار سے گوشت اور شراب لیکر آتا۔گوشت بھون کر کھاتا اور شراب پیتا۔جب شراب کے نشے میں دھت ہوجاتا تو خوب غل مچاتا اور بلند آواز سے یہ شعر پڑھتا رہتا، ترجمہ:''لوگوں نے مجھ کو ضائع کردیا اور کتنے بڑے باکمال نوجوان کو کھودیا جو لڑائی اور صف بندی کے دن کام آتا''۔

امام صاحب روزانہ اسکی آواز سنا کرتے اور خود تمام رات عبادت میں مشغول رہتے۔ایک رات آپ نے اسکی آواز نہ سنی تو صبح لوگوں سے اس کے متعلق پوچھا۔بتایا گیا کہ اسے کل رات سپاہیوں نے پکڑلیا ہے اور وہ قید میں ہے۔امام صاحب نمازِ فجر کے بعد گورنر کے پاس پہنچے۔گورنر نے بڑے ادب سے عرض کی، حضور آپ یہاں کیسے تشریف لائے؟ آپ نے فرمایا، میرے پڑوسی کو کل رات آپ کے سپاہیوں نے پکڑلیا ہے، اسے چھوڑ دیجئے۔گورنر نے حکم دیا، وہ قیدی اور اسکے ساتھ کے تمام قیدی چھوڑ دیے جائیں۔پھر قیدیوں سے کہا، تم سب کو امام ابوحنیفہ کی وجہ سے رہائی مل رہی ہے۔

امامِ اعظم رحمہ اللہ نے اپنے پڑوسی نوجوان سے فرمایا،''ہم نے تم کو ضائع تو نہیں کیا''۔آپ کا اشارہ اسکے شعر کی طرف تھا، اس نے عرض کی، نہیں بلکہ آپ نے میری حفاظت فرمائی اور میری سفارش کی، اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے، آپ نے ہمسایہ کے حق کی رعایت فرمائی، پھر اس نے توبہ کرلی اور نیک بن گیا۔(تبییض الصحیفہ :۳۹)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنے پڑوسیوں سے حسنِ سلوک اور رواداری میں بے مثال تھے۔آپ کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی تھی کہ آپ سے سب لوگوں کو نفع ہو۔آپ ایک بار کوفہ کے گورنر کے پاس تشریف لے گئے وہاں دیکھا کہ ایک شخص کو گورنر قتل کی دھمکیاں دے رہا ہے۔اس شخص نے دیکھا کہ گورنر نے امام صاحب رحمہ اللہ کی بڑی عزت کی ہے تو کہنے لگا، یہ صاحب مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔گورنر نے پوچھا، کیا آپ اس شخص کو جانتے ہیں؟ اگرچہ آپ اسے نہیں جانتے تھے مگر آپ نے فرمایا، یہ تو وہی ہے جو اذان دیتے ہوئے آواز کھینچ کر کہتا ہے لا الہ الا اللہ۔اس نے عرض کی، جی میں وہی ہوں۔آپ نے فرمایا، اچھا مجھے اذان تو سناؤ تاکہ میں تمہاری آواز پہچان لوں۔اس نے پوری اذان سنائی۔تو امامِ اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا، یہ اچھا آدمی ہے اسے چھوڑ دو۔گورنر نے اسے رہا کردیا۔

اس واقعہ سے امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بے پناہ ذہانت واضح ہوتی ہے۔آپ نے اذان اس لیے سنی تاکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی شہادت کی

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 11/51

گواہی دے۔اور یوں آپ نے اس شہادت کی برکت اور اپنی ذہانت سے ایک بے گناہ کو قتل سے بچالیا۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے متعلق علامہ موفق رحمہ اللہ نے چند اشعار تحریر کیے ہیں جن میں سے دو اشعار کا ترجمہ یہ ہے، ''امامِ اعظم رحمہ اللہ کا ہمسایہ ہمیشہ خوشحال رہتا ہے کیونکہ آپ ہمسائے کے حقوق اچھی طرح ادا کرتے ہیں۔ آپ اپنے احسان وکرم کے لیے کسی خاص ہمسائے سے ہی حسنِ سلوک نہیں کرتے تھے بلکہ ہر ہمسایہ آپکے سایۂ کرم میں رہتا تھا''۔(مناقب:۲۴۴)

اساتذہ کا ادب:

سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، جب سے میرے استاد امام حماد رحمہ اللہ کا وصال ہوا ہے، میں ہر نماز کے بعد انکے لیے دعائے مغفرت کرتا ہوں اور میں نے کبھی انکے گھر کی طرف اپنے پاؤں نہیں پھیلائے حالانکہ میرے اور انکے گھر کے درمیان کئی گلیاں ہیں۔(الخیرات الحسان:۱۹۷)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا، میں اپنے استاد حماد رحمہ اللہ اور اپنے والد رحمہ اللہ کے لیے اِستغفار کرتا ہوں، بلکہ میں اپنے ہر استاد کے لیے اِستغفار کرتا ہوں جس نے مجھے ایک لفظ بھی پڑھایا۔اسی طرح اپنے ہر شاگرد کے لیے بھی اِستغفار کرتا ہوں۔(مناقب للموفق:۲۹۵)

علامہ موفق رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''امامِ اعظم رحمہ اللہ جب کسی کے لیے دعا کرتے تو حضرت حماد رحمہ اللہ کا نام سب سے پہلے لیتے۔آپ فرمایا کرتے تھے، والدین بچے کو جنم دیتے ہیں مگر استاد اسے علم وفضل کے خزانے دیتا ہے''۔(ایضاً:۲۹۶)

یہ آپ کے حسنِ تربیت کا نتیجہ تھا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے تھے، میں اپنے والدین سے پہلے اپنے استاد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے لیے ہر نماز کے بعد اِستغفار کرنا واجب جانتا ہوں کیونکہ حضرت امامِ اعظم رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے والدین کے ساتھ اپنے استاد کے لیے بھی بلا ناغہ اِستغفار کرتا ہوں۔(ایضاً)

امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے اساتذہ اور شیوخ کی تعداد چار ہزار بیان ہوئی ہے۔آپ اپنے اساتذہ کرام کا محبت وعقیدت سے ذکر فرماتے اور اکثر کی خدمت میں ہدیے اور تحائف بھیجتے۔آپکے اساتذہ اور شیوخ بھی آپ سے بہت محبت فرماتے۔آپ کو اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے خاص محبت تھی۔آپ نے امام محمد بن علی بن حسین بن علی المعروف امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔ایک بار انکی خدمت میں حاضر ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ابوحنیفہ! ہم سے کچھ پوچھیے۔آپ نے چند سوالات دریافت کیے اور پھر اجازت لے کر وہاں سے رخصت ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے فرمایا۔''ابوحنیفہ کے پاس ظاہری علوم کے خزانے ہیں اور ہمارے پاس باطنی وروحانی علوم کے ذخائر ہیں''۔(ایضاً:۱۹۲)

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ امام باقر رضی اللہ عنہ سے علمی گفتگو کر کے رخصت ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ''ان کا طریقہ اور انداز کتنا اچھا ہے اور انکی فقہ کتنی زیادہ ہے''۔(سوانح بے بہائے امام اعظم:۱۹۵)

امام اعظم رحمہ اللہ مسجد حرام میں بیٹھے تھے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔امام اعظم نے آپ کو پہلے نہیں دیکھا تھا مگر سمجھ گئے کہ یہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہیں۔تعظیم کے لیے آگے بڑھے اور عرض کی، اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ آرہے ہیں تو میں پہلے ہی سے استقبال کے لیے کھڑا رہتا۔اب جب تک آپ تشریف فرما رہیں گے میں تعظیماً کھڑا رہوں گا۔آپ نے فرمایا، ''بیٹھ جایئے اور لوگوں کے مسائل کا جواب دیجیے''۔اس خاص تعظیم کی وجہ محبتِ اہلبیت تھی۔(مناقب للموفق:۳۶۵)

امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے زمانے میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں دیکھا۔ایک بار جب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ابوجعفر منصور کے دربار میں بلایا گیا تو آپ نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی دربار میں بلوالیا تاکہ سوال وجواب کی صورت میں علمی گفتگو کے ذریعے خلیفہ کی اصلاح کی جائے۔آپ نے 40 سوالات کیے جن کے مدلل جوابات امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمائے۔(ایضاً:۱۳۳)

آپ نے طریقت کے مراحل امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دو سال میں طے کیے ہیں۔پھر آپ نے فرمایا ہے، ''اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہوجاتا''۔ (مقدمہ سوانح بے بہائے امام اعظم:۴۱)

☆☆☆☆

باب سوم(3)

امام اعظم کی عقل وذہانت:

عقل ودانائی اور ذہانت وتدبیر امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے وہ نمایاں اوصاف ہیں جن کا موافق ومخالف سبھی نے اقرار کیا ہے۔مجددِ دین وملت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ، امام ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالے سے فرماتے ہیں،

امام علی بن عاصم رحمہ اللہ کا قول ہے، اگر روئے زمین کے آدھے انسانوں کے ساتھ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی عقل کو تولا جائے تو امام اعظم کی عقل وزنی نکلے گی۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا، کسی عورت نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جیسا کوئی نہ جنا۔

بکر بن حبیش رحمہ اللہ نے فرمایا، اگر امام اعظم رضی اللہ عنہ اور انکے تمام معاصرین کی عقلوں کا موازنہ کیا جائے تو امام اعظم کا پلہ بھاری رہے گا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱:۱۲۳، مطبوعہ لاہور)

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذہانت سے متعلق چند واقعات امام موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ کی کتاب ''مناقب الامام'' اور امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی کتاب ''الخیرات الحسان'' سے پیشِ خدمت ہیں:-

01۔ پانی گرایا تو طلاق:

ایک شخص کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوگیا۔اس کی بیوی پانی کا پیالہ اٹھائے آرہی تھی، اس شخص نے کہا کہ اگر تم نے اس پیالے سے پانی پیا تو تجھے تین طلاق، اگر اسے زمین پر گرایا تو تجھے تین طلاق، اور اگر اسے کسی اور کو پینے کے لیے دیا تو بھی تجھے تین طلاق۔ جب غصہ رفو ہوا تو خوب پچھتایا اور علماء کے پاس دوڑا۔علماء نے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی مگر کوئی جواب نہ بن پڑا۔آخر کار امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ نے فرمایا، اس پیالہ میں کپڑا ڈال کر بھگولو، اس طرح تمہاری شرط بھی پوری ہوجائے گی اور عورت طلاق سے بچ جائے گی۔

02۔ روشندان ناجائز اور دیوار توڑنا؟

ایک شخص نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ میں اپنے ہمسائے کے گھر کی طرف روشندان کھولنا چاہتا ہوں۔آپ نے فرمایا، روشندان کھول لو۔روشندان کھل گیا تو اس کا ہمسایہ قاضی ابن ابی لیلیٰ کے پاس لے گیا، قاضی نے کہا، تم بند کردو، اسے روشندان کھولنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔وہ شخص امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور صورتحال سے آگاہ کیا۔آپ نے فرمایا، کوئی بات نہیں۔اب جس دیوار پر روشندان ہے اس کو توڑ دو، اس کی قیمت میں ادا کردوں گا۔وہ دیوار اس کی تھی اس لیے وہ اسے توڑنے لگا۔اسے حق پہنچتا تھا کہ اپنی دیوار توڑ دے اور کوئی دوسرا اسے روک نہیں سکتا تھا۔اب اس کا مخالف ہمسایہ دوڑا دوڑا قاضی کے پاس پہنچا اور واقعہ بیان کیا۔

ابن ابی لیلیٰ نے کہا، دیوار اس کی ہے وہ اپنی دیوار توڑنے اور مرمت کرنے کا حق رکھتا ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔اس شخص نے کہا، آپ نے تو پہلے دریچہ کھولنے سے روکا تھا جو ایک معمولی بات تھی، مگر پوری دیوار توڑنے پر آپ اسے جائز قرار دے رہے تھے۔ابن ابی لیلیٰ نے کہا، بات یہ ہے کہ تمہارا ہمسایہ اس شخص کے پاس جاتا ہے جو میرے فیصلوں کو غلط ثابت کرنے میں کمال رکھتا ہے۔یہاں ابن ابی لیلیٰ نے نہ صرف امام اعظم رضی اللہ عنہ کی علمی برتری کا اعتراف کیا بلکہ اپنی غلطی کا اعتراف بھی کرلیا۔

03۔ رافضی اور یہودی کا رشتہ:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے شہر کوفہ میں ایک رافضی رئیس تھا۔ بڑا مال ودولت رکھتا تھا، مگر وہ اپنی مجالس میں برملا کہتا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہودی تھے (معاذ اللہ)۔آپ اس کے ہاں تشریف لے گئے، وہ امام صاحب کے علمی اور معاشرتی مقام سے واقف تھا۔باتوں باتوں میں آپ نے اس رافضی کو کہا، آج میں تمھاری بیٹی کے لیے ایک رشتہ لایا ہوں، وہ سیدزادہ ہے اور بڑا دولت مند ہے۔کتابُ اللہ کا حافظ ہے اور رات کا اکثر حصہ بیدار رہ کر نوافل ادا کرتا ہے۔وہ شب بھر میں سارا قرآن ختم کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرتا ہے، رافضی نے کہا، حضور ایسا رشتہ پھر ملنا مشکل ہے آپ جلدی کیجئے،

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 12/51

اس میں رکاوٹ کونسی ہے، مجھے ایسے داماد کی بے حد ضرورت ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اس میں ایک خصلت ایسی ہے جسے آپ ناپسند کریں گے۔ اس نے پوچھا، وہ کونسی خصلت ہے؟ فرمایا کہ وہ مذہباً یہودی ہے۔ رافضی نے کہا کہ آپ عالم ہوکر مجھے یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ میں ایک یہودی سے اپنی بیٹی بیاہ دوں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم ایک امیر اور شریف یہودی سے اپنی بیٹی بیاہنا پسند نہیں کرتے تو کیا نبی کریم ﷺ ایسے شخص سے اپنی دو بیٹیاں بیاہ سکتے تھے جو یہودی تھا۔ اس نے آپ کی باتیں سن کر توبہ کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق اپنے اعتقاد سے رجوع کیا۔

04۔ چور کا نام بتانے پر طلاق:

ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نہایت مغموم اور پریشان شخص حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ حضرت! رات کے وقت میرے گھر میں چور داخل ہوگئے، ان سے جس قدر مال اٹھایا جاسکتا تھا وہ اٹھا کر لے گئے۔ چوروں میں سے ایک کو میں نے پہچان لیا۔ وہ میرے محلے کا رہائشی تھا۔ اس کا مصلیٰ میری مسجد میں ہے اور وہ باقاعدہ نماز پڑھتا ہے۔ اس چور کو بھی معلوم ہوگیا کہ میں نے اسے پہچان لیا ہے، وہ آگے بڑھا اور مجھے رسیوں سے جکڑ لیا۔ اور مجھ سے قسم لی کہ اگر تم نے میرا نام افشاء کیا تو تیری بیوی کو تین طلاقیں ہوگی۔ پھر اس بات پر بھی حلف لیا کہ اگر تم نے میرا نام بتایا تو میرے گھر کا تمام مال اور سامان غربائے شہر کو تقسیم کرنا ہوگا، پھر اس نے کہا کہ میں اس کا نام بھی زبان سے نہ نکالوں، نہ اشارہ کروں، نہ صراحت کروں۔ مجھے ڈر ہے کہ اس قسم اور حلف کے بعد میں نے اگر اس کا نام کسی پر بھی ظاہر کیا تو میری بیوی کو طلاق ہوجائے گی۔ میں اس واقعہ کو اللہ کو گواہ بنا کر سچ کہہ رہا ہوں۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اب تم جاؤ اور میرے پاس ایسے شخص کو بھیجو جس پر تمھیں پورا پورا اعتماد ہو۔ اس نے جا کر اپنے بھائی کو بھیجا۔ امام صاحب نے اس کے بھائی سے فرمایا کہ تم حاکم وقت کے پاس جاؤ اور سارا قصہ بیان کرو اور اپنے بھائی کی پریشانی اور مجبوری کا بھی ذکر کرو اور کہو کہ وہ پولیس بھیج دیں۔ پولیس حکم دے کہ مسجد کے دروازے سے تمام نمازی ایک ایک کر کے گزرتے جائیں۔ تم اپنے بھائی کو دروازے پر کھڑا کردو، ہر ایک آدمی گزرتا جائے اور پولیس پوچھتی جائے کہ یہ تمھارا چور ہے؟ تمھارا بھائی "نہیں" کہتا جائے لیکن جب اصل چور گزرے تو تمھارا بھائی بالکل خاموش رہے۔ کوئی بات نہ کرے، کوئی اشارہ بھی نہ کرے، اس شخص کو پولیس گرفتار کرے اور حاکم کے سامنے پیش کرے۔ اسطرح امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذہانت سے اسکی بیوی کو طلاق ہوئے بغیر چور پکڑا گیا اور اسکا چوری شدہ مال بھی واپس مل گیا۔

05۔ سیڑھی پر چڑھی یا اتری تو طلاق:

ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں یہ سوال کیا گیا کہ ایک شخص کی بیوی سیڑھی پر کھڑی ہے۔ اسکے شوہر نے جھگڑے کے دوران اس سے کہا، اگر تو اوپر چڑھی تو تجھے طلاق ہے اور اگر نیچے اتری تو تجھے طلاق ہے۔ تو اب آپ فرمایئے کہ اس مسئلہ کا کیا حل ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا، اس عورت سمیت سیڑھی اٹھالی جائے اور زمین پر رکھ دی جائے۔ اب عورت جہاں چاہے چلے پھرے، طلاق نہ ہوگی۔

06۔ اہلِ کوفہ کو قتلِ عام سے بچالیا:

ضحاک بن قیس شیبانی حروری خارجیوں کا کمانڈر تھا۔ وہ عراق کے مختلف شہروں پر حملہ کرتا تو مسلمانوں کا قتل عام کردیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ اپنے سپاہیوں کو لے کر کوفہ میں بھی آ پہنچا اور جامع مسجد کوفہ میں بیٹھ گیا اور ایک فرمان جاری کیا کہ کوفہ کے تمام مردوں کو قتل کردیا جائے اور بچوں کو قید کرلیا جائے۔ اس وقت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ چادر اور قمیض پہنے مسجد میں تشریف لائے اور ضحاک سے کہا، میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔ ضحاک نے پوچھا، کیا بات ہے؟ آپ نے پوچھا، تم لوگوں کو کیوں قتل کرنا چاہتے ہو اور بچوں کو قید کرنے کا حکم کیوں دے رہے ہو؟ اس نے کہا، یہ سب مرتد ہیں ان کے ارتداد کی یہی سزا ہے۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ارتداد تو ایک دین سے دوسرے دین کے اختیار کرنے کا نام ہے۔ تم بتاؤ وہ پہلے کس دین پر تھے اور اب کس دین میں شامل ہوئے ہیں، کیا اب وہ اپنے پہلے دین میں نہیں رہے؟ ضحاک نے کہا، اپنے سوال کو پھر دہرایئے۔ آپ نے فرمایا، یہ لوگ پہلے کس دین پر تھے

جسے چھوڑ کر اب دوسرے دین کو اختیار کر رہے ہیں؟ ضحاک نے کہا، واقعی یہ میری غلطی ہے۔ اس نے لشکر کو حکم دیا کہ تلواریں میانوں میں کرلو اور کسی کو قتل نہ کیا جائے۔ یہ تھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذہانت جس نے سارے کوفہ والوں کو قتل ہونے سے بچالیا۔

07۔ بیوی نہ بولی تو طلاق:

ایک مرتبہ امام اعمش رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کا آدھی رات کے وقت جھگڑا ہوگیا تھا، آپ نے اپنی بیوی کو برا بھلا کہا اور سرزنش کی۔ جواب میں ناراضگی کے طور پر انکی بیوی نے ان سے بات کرنا چھوڑ دی۔ وہ گفتگو کرتے تو چپ رہتی اور کوئی جواب نہ دیتی۔ صبح ہوئی تو عورت کا رویہ وہی رہا۔ امام اعمش رحمہ اللہ نے غصہ میں کہا، اگر آج رات ختم ہونے تک تم نے مجھ سے بات نہ کی تو تمہیں طلاق ہے۔ وہ بھی بڑی ضدی تھی سارا دن بات نہ کی۔ رات ہوئی تو ان کی بیٹی نے کہا، ابا جان سے کوئی بات کروتا کہ یہ مصیبت ٹل جائے مگر اس نے پھر بھی بات نہ کی اور خاموش رہی۔ اب امام اعمش رحمہ اللہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ مغموم بھی ہوئے۔ وقت گزرنے پر ان کی پریشانی بڑھی کہ انکی بیوی دن طلوع ہونے پر مطلقہ ہوجائے گی۔ اسی فکر میں خیال آیا، کیوں نہ اپنی اس غلطی اور پریشانی کا حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا جائے۔

چنانچہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ سنا کر فرمایا، اگر وہ صبح تک میرے ساتھ نہ بولی تو اسے طلاق ہوجائے گی۔ وہ اس طریقہ سے مجھے چھوڑ دینا چاہتی ہے۔ ہم ایک طویل عرصے سے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں اور صاحب اولاد ہیں، آپ ایسا حل بتائیں جس سے معاملہ درست ہوجائے۔ آپ نے فرمایا، تسلی رکھیں آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا اور آپ مشکل سے نکل آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ آسانی پیدا فرمائے گا۔ آپ نے ایک آدمی کو بلایا اور اسے کہا کہ تم ان کے گھر کے پاس والی مسجد میں طلوع سحر سے پہلے اذان دے آنا۔ اس کے بعد امام اعمش رحمہ اللہ گھر چلے گئے اور مؤذن نے قبل از وقت اذان دے دی۔ عورت نے اذان سن کر کہا، شکر ہے، اس بداخلاق شخص سے جان چھوٹی۔ امام اعمش رحمہ اللہ نے کہا، تم مجھ سے علیحدہ نہیں ہوئی، ابھی صبح ہونے میں کافی وقت ہے۔ یہ تو ایک حیلہ تھا جس سے تم بات کرنے پر رضامند ہوگئی اب تم سے میرا رشتہ قائم رہے گا۔

08۔ قیمتی چیز بھول گیا:

ایک شخص نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی، حضور میں نے ایک قیمتی چیز گھر میں رکھی تھی مگر بھول گیا ہوں اس کے لیے بڑا پریشان ہوں، آپ کوئی تدبیر کریں۔ آپ نے فرمایا، یہ کوئی شرعی مسئلہ تو نہیں، میں کیا کروں۔ وہ شخص آپ کی بات سن کر رونے لگا اور عرض کی، حضور کوئی تدبیر نکالیں۔ تمام رفقاء آپ کے ساتھ اس شخص کے گھر گئے۔ آپ نے فرمایا، تم لوگ بھی اپنی قیمتی چیزیں چھپا کر رکھتے ہو۔ بتاؤ اگر یہ گھر تمہارا ہوتو کس حصہ میں چیز چھپاؤ گے۔ کسی نے کوئی جگہ بتائی، کسی نے کوئی جگہ بتائی، کسی نے ایک جگہ نشان بنایا، کسی نے ایک جگہ لگایا۔ آپ نے بھی ایک جگہ نشان لگایا اور اسے کھودنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہیں سے اس شخص کی قیمتی چیز برآمد ہوگئی۔

09۔ بھولی چیز یاد آنے کا نسخہ:

اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، میں نے کچھ رقم ایک جگہ احتیاط سے رکھ دی تھی۔ اب مجھے سخت ضرورت ہے لیکن مجھے یاد نہیں آ رہا کہ کس جگہ رکھی تھی۔ آپ کوئی تدبیر فرمایئے۔ آپ نے فرمایا، تم آج ساری رات نماز پڑھو۔ اس نے جا کر نماز پڑھنی شروع کی تو تھوڑی ہی دیر بعد اسے یاد آ گیا کہ فلاں جگہ رقم رکھی تھی۔ چنانچہ اس نے رقم نکال لی۔ اگلے دن امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور عرض کی، حضور! آپ کی تدبیر سے مجھے رقم مل گئی۔ آپ نے فرمایا، شیطان کو یہ کب گوارا تھا کہ تم ساری رات نماز پڑھو اس لیے اس نے جلد یاد دلایا لیکن تمہارے لیے مناسب یہی تھا کہ تم رب تعالیٰ کے شکریے میں ساری رات نماز پڑھتے۔

10۔ انڈا نہ کھانے کی قسم:

آپ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ ایک شخص نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ کبھی انڈا نہ کھائے گا۔ پھر ایک دن اس نے یہ قسم کھالی کہ فلاں شخص کی جیب میں جو چیز ہے وہ ضرور کھائے گا پھر جب دیکھا تو اس شخص کی جیب میں سے انڈا نکلا، اب وہ اپنی قسم کیسے پوری کرے؟ اس پر امام اعظم نے فرمایا، اسے چاہیے کہ وہ انڈا مرغی کے نیچے رکھ دے اور جب چوزہ نکل آئے تو اسے پکا کر کھالے۔ اسکی قسم نہیں ٹوٹے گی۔

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 13/51

11۔ چور پکڑا گیا:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ایک پڑوسی کا پالتو مور چوری ہوگیا تو اس نے آپ سے شکایت کی اور اس سلسلے میں مدد کی درخواست بھی کی۔ اسے محلے ہی کے کسی شخص پر شبہ تھا۔ آپ نے فرمایا، تم خاموش رہو، میں کوئی تدبیر کرتا ہوں۔ آپ صبح کو مسجد تشریف لے گئے اور فرمایا، اس شخص کو شرم نہیں آتی جو اپنے پڑوسی کا مور چرا کر پھر نماز پڑھنے آتا ہے حالانکہ اس کے سر میں اس مور کا پر لگا ہوا ہوتا ہے۔ یہ سنتے ہی ایک شخص اپنا سر صاف کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا، اے بھائی! اس شخص کا مور اس کو واپس کردو، چنانچہ اس نے وہ مور واپس کر دیا۔

12۔ ایک درہم کی تقسیم:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے ابن شبرمہ رحمہ اللہ سے دریافت کیا، ایک شخص کے پاس کسی کا ایک درہم اور دوسرے شخص کے دو درہم تھے۔ ان تین درہموں میں سے دو درہم اس سے گم ہو گئے۔ اب اس ایک درہم کا کیا کیا جائے؟ انہوں نے کہا، اس درہم کو دونوں میں مساوی طور پر نصف نصف تقسیم کردیا جائے۔ ابن مبارک نے پھر یہ مسئلہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا۔

آپ نے فرمایا، ابن شبرمہ کا جواب درست نہیں کیونکہ تین درہم جب یکجا کر دیے گئے تو دونوں افراد کی شراکت ہوگئی۔ اب ضائع ہونے والے درہم دونوں کے ہیں یعنی ایک کا دو تہائی حصہ ضائع ہوا اور دوسرے کا ایک تہائی حصہ ضائع ہوا۔ پس باقی رہنے والے ایک درہم کے تین حصے کر دیے جائیں، دو تہائی دو درہم والے کو دیے جائیں اور ایک تہائی ایک درہم والے کو دیا جائے۔

13۔ کعبہ دیکھو تو یہ دعا مانگو:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ کعبۃ اللہ پر جب پہلی نظر پڑے تو جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ اس موقع پر ہر شخص متردد ہوتا ہے کہ کون سی دعا مانگے اور کس دعا کو دوسری دعاؤں پر فوقیت دے۔ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی بے مثل ذہانت سے اس مسئلہ کا بھی نہایت شاندار حل بتایا ہے۔ جب امام اعظم رضی اللہ عنہ پہلی بار بیت اللہ شریف کی حاضری کے لیے گئے اور آپ کی پہلی نظر کعبہ شریف پر پڑی تو آپ نے یہ دعا مانگی، "اے اللہ! مجھے مستجاب الدعوات بنادے۔ یعنی میں جو بھی دعا کروں وہ قبول ہوجائے"۔

امام اعظم کی فقہی بصیرت:

بقول آزاد خیال مؤرخ نعمانی کے، "ہمارے تذکروں اور رجال کی کتابوں میں علماء کے وہ اوصاف جن کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاتا ہے، تیزیٔ ذہن، قوتِ حافظہ، بے نیازی، تواضع، قناعت، زہد، تقویٰ غرض اس قسم کے اوصاف ہوتے ہیں لیکن عقل ورائے، فراست وتدبر کا ذکر تک نہیں آتا، گویا یہ باتیں دنیاداروں کے ساتھ مخصوص ہیں .... بلاشبہ اس خصوصیت کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تمام علماء میں ممتاز ہیں کہ وہ مذہبی امور کے ساتھ دنیاوی ضرورتوں کے بھی اندازہ دان تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا مذہب سلطنت وحکومت کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اسلام میں سلطنت وحکومت کے جو بڑے بڑے سلسلے قائم ہوئے، مذہباً اکثر حنفی ہی تھے"۔ (سیرۃ النعمان: ۱۱۳)

ذیل میں امام موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ کی کتاب "مناقب الامام" اور امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی کتاب "الخیرات الحسان" سے سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت کے متعلق چند واقعات تحریر کیے جارہے ہیں:-

14۔ وہاں نہ رہو جہاں راہنما نہ ہو:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ایک مرتبہ مجھے کسی کام سے کوفہ سے باہر جانا پڑا۔ وہاں ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا، یہ بتایئے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے شراب کا گھڑا ٹوٹ جائے اور کوئی شخص اس سمت میں بیٹھا وضو کر رہا ہے جس سمت میں پانی بہتا ہے تو اس شخص کے وضو کا کیا ہو گا؟ آپ فرماتے ہیں، میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ میں نے اپنے نوکر سے کہا، چلو اس شہر سے نکل چلیں جہاں مسئلہ کا جواب نہ آئے اور کوئی راہنمائی کرنے والا بھی نہ ہو۔

چنانچہ کوفہ آکر یہ مسئلہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا، اس سوال کا جواب نہایت آسان ہے۔ اگر بہتے ہوئے پانی سے

شراب کی بو آرہی ہو یا پانی کا ذائقہ متغیر ہو تو وضو جائز نہیں ورنہ کوئی حرج نہیں۔

15۔ حاملہ فوت ہوجائے، بچہ زندہ ہو تو:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں کوفے کے فلاں محلے میں رہتا ہوں۔ رات کے پہلے حصے میں میری بہن فوت ہوگئی ہے اور بچہ اس کے پیٹ میں ہے اور وہ پیٹ میں حرکت کررہا ہے۔ آپ نے فرمایا، فوراً جاؤ اور عورت کا پیٹ چاک کر کے بچہ باہر نکال لو۔ وہ شخص سات سال بعد پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کے ساتھ ایک بچہ تھا، اس نے آپ سے پوچھا کہ آپ اسے پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، اس نے بتایا کہ یہ وہی بچہ ہے جو آپ کے فتویٰ پر ماں کے پیٹ سے نکالا گیا تھا۔ یہ ساری زندگی آپ کا خادم رہے گا۔ اس کا نام ہم نے نجار رکھا ہے۔

16۔ ترکہ کی تقسیم اور ایک دینار:

ایک عورت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی، میرا بھائی فوت ہوگیا ہے اور چھ سو دینار ترکہ چھوڑ گیا ہے، اس کی جائیداد میں سے مجھے صرف ایک دینار ملا ہے۔ آپ نے پوچھا، ترکہ کی تقسیم کس نے کی تھی؟ اس نے بتایا، حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ نے۔ آپ نے فرمایا، پھر یہی تمھارا حق بنتا ہے تمھیں اسی پر اکتفا کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ تیرے بھائی نے دو بیٹیاں، ایک بیوی، بارہ بھائی، والدہ اور ایک بہن (جو تو خود ہے) چھوڑے ہیں۔ اس نے کہا، ہاں وارث تو صرف یہی ہیں۔

آپ نے فرمایا، بیوی کے حصے دو تہائیاں اور وہ چھ سو دینار سے چار سو دینار لے گئی۔ ماں کو چھٹا حصہ ملا وہ ایک سو دینار لے گئی۔ بیوی کو آٹھواں حصہ ملا اور وہ پچھتر دینار لے گئی۔ باقی پچیس دینار رہ گئے ان میں سے چوبیس دینار بھائیوں کو ملے اور ایک دینار تمھارے حصے میں آئے گا۔

17۔ میں بات نہیں کروں گا:

ایک شخص کسی بات پر اپنی بیوی سے ناراض ہوا تو اس نے غصہ میں قسم کھا کر کہا، میں تجھ سے اس وقت تک بات نہیں کروں گا جب تک تو مجھ سے بات نہیں کرے گی۔ ادھر غصہ میں بیوی نے بھی قسم اٹھا کر وہی الفاظ کہے جو شوہر نے کہے تھے۔ غصہ دور ہوا تو دونوں کو بہت افسوس ہوا۔ شوہر پہلے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے پاس گیا اور ان سے یہ معاملہ عرض کیا۔ انھوں نے فیصلہ دیا کہ تم میں سے جس نے پہلے بات کی اسے کفارہ دینا ہوگا۔ پھر وہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، حضور! کوئی حل بتایئے۔ آپ نے فرمایا، تم دونوں آپس میں بات چیت کر سکتے ہو، کسی پر بھی کفارہ نہیں ہوگا۔

جب یہ بات سفیان ثوری رحمہ اللہ کو معلوم ہوئی تو وہ سخت ناراض ہوئے اور اس شخص سے فرمایا، پھر جا کر پوچھو۔ اس نے دوبارہ آکر پھر یہی سوال کیا اور آپ نے وہی جواب دیا۔ اس پر سفیان ثوری رحمہ اللہ نے پوچھا، آپ نے اس مسئلہ کا یہ جواب کیسے دیا؟ آپ نے فرمایا، مرد کے حلف اٹھانے کے بعد جب عورت نے یہ کہا کہ میں بھی تم سے بات نہیں کروں گی تو اس عورت نے بات تو کردی لہٰذا اب مرد پر قسم واقع نہیں ہوگی، اس کی قسم تو ساقط ہوگئی اس طرح کسی پر بھی کفارہ نہیں ہوگا۔ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، ابوحنیفہ! تم پر وہ علوم منکشف ہوئے ہیں کہ جن کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

18۔ آٹا ختم ہونے کی خبر پر طلاق:

امام اعمش رحمہ اللہ ایک بار اپنی بیوی کو غصہ میں یہ کہہ بیٹھے، اگر تم نے مجھے یہ خبر دی کہ آٹا ختم ہوگیا تو تمھیں طلاق، اگر آٹے کے ختم ہونے کے بارے میں کچھ لکھا، یا آٹا ختم ہونے کے متعلق کوئی پیغام دیا تو ان تمام صورتوں میں تمھیں طلاق۔ ان کی بیوی حیران رہ گئی کہ انہوں نے کیا کہہ دیا ہے۔ وہ سوچنے لگی کہ اب کیا کیا جائے۔ اسے کسی نے مشورہ دیا کہ اس مشکل سے صرف امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی نکال سکتے ہیں تم ان کے پاس جا کر سارا واقعہ بیان کرو۔ چنانچہ وہ ان کے پاس آگئی اور تمام واقعہ سنایا۔

آپ نے فرمایا کہ اس میں کیا مشکل ہے اس کا حل تو بہت ہی آسان ہے۔ تم رات کے وقت ان کے ازار بند کے ساتھ آٹے کا خالی تھیلا باندھ دینا وہ خود ہی محسوس کریں گے کہ آٹا ختم ہوگیا ہے۔ چنانچہ صبح کے اندھیرے میں جب وہ شلوار پہننے لگے تو انہیں ازار بند کے ساتھ کچھ چیز لپٹی ہوئی محسوس ہوئی جب دیکھا تو وہ آٹے کا خالی تھیلا تھا۔ انہیں معلوم ہوگیا کہ گھر میں آٹا ختم ہوگیا ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر کہنے لگے، بخدا یہ ترکیب امام اعظم رضی اللہ عنہ

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 14/51

کے علاوہ کسی اور کو نہیں سوجھ سکتی۔ جب تک وہ زندہ ہے ہمیں شرمندہ کرتا رہے گا۔

19۔ قاضی صاحب کی چھ غلطیاں:

کوفہ کے قاضی ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ ایک دن عدالت سے فارغ ہو کر کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں انہوں نے دیکھا کہ ایک پاگل عورت کسی شخص سے جھگڑ رہی ہے اور گفتگو کے دوران اس نے اس شخص کو "اے زانی اور زانیہ کے بیٹے" کہہ دیا۔ قاضی صاحب نے اس عورت کو گرفتار کرنے کا حکم دیا اور پھر مجلسِ قضا میں واپس آ کر حکم دیا کہ اس عورت کو مسجد میں کھڑی کر کے درے لگائیں اور دو حدیں ماریں۔ یہ بات جب امام اعظم رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا، ابن ابی لیلیٰ نے اپنے فتویٰ میں کئی غلطیاں کی ہیں۔

وہ مجلسِ قضا سے اٹھ کر واپس آئے اور دوبارہ عدالت لگائی یہ آئینِ عدالت کے خلاف ہے۔ اس شخص کے ماں باپ کو گالیوں پر حدیں جاری کیں حالانکہ مدعی وہ شخص نہیں بلکہ اس کے والدین ہونے چاہیے تھے۔ ایک ساتھ دو حدیں نافذ کی گئیں حالانکہ ایک ساتھ دو حدیں نافذ نہیں ہو سکتیں۔ عورت کو کھڑا کر کے حد قائم کی گئی حالانکہ عورت کو کھڑا کر کے حد نافذ نہیں کی جا سکتی۔ پاگل عورت پر حد قائم نہیں کی جا سکتی ہے کیونکہ وہ مرفع العقل اور مرفوع العلم ہوتی ہے۔ مسجد میں حد قائم کی حالانکہ مسجد میں حد قائم نہیں کی جا سکتی۔ علی بن عیسیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت سے ہم حیران رہ گئے۔

20۔ بیویاں تبدیل ہوگئیں:

کوفہ میں ایک امیر شخص نے بڑی دھوم دھام سے اپنی دو بیٹیوں کا دو سگے بھائیوں سے نکاح کیا۔ رات کو غلطی سے دلہنیں بدل گئیں یعنی ایک بھائی کی منکوحہ دوسرے کے پاس اور دوسرے کی منکوحہ پہلے کے پاس چلی گئی۔ دونوں نے شب باشی کی۔ صبح ہوئی تو یہ راز فاش ہوا اور ہر ایک کو سخت پریشانی ہوئی۔ ولیمہ کی دعوت میں اکابر علماء مدعو تھے۔ میزبان نے یہ مسئلہ علماء کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کہا، "ہر شخص نے جس سے وطی کی ہے اسے مہر دے اور پھر اپنی زوجہ واپس لے اور دوسری مرتبہ اسے مہر دے۔ اس سے انکے نکاح میں کچھ فرق نہیں آیا"۔ امام مسعر بن کدام رحمہ اللہ، امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس مسئلہ کا حل پوچھا۔

آپ نے ان دونوں بھائیوں کو جن کا نکاح ہوا تھا علیحدہ علیحدہ بلایا اور ان سے پوچھا کہ رات جو لڑکی تمہارے ساتھ رہی، اگر وہی تمہارے نکاح میں رہے تو کیا تمہیں پسند ہے؟ ہر ایک نے کہا، ہاں مجھے پسند ہے۔ تو آپ نے فرمایا، تم دونوں اپنی اپنی بیوی کو یعنی جس سے تمہارا نکاح ہوا، اسے طلاق دیدو اور پھر جس سے وطی کی ہے اس سے نکاح کر لو۔ شرعاً مسئلہ کا وہ حل بھی ٹھیک تھا جو سفیان ثوری رحمہ اللہ نے بتایا مگر اس سے کئی خرابیاں پیدا ہوتیں۔ ایک تو دل میں اس سے تعلق برقرار رہتا جس سے وطی کی اور دوم یہ بات غیرت وحمیّت کے خلاف ہوتی اور اسطرح ازدواجی رشتہ مستحکم بنیاد پر قائم نہ ہوتا۔ امام اعظم نے مصلحت وحکمت پر مبنی حل بتایا جس سے لوگ عش عش کر اُٹھے۔

امام مسعر رحمہ اللہ نے اٹھ کر امام اعظم کی پیشانی چوم لی اور فرمایا، "لوگو! مجھے اس شخص کی محبت میں ملامت کرتے ہو مگر آج اس شخص نے مجھے اور سفیان ثوری رحمہما اللہ کو بھی مطمئن کر دیا ہے، اللہ اسے خوش رکھے"۔

امام اعظم کی حاضر جوابی:

علامہ ذہبی شافعی، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی ذہانت کے متعلق فرماتے ہیں، كان من اذكياء بنى آدم ۔یعنی "اولادِ آدم میں جو لوگ نہایت عقلمند گذرے ہیں، امام اعظم اُنہیں میں سے ایک ذہین ترین شخص تھے"۔

کسی حاسد کی سازش کو اپنی عقل ودانش سے ناکام بنا دینا یا فوری طور پر کسی معاملہ کی تہہ تک پہنچ جانا یا اپنی حاضر جوابی سے کسی کو ہدایت کا راستہ دکھا دینا، یہ سب امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی کی عقل ودانش کے جلوے ہیں۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی حاضر جوابی سے متعلق چند واقعات امام موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ کی کتاب "مناقب الامام" اور امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی کتاب "الخیرات الحسان" سے پیشِ خدمت ہیں:-

21۔ حق معلوم ہو جائے تو مان لو:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ ایک جگہ بیٹھے تھے، امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مسئلہ میں ایسی گفتگو شروع کی کہ ابن ابی لیلیٰ کو مزید بات کرنے کی گنجائش نہ ملی، مگر وہ اپنے علم کی گرمی میں کہتے رہے، میں اپنے نظریے سے رجوع نہیں کروں گا۔ آپ نے فرمایا، اگر اس مسئلے میں خطا یا غلطی سامنے آئے تو بھی رجوع نہیں کرو گے؟ ابن ابی لیلیٰ نے کہا، یہ تو میں نے نہیں کہتا۔ پھر امام صاحب نے فرمایا، آپ اپنی غلطی تسلیم کریں یا نہ کریں مگر میں نے آپ کی غلطی واضح کر دی ہے۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا، مجھے پھر سوچنے دو۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حق وصواب معلوم کر لینے کے بعد مزید سوچنے کی گنجائش نہیں رہتی۔

22۔ حق کی تعمیل میں پوچھنا کیوں؟

ابوالعباس طوسی، امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مخالفین میں سے تھا۔ امام بھی جانتے تھے کہ اس کے خیالات کیا ہیں۔ ایک دن حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ عباسی خلیفہ کے دربار میں بیٹھے تھے اور بھی بیشمار لوگ موجود تھے۔ طوسی نے کہا کہ آج میں ابوحنیفہ کو قتل کرا دوں گا۔ وہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوا، امیر المومنین کبھی ہم میں سے کسی کو حکم دیتے ہیں کہ وہ کسی کو قتل کر دے۔ اور ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ واقعی مجرم ہے یا نہیں۔ ایسی صورت میں ہمیں خلیفہ کا حکم ماننا چاہیے یا نہیں؟ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے ابوالعباس! امیر المومنین حق کا حکم دیتے ہیں یا باطل کا؟ اس نے مجبوراً کہا، حق کا۔ آپ نے فرمایا، پھر حق کی تعمیل میں پوچھنا کیوں؟ طوسی، امام اعظم رضی اللہ عنہ کو جس جال میں پھنسانا چاہ رہا تھا آپ کی حاضر جوابی سے خود اسی جال میں پھنس گیا۔

23۔ آپکے شاگردوں کی حاضر جوابی:

یحیٰ بن سعید رحمہ اللہ کوفے کے قاضی تھے۔ کوفہ میں ان کا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرح کا اثر قائم نہ ہو سکا تو کہا کرتے تھے، "تعجب ہے کہ کوفہ والے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اشاروں پر کیوں حرکت کرتے ہیں؟"۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد بھیجے جن میں امام زُفر اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما بھی تھے۔ انھوں نے قاضی صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کی رائے اس شخص کے بارے میں کیا ہے جو دو اشخاص کا مشترکہ غلام ہو اور ایک نے اسے آزاد کر دیا ہو ۔قاضی صاحب نے کہا، ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں دوسرے شریک کو نقصان دینا ہے جس کی حدیث میں ممانعت ہے۔

انھوں نے دریافت کیا، اگر دوسرا شریک آزاد کر دے تو؟ قاضی صاحب نے کہا، یہ جائز ہے اب غلام آزاد ہو جائے گا۔ انھوں نے کہا، آپ نے خود اپنے قول کی مخالفت کر دی۔ کیونکہ جب ایک شریک نے آزاد کیا تو آپکے نزدیک اس کا آزاد کرنا بیکار تھا چنانچہ وہ غلام ہی رہا۔ اب دوسرے نے اس کو بحالت غلامی آزاد کیا تو صرف اس کے آزاد کرنے سے وہ کیونکر آزاد ہو سکتا ہے؟ قاضی صاحب یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

24۔ قبر میں کیا کہو گے؟

ایک دن عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کے پاس لوگوں کا مجمع تھا اور وہاں امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے۔ ایک شخص نے ایمان کے بارے میں گفتگو کا آغاز کیا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کیا تو مومن ہے؟ اس نے کہا، مجھے امید ہے کہ میں مومن ہوں۔ (اُس دور میں بعض لوگ خود کو قطعی طور پر اور یقین سے مومن نہیں کہتے تھے) آپ نے فرمایا، اگر قبر میں منکر نکیر نے تمھارے ایمان کے بارے میں سوال کیا تو کیا وہاں بھی یہی کہو گے؟ وہ شخص حیران ہو گیا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کس قدر آسان طریقے سے یہ علمی مسئلہ حل کر دیا ہے۔

25۔ خلیفہ کی بیعت مؤثر نہیں:

ایک دن خلیفہ منصور عباسی نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو دربار میں بلایا۔ منصور کا پرسنل سیکریٹری ربیع آپ کا مخالف تھا اور آپکو نقصان پہنچانے کے درپے رہتا تھا۔ اس نے منصور سے کہا، یہی وہ شخص ہے جو آپ کے جدامجد (عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما) کی مخالفت کرتا ہے۔ آپ کے دادا فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص قسم کھا کر استثناء کرے یعنی ایک یا دو دنوں کے بعد انشاءاللہ کہہ لے تو وہ قسم میں داخل سمجھا جائے گا اور قسم کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا، مگر ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ انشاءاللہ کا لفظ قسم کے ساتھ ہو تو قسم کا حصہ ہے ورنہ بیکار و بےاثر ہے۔

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 15/51

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، امیر المومنین! ربیع کا یہ خیال ہے کہ آپ کے تمام لشکر کی بیعت آپ کے ساتھ مؤثر نہیں۔ خلیفہ نے کہا، وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا، انکا خیال ہے کہ لوگ آپ کے ہاں بیعت کی قسم تو کھاتے ہیں مگر بعد میں گھروں میں جا کر استثناء کر لیتے ہیں یعنی انشاء اللہ کہہ لیتے ہیں، اس طرح ان کی قسمیں بے اثر ہو جاتی ہیں اور ان پر شرعاً کچھ مؤاخذہ نہیں رہتا۔ یہ سن کر خلیفہ منصور ہنس پڑا اور ربیع سے مخاطب ہو کر کہنے لگا، تم امام ابوحنیفہ کو نہ چھیڑا کرو، ان پر تمہارا داؤ نہیں چل سکتا۔ جب دونوں باہر آئے تو ربیع کہنے لگا، آج تو آپ میری جان ہی لے چلے تھے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ تو تمہارا ارادہ تھا، میں نے تو صرف مدافعت کی ہے۔

26۔ طلاق میں شک ہو تو:

ایک شخص کو اپنی بیوی کی طلاق میں شک واقع ہوا تو اس نے قاضی شریک رحمہ اللہ سے مسئلہ دریافت کیا۔ جواب ملا، اُس کو طلاق دے کر رجوع کر لو۔ پھر اس نے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا، یہ کہہ دو کہ اگر میں نے تجھ کو طلاق دی ہے تو میں نے تجھ سے رجوع کیا، اور پھر امام زُفر رحمہ اللہ سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا، جب تک تمھیں طلاق کا یقین نہ ہو وہ تمھاری بیوی ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ان تینوں جوابات کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا، ثوری نے تمھیں ورع اور تقویٰ کی بات بتائی اور زفر نے ٹھیک فقہ کی بات کہی اور شریک، تو ان کی مثال ایسے شخص کی ہے جس سے کوئی پوچھے کہ مجھے پتہ نہیں کہ میرے کپڑے پر نجاست ہے یا نہیں تو وہ کہہ دے کہ کپڑے پر نجاست ہے آپ دھو لیں۔

27۔ ایک رافضی سے مکالمہ:

کوفہ میں ایک بوڑھا رافضی تھا جو ہر وقت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دل آزاری اور طعن و تشنیع کرتا تھا۔ وہ ''شیطان الطاق'' کے نام سے مشہور تھا۔ بڑا باتونی اور بات سے بات نکالنے والا تھا۔ ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ حمام میں داخل ہوئے اور یہ رافضی وہاں پہنچ گیا اور کہنے لگا، ابوحنیفہ! تمہارے استاد فوت ہو گئے ہیں، شکر ہے ہم نے اس شخص سے نجات پائی۔ (حضرت امام حماد رضی اللہ عنہ کو فوت ہوئے ایک ماہ گزرا تھا) آپ نے فرمایا، ہمارے استاد تو فوت ہوتے رہیں گے مگر تمہارا استاد ہمیشہ زندہ رہے گا کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے مِنَ الْمُنْظَرِیْن کہہ کر مہلت دی ہے، وہ قیامت تک نہیں مرے گا۔ یہ بات سن کر وہ شیطان جس غسل خانے میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نہا رہے تھے، ننگا ہو کر داخل ہو گیا۔ امام صاحب نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے کہا ابوحنیفہ! تم کب سے اندھے ہوئے ہو؟ فرمایا، جس دن سے اللہ تعالیٰ نے تیری غیرت اور حیا کو ختم کر دیا ہے۔ پھر آپ نے منہ پھیر لیا اور یہ شعر پڑھا، ترجمہ: ''میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور میری نصیحت میں حکمت و دانائی ہے۔ میں ایسی کوئی بات نہیں کہوں گا جس میں بڑائی ہو۔ اے اللہ کے بندو! اپنے اللہ سے ڈرو، حمام میں ننگے نہ آ جایا کرو بلکہ کپڑا باندھ کر آیا کرو''۔

28۔ قرأت خلف الامام پر مناظرہ:

ایک دن بہت سے لوگ جمع ہو کر آئے کہ وہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے پر مناظرہ کریں۔ آپ نے فرمایا، میں اتنے آدمیوں سے تو بیک وقت بات نہیں کر سکتا نہ ہی ہر ایک کی بات کا جواب دے سکتا ہوں۔ آپ ایسا کریں کہ سب کی طرف سے ایک سمجھ دار عالم مقرر کر لیں جو اکیلا مجھ سے بات کرے۔ انھوں نے ایک بڑا عالم منتخب کیا جو آپ سے بات کرے۔ آپ نے سب سے فرمایا، کیا یہ عالم جو بات کرے گا وہ آپ سب کی طرف سے ہوگی اور کیا اس کی ہار جیت آپ کی ہار جیت ہوگی؟ ان سب نے کہا، ہاں! ہم سب اس بات پر متفق ہیں۔

آپ نے فرمایا، جب تم نے یہ بات مان لی تو پھر تمہارا مسئلہ حل ہو گیا۔ تم نے میرے موقف کو تسلیم کرتے ہوئے حجت قائم کر دی ہے۔ کہنے لگے، وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا، ''تم نے خود اپنی طرف سے ایک آدمی منتخب کیا اور فیصلہ کیا کہ اس کی ہر بات تمہاری بات ہوگی، اس کی ہار جیت تمہاری ہار جیت ہوگی، ہم بھی نماز کے دوران اپنا امام منتخب کرتے ہیں۔ اس کی قرأت ہماری قرأت ہوتی ہے، وہ بارگاہ خداوندی میں ہم سب کی طرف سے نمائندہ ہوتا ہے''۔ انہوں نے آپکی دلیل کو تسلیم کیا اور اپنے موقف سے دستبردار ہو گئے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے جو مسئلہ عقلی طور پر سمجھایا وہ دراصل اس حدیث کی تشریح ہے، ''جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی

قرأت ہی اسکی قرأت ہے''۔ اس عنوان پر تفصیلی گفتگو نمازِ حنفی کے عنوان کے تحت کی جائے گی۔

29۔ طاقتور ترین صحابی کون؟

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کوفہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک رافضی مسجد میں آ گیا، جو کوفے میں شیطان طاق (باتونی شیطان) کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے آتے ہی پوچھا! ابوحنیفہ! تمام لوگوں میں طاقتور ترین انسان کون ہے؟ آپ نے فرمایا، ہمارے عقیدہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تمہارے عقیدہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ رافضی نے کہا، یہ تو آپ نے الٹی بات کہہ دی۔

آپ نے فرمایا، الٹی بات تو نہیں کہی، سچی بات کہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس لیے سخت کہتا ہوں کہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اعلانِ خلافت کے بعد انہیں حقدارِ خلافت تسلیم کر کے ان سے برضا و رغبت بیعت کر لی۔ تم شیعہ کہتے ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ساتھ ہی یہ کہتے ہو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا حق چھین لیا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ اپنا حق لیتے۔ اس طرح تمہارے نزدیک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زیادہ طاقتور تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر غالب رہے۔ رافضی آپ کا جواب سن کر ہکا بکا رہ گیا اور مسجد سے کھسک گیا۔

30۔ دہریوں کو وجودِ خدا کا ثبوت دیا:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جہاں خارجی، رافضی اور دوسرے بدعقیدہ لوگ موجود تھے وہاں بے دین، دہریے اور ملحد بھی موجود تھے۔ وہ چاہتے تھے جب بھی موقعہ ملے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیں۔ ایک دن آپ مسجد میں اکیلے تشریف فرما تھے۔ اچانک خارجیوں کا ایک گروہ اندر آ گیا اور آتے ہی آپ کے سامنے تلواروں اور چھریوں کی نمائش کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا، ٹھہر جاؤ پہلے میرے ایک سوال کا جواب دو پھر جو جی میں آئے کر لینا۔ آپ نے فرمایا،

مجھے بتاؤ، اس کشتی کے متعلق تم کیا کہو گے جو سامان سے لدی ہوئی دریا میں چل رہی تھی، اس کشتی کو طوفانی ہواؤں اور موجوں نے گھیر لیا مگر وہ اس کے باوجود اپنے راستہ پر چلتی رہی حالانکہ اس کا کوئی ملاح یا چلانے والا نہیں تھا۔ اس پر ایسا کوئی آدمی بھی نہیں تھا جو کشتی کا رخ پھیر کر طوفانوں کی زد سے کسی دوسری طرف لے جائے۔ کیا تمہاری عقل یہ تسلیم کرتی ہے کہ اس کے باوجود کشتی طوفانوں کے درمیان سیدھی منزل کی طرف چلتی جائے۔ ان سب نے کہا، عقل نہیں مانتی۔ آپ نے فرمایا، جب تمہاری عقل یہ تسلیم نہیں کرتی کہ ایک کشتی کسی چلانے والے یا ملاح کے بغیر طوفانوں میں اپنا راستہ خود نہیں بنا سکتی تو اتنی بڑی کائنات جس میں مختلف اقسام کے تغیرات اور طوفان ہیں، وہ کسی چلانے والے کے بغیر کس طرح قائم رہ سکتی ہے؟

آپ کی بات سن کر دہریے جو آپ کو قتل کرنے آئے تھے، لاجواب ہو گئے اور انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کے سامنے اپنے عقائد سے توبہ کر لی۔

31۔ خارجیوں کی توبہ:

ایک وقت آیا کہ خارجیوں نے کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ ان کے ایک دستے نے سب سے پہلے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ کوفہ کے امام الائمہ ہیں۔ اگر آپ قابو آ گئے تو کسی دوسرے کو علمی مزاحمت کی جرأت نہ ہوگی۔ خارجیوں کا ایک عقیدہ یہ تھا کہ جو ان کے عقیدہ پر یقین نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں رہتا۔ انہوں نے کہا، تم کفر سے توبہ کرو۔ آپ نے فرمایا، میں ہر قسم کے کفر سے توبہ کرتا ہوں۔ انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ بعد میں چند لوگوں نے کہا، امام اعظم تمہیں جُل دے کر چھوٹ گئے وہ تو تمہیں کافر سمجھتے ہیں اور انہوں نے تمہارے کفر سے توبہ کی ہے۔

خارجیوں نے آپ کو گھر سے پھر گرفتار کر لیا اور پوچھا، آپ نے تو ان عقائد سے توبہ کی ہے جن پر ہم ہیں۔ آپ نے ان سے پوچھا، یہ بات تم نے لوگوں کے بھڑکانے پر گمان سے کہہ دی ہے یا ایمان اور یقین سے؟ انہوں نے کہا، ہم گمان سے کہہ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تو اِنَّ بَعضَ الظَّنِ اِثم فرماتا ہے یعنی بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تم نے تو گناہ کیا ہے کہ مجھ پر بدگمانی کی اور تمہارا عقیدہ ہے کہ ہر گناہ کفر ہے پہلے تم اس کفر سے توبہ کرو۔

خارجیوں کے سردار نے کہا، اے شیخ آپ صحیح کہہ رہے ہیں ہم کفر سے توبہ کرتے ہیں مگر آپ بھی کفر سے توبہ کریں۔ آپ نے اعلان کیا، میں ہر کفر سے

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 16/51

توبہ کرتا ہوں۔اس پر خوارج نے آپ کو پھر چھوڑ دیا۔

آپ کے دوسری بار توبہ کرنے پر خارجی سمجھے کہ آپ نے اپنے کفریہ عقیدہ سے توبہ کا اعلان کیا ہے حالانکہ آپ نے تو دوبارہ بھی اُنہی کے کفریہ عقائد سے توبہ فرمائی تھی۔

32۔ خصی کے تین سوال:

ابوجعفر منصور عباسی خلیفہ کا ایک خادم امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بغض اور کینہ رکھتا تھا اور جہاں بیٹھتا آپ کے خلاف گفتگو کرتا۔خلیفہ کے منع کرنے پر بھی وہ باز نہ آیا۔ایک دن اس نے منصور سے کہا کہ میں آپ کے سامنے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے تین سوال کرنا چاہتا ہوں اگر انہوں نے صحیح جواب دے دیئے تو آئندہ انکی برائی نہیں کروں گا۔

منصور نے امام صاحب کو بلایا اور خادم کو کہا کہ سوال کرو۔پہلا سوال یہ تھا کہ دنیا کا درمیان (محور) کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا، وہ جگہ یہی ہے جہاں تو بیٹھا ہوا ہے۔اس نے دوسرا سوال کیا، دنیا میں سروں والی مخلوق زیادہ ہے یا پاؤں والی؟ آپ نے فرمایا، سروں والی مخلوق زیادہ ہے۔تیسرا سوال یہ کیا کہ اس کائنات پر مرد زیادہ ہیں یا عورتیں؟ آپ نے فرمایا، دونوں زیادہ ہیں مگر تم بتاؤ کہ تم مرد ہو یا عورت؟ تم کس جنس سے تعلق رکھتے ہو؟ کیونکہ خصی (نامرد) بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔یہ سن کر وہ خادم مبہوت ہو کر رہ گیا (کیونکہ اس کا خصی ہونا لوگوں کو معلوم نہ تھا)۔

33۔ سیاہ بال چن لو:

علی بن عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت ایک حجام آپ کی حجامت بنا رہا تھا۔آپ نے فرمایا، سفید بال چن لے۔حجام نے کہا کہ آپ ایسا نہ کریں کیونکہ جہاں سے سفید بال چنے جاتے ہیں وہاں کئی اور سفید بال اگ آتے ہیں۔آپ نے فرمایا، اچھا پھر سیاہ بال چن لے تاکہ سیاہ بالوں کا غلبہ ہو جائے اور سفید ختم ہو جائیں۔یہ بات اگرچہ مزاحیہ تھی۔مگر جب قاضی شریک رحمہ اللہ کو یہ لطیفہ سنایا گیا تو انہوں نے ہنس کر فرمایا، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے تو حجام کو بھی اپنے قیاس سے لاجواب کر دیا۔

امام اعظم کا علمی تبحر:

امام اعظم رضی اللہ عنہ علم کا ایک بہت بڑا خزانہ تھے۔مشکل اور پیچیدہ مسائل میں آپ کا ذہن اس تیزی کے ساتھ صحیح نتیجہ تک پہنچ جاتا کہ دوسرے لوگ حیران رہ جاتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو مسائل کسی سے حل نہیں ہو سکتے، وہ آپ نہایت آسانی سے حل فرما دیا کرتے۔آپ مناظرے اور مباحثے میں اپنے مدمقابل پر چھا جاتے اور اسے لاجواب کر دیتے تھے۔

علامہ موفق مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، امام اعظم رضی اللہ عنہ اگرچہ دین کے مسائل حل کرنے میں علماء وقت کے سردار تھے مگر بعض نکات اور بعض مشکل سوالات کے فوری اور فی البدیہہ جواب دے کر انہوں نے ذہانت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

ذیل میں امام موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ کی کتاب ''مناقب الامام'' اور امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی کتاب ''الخیرات الحسان'' سے چند واقعات تحریر کیے جا رہے ہیں جن سے سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے علمی تبحر کا ہلکا سے اندازہ کیا جا سکتا ہے:-

34۔ یہ مومن ہے یا کافر:

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا، ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے جنت کی کوئی امید نہیں، میں اللہ سے نہیں ڈرتا، مجھے دوزخ کی کوئی پروا نہیں، مردار کھاتا ہوں، نماز میں رکوع وسجود نہیں کرتا۔میں اس چیز کی گواہی دیتا ہوں جسے میں نے آج تک نہیں دیکھا۔میں حق سے نفرت کرتا ہوں اور فتنے سے محبت کرتا ہوں۔

آپ نے اپنے شاگردوں کی طرف دیکھا اور متوجہ ہو کر فرمایا، اس شخص کی ان باتوں کا کیا جواب ہے؟ بعض شاگردوں نے کہا، ایسا شخص تو کافر ہو گیا، بعض خاموش رہے۔

آپ نے اس گفتگو کو اس انداز میں سلجھایا اور فرمایا،

یہ شخص جنت کی امید نہیں رکھتا صرف اللہ کی ذات کی امید رکھتا ہے۔جنت سے اللہ کی محبت اور امید بڑھ کر ہے۔

وہ مردار کھاتا ہے یعنی مچھلی ذبح کیے بغیر کھاتا ہے اور بغیر رکوع اور سجود کے نماز ادا کرتا ہے یعنی نماز جنازہ۔

وہ بلادیکھے گواہی دیتا ہے، اس نے اللہ کو نہیں دیکھا مگر اس کی ذات کی گواہی دیتا ہے۔یہ اس قیامت کی بھی گواہی دیتا ہے جسے اس نے نہیں دیکھا۔

وہ حق سے نفرت کرتا ہے، موت حق ہے اور وہ موت سے نفرت کرتا ہے۔

وہ فتنے سے محبت کرتا ہے، یعنی اسے اپنی اولاد سے محبت ہے جو ایک فتنہ ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی باتیں سن کر وہ شخص اٹھا اور آپ کے سر کو چوما اور کہا،

''میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک آپ علم کے سمندر ہیں، ذہانت کے دریا ہیں۔میں آپ سے متعلق جو خیالات رکھتا تھا، ان سے توبہ کرتا ہوں''۔

35۔ حضرت قتادہ سے مذاکرہ:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کوفہ میں آئے تو لوگوں کو جمع کیا اور درس کی ایک مجلس منعقد کی۔عظیم مجمع ہو گیا۔امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی وہاں تشریف لے آئے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا، مجھ سے فقہ کا کوئی سوال پوچھیں۔امام اعظم رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا، اے ابوالخطاب! جو شخص سفر پر جائے اور پھر اسکی کوئی خبر نہ ملے اسکی بیوی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا، وہ عورت چار سال تک انتظار کرے اور اس کا شوہر واپس آجائے تو بہتر ورنہ عدت گزار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے۔آپ نے پوچھا، اگر اسکا خاوند چار سال کے بعد آجائے اور اپنی بیوی کو کہے، اے زانیہ تو نے کیوں نکاح کرلیا جب کہ میں ابھی زندہ ہوں؟ پھر اس کا دوسرا شوہر کھڑا ہو کر کہے کہ اے زانیہ تو نے کیوں نکاح کیا جبکہ تیرا شوہر سامنے کھڑا ہے؟ بتایئے یہ عورت کیا کرے گی اور کس کی منکوحہ ٹھہرے گی اور اس کے ساتھ کون لعان کرے گا؟

قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا، کیا یہ صورت پیش بھی آئی ہے؟ آپ نے فرمایا، نہیں لیکن علماء کو پہلے سے تیار رہنا چاہیے تاکہ وقت پر تردد نہ ہو۔

یہ سن کر قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ان مسائل کو چھوڑو اور مجھ سے قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر کے متعلق سوال کرو۔آپ پھر کھڑے ہوئے اور کہا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اٰتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک

''اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کر دوں گا ایک پل مارنے سے پہلے''۔اس آیت میں کون شخص مراد ہے؟ قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا، آصف بن برخیا جو اسمِ اعظم جانتے تھے۔امام اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کیا سلیمان علیہ السلام اسم اعظم جانتے تھے؟ فرمایا، نہیں۔آپ نے فرمایا، کیا ایک نبی کے دربار میں ان کا امتی ان سے بڑھ کر کتاب کا علم رکھتا تھا؟ یہ سن کر قتادہ رضی اللہ عنہ ناراض ہو گئے اور کہا، مجھ سے علم کلام کے بارے میں سوال کریں۔

آپ نے پھر کھڑے ہو کر کہا، کیا آپ مومن ہیں؟ انہوں نے فرمایا، انشاء اللہ، میں مومن ہوں۔(اکثر محدثین احتیاط کے طور پر اپنے آپ کو قطعی مومن نہیں کہتے تھے) آپ نے پوچھا، آپ نے یہ قید کیوں لگائی؟ (کہ ایمان تو یقین کا نام ہے) انہوں نے جواب میں فرمایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: **والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین** ۔''مجھ کو امید ہے کہ خدا قیامت کے دن میرے گناہوں کو معاف فرمادے گا''۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا تھا، **اولم تؤمن** ۔''کیا آپ اس پر ایمان نہیں رکھتے''۔تو انہوں نے جواب میں بلٰی کہا تھا یعنی ہاں میں مومن ہوں۔آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی تقلید کیوں نہ کی؟ قتادہ رضی اللہ عنہ اس بات پر لاجواب ہو گئے اور مجلس چھوڑ کر اپنے گھر چلے گئے۔

36۔ خارجیوں سے طویل مناظرہ:

حضرت حماد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد گرامی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے علمی ادراک کی خبر جب خوارج کو پہنچی اور انہیں یہ معلوم ہوا کہ آپ فسق کی

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 17/51

وجہ سے اہلِ قبلہ پر کفر کا فتویٰ نہیں دیتے تو ان کے ستر آدمی ایک وفد کی صورت میں آپ کے پاس آئے۔ اس وقت آپ کے پاس لوگوں کا بہت بڑا ہجوم تھا اور آپ کے پاس بیٹھنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ انہوں نے چلا کر کہا، حضرت ہم ایک ملت پر ہیں، آپ اپنے لوگوں کو کہیں کہ وہ ہمیں ملاقات کے لیے قریب آنے کا موقع دیں۔

جب یہ لوگ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قریب پہنچے تو سب نے میانوں سے تلواریں نکال لیں اور کہا تم اس امت کے دشمن ہو، تم اس امت کے شیطان ہو۔ ہمارے نزدیک ستر آدمیوں کے قتل کرنے سے تم جیسے تنہا شخص کو قتل کر دینا بہتر ہے لیکن ہم قتل کرتے وقت ظلم نہیں کریں گے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم مجھے انصاف دینا چاہتے ہو؟ اگر یہ بات درست ہے تو پہلے اپنی تلواریں میانوں میں کرلو۔ وہ کہنے لگے، ہم انہیں میانوں میں کیوں کرلیں ہم تو انہیں آپ کے خون سے رنگین کرنے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا، چلو تم اپنا سوال کرو۔ وہ کہنے لگے، مسجد کے دروازے پر دو جنازے آئے ہیں، ایک ایسا شخص ہے جس نے شراب کے نشے میں دھت ہو کر جان دی۔ دوسری ایک عورت کی لاش ہے جس نے زنا کروایا اور اس کے پیٹ میں حرام کی اولاد ہے اس نے شرمساری سے بچنے کے لئے خودکشی کرلی۔ کیا آپ ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے؟

آپ نے پوچھا، کیا وہ دونوں مرنے والے یہودی تھے؟ کہا نہیں۔ فرمایا، کیا وہ نصرانی تھے؟ کہا نہیں۔ فرمایا، کیا وہ مجوسی تھے؟ کہا نہیں۔ فرمایا، تو وہ کس دین اور کس مذہب پر تھے؟ کہنے لگے، اس دین پر جس کی تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

امام اعظم نے فرمایا، تم خود گواہی دے رہے ہو کہ وہ ملتِ اسلام پر تھے، اب یہ بتاؤ کہ ان کا ایمان تہائی تھا یا چوتھائی یا پانچواں حصہ تھا؟ وہ کہنے لگے ، ایمان کی کوئی مقدار نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا، عجیب بات ہے جب تم خود ہی اقراری ہو کہ وہ مومن تھے پھر پوچھتے ہو کہ ان کی نماز پڑھی جائے یا نہیں۔ انہوں نے جھینپ کر کہا، ہمارا سوال یہ ہے کہ وہ جنتی ہیں یا دوزخی؟

آپ نے فرمایا، جب تم انکے مومن ہونے کے اقرار کے بعد بھی سوالات کرنے سے باز نہیں آتے تو سنو، میں ان کے بارے میں وہی کہوں گا جو ابراہیم علیہ السلام نے اس قوم کے بارے میں کہا تھا جو جرم میں اِن سے بڑھ کر تھی۔

فمن تبعنی فانه منی ومن عصانی فانک غفور الرحیم ۔

'' تو جس نے میرا ساتھ دیا وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا تو بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے''۔ (ابراھیم:۳۶، کنزالایمان)

پھر ان کے بارے میں مجھے یہی کہنا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس قوم کے متعلق کہا تھا جو ان سے جرم میں بڑھ کر تھے۔

ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم ۔'' اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا''۔ (المائدۃ:۱۱۸، کنزالایمان)

میں ان سے حضرت نوح علیہ السلام کے فرمان کے مطابق سلوک کروں گا۔ آپ نے فرمایا تھا،'' کافر بولے، کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں اور تمہارے ساتھ کمینے ہوئے ہیں؟ فرمایا، مجھے کیا خبر انکے کام کیا ہیں، ان کا حساب تو میرے رب ہی پر ہے اگر تمہیں سمجھ ہو، اور میں مسلمانوں کو دور کرنے والا نہیں، میں تو نہیں مگر صاف ڈر سنانے والا''۔ (الشعراء:۱۱۱تا۱۱۵)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ان زبردست دلائل کے سامنے خوارج نے ہتھیار ڈال دیئے اور اس مجلس میں اعلان کیا کہ آج ہم ان تمام نظریاتِ باطلہ اور خیالاتِ فاسدہ سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں جس پر اب تک ہم عمل پیرا تھے اور ہم آپ کے نظریات کی روشنی میں دین اسلام کو اختیار کرتے ہیں۔

پس جب خوارج کا یہ وفد وہاں سے روانہ ہوا تو اپنے خیالات سے توبہ کر کے روانہ ہوا اور انہوں نے اہلسنّت و جماعت کے عقائد اختیار کر لیے۔

37۔ امام اوزاعی سے گفتگو:

امام اوزاعی اور امام اعظم رضی اللہ عنہما کی مکّہ معظمہ میں ملاقات ہوئی۔ امام اوزاعی نے امام اعظم سے کہا، کیا بات ہے کہ آپ لوگ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین نہیں کرتے؟ امام اعظم نے فرمایا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح روایت نہیں۔ امام اوزاعی نے کہا، کیسے نہیں حالانکہ مجھ سے زہری نے حدیث بیان کی وہ سالم سے، سالم اپنے والد ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے، جب رکوع میں جاتے اور جب رکوع سے اٹھتے تو رفع یدین کیا کرتے تھے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

اس کے جواب میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم سے حماد نے حدیث بیان کی ، وہ ابراہیم نخعی سے وہ علقمہ سے وہ عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ صرف افتتاحِ نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے، اس کے بعد پھر نہیں کرتے تھے۔ اس پر امام اوزاعی نے کہا کہ میں **عن الزھری عن سالم عن ابیه**۔ حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ کہتے ہیں **حدثنی حماد عن ابراھیم عن علقمة**۔

امام اعظم نے فرمایا، حماد، زہری سے افقہ ہیں اور ابراھیم، سالم سے افقہ ہیں اور علقمہ فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں اگرچہ صحابی ہونے کی وجہ سے علقمہ سے افضل ہیں۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی فقہ میں برتری سب ہی کو معلوم ہے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

امام اوزاعی رضی اللہ عنہ نے حدیث کو علوِ سند سے ترجیح دی اور امام اعظم رضی اللہ عنہ نے راویوں کے اَفقہ ہونے کی بنیاد پر حدیث کی فوقیت بیان کی۔ یہ جواب سن کر امام اوزاعی رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔

38۔ گانے والی عورتیں:

ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ اپنے اصحاب کے ہمراہ کوفہ کے باہر سیر کو گئے، واپسی پر راستہ میں قاضی ابن ابی لیلیٰ مل گئے۔ انہوں نے سلام کیا اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلنے لگے۔ جب ایک باغ میں پہنچے تو وہاں کچھ ایسی گانے بجانے والی عورتیں گا رہی تھیں جو کوفہ میں بدنام سمجھی جاتی تھیں۔ ان عورتوں نے انہیں دیکھا تو خاموش ہوگئیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا، **احسنتن** ۔'' تم نے خوش کر دیا''۔ ابن ابی لیلیٰ نے امام صاحب کے یہ الفاظ یاد رکھے تا کہ کسی مجلس میں انھیں شرمسار کرنے کے لیے بیان کیے جائیں۔

ایک دن اس نے عدالت میں کسی گواہی کے لیے آپ کو بلایا، حضرت نے گواہی تحریر کر دی مگر ابن ابی لیلیٰ نے آپ کی گواہی یہ کہہ کر مسترد کر دی کہ آپ نے گانے بجانے والی عورتوں کو **احسنتن** کہا تھا اور ان فاحشہ عورتوں کو داد دی تھی۔ آپ نے دریافت کیا، میں نے انہیں کب **احسنتن** کہا، جب گا رہی تھیں یا جب وہ خاموش ہوگئی تھیں؟ ابن ابی لیلیٰ نے کہا، جب وہ خاموش ہوگئیں۔ آپ نے فرمایا، اللہ اکبر! میں نے تو انہیں **احسنتن** ان کے خاموش ہونے اور گانا بند کرنے پر کہا تھا نہ کہ ان کے گانے بجانے پر۔ یہ سنتے ہی ابن ابی لیلیٰ نے آپ کی گواہی خاموشی سے قبول کر لی۔

39۔ وہ بہت بڑا فقیہ ہے:

جن دنوں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں قیام فرما رہے تھے تو وہاں کا گورنر عیسیٰ بن موسیٰ تھا، اسے ایک فیصلہ میں ایک شرط لکھوانے کی ضرورت پیش آئی تو اس نے وقت کے دو بڑے فقیہ علماء ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہما اللہ کو طلب کیا۔ مگر ابن شبرمہ جو شرط لکھواتے اسے ابن ابی لیلیٰ رد کر دیتے اور جو شرط ابن ابی لیلیٰ پیش کرتے اسے ابن شبرمہ توڑ دیتے۔ اسی دوران امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے، آپ کو گورنر نے شرط لکھوانے کا کہا۔ آپ نے ارشاد فرمایا، کاتب کو بلایئے، میں اسے ابھی لکھوا دیتا ہوں۔

آپ نے کاتب کو جو تحریر لکھوائی اسے توڑنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ چنانچہ یہ تحریر ابن شبرمہ اور ابن لیلیٰ رحمہما اللہ کے سامنے پڑھی گئی تو دونوں انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے۔ جب وہ گورنر کی محفل سے باہر نکلے تو ایک نے دوسرے کو کہا، دیکھا اس جولا ہے (کپڑا بیچنے والے) نے مسئلہ کو کیسے حل کر دیا۔ دوسرے نے کہا، ایک جولا ہے کو ایسی تحریر لکھوانے کی ہمت نہیں ہوتی، بیشک وہ ایک بہت بڑا فقیہ ہے، اس نے سب علماء کو دنگ کر کے رکھ دیا ہے۔

40۔ آیت کی تفسیر:

ایک مرتبہ امام عطاء بن ابن رباح رضی اللہ عنہ کے پاس امام اعظم رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اس آیت کے بارے میں سوال کیا، **و آتینا ہ اھله و مثلھم معھم** ۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کے اہل وعیال واپس کر دیے اور ان کے ساتھ انکی مثل اولاد عنایت فرمائی۔

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 18/51

یدین، آمین بالجھر، قراۃ خلف الامام ودیگر مسائل پر ہم علیحدہ سے ایک باب میں گفتگو کریں گے۔

''مسائل فقہ میں متعدد مثالیں موجود ہیں جن میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حدیث واثر کی وجہ سے قیاس کو مطلقاً ترک کر دیا ہے مثلاً نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یہ قیاس کے خلاف ہے امام مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ کا مذہب بھی یہ ہے کہ یہ ناقضِ وضو نہیں۔ امام محمد رضی اللہ عنہ اس بارے میں استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قیاس وہی ہے جو اہلِ مدینہ کہتے ہیں لیکن حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کوئی چیز نہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حدیث میں وارد ہے کہ ''روزے میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا''۔ حالانکہ یہ قیاس کے خلاف ہے۔ کیونکہ قیاس یہ کہتا ہے کہ جب کھا پی لیا تو روزہ ختم۔ امام نے فرمایا، ''اگر اس بارے میں احادیث نہ ہوتی تو میں روزہ قضا کرنے کا حکم دیتا''۔ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۲۰۷)

اسی طرح امام اعظم رضی اللہ عنہ قرعہ اندازی کو جائز سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ قیاس کی رو سے تو قرعہ اندازی درست معلوم نہیں ہوتی لیکن ہم قیاس کو حدیث اور سنتِ نبوی کی وجہ سے ترک کر دیتے ہیں۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری)

علی بن عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ پہلے عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے کہ حیض کی مدت پندرہ دن ہے مگر جب آپ کے سامنے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت آئی کہ ''حیض کی مدت تین دن سے دس دن تک ہے باقی ایام اگر خون آئے تو استحاضہ ہے'' تو آپ نے سابقہ فتویٰ سے رجوع کر لیا اور قیاس ترک کر دیا۔ (مناقب للموفق: ۱۰۳)

جب آپ کی امام باقر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا، سنا ہے تم قیاس کی بناء پر ہمارے نانا رسول کریم ﷺ کی احادیث کی مخالفت کرتے ہو؟ آپ نے عرض کی، یہ سراسر بہتان ہے۔ دیکھیے! عورت مرد سے کمزور ہے لیکن وراثت میں اس کا حصہ مرد سے نصف ہے۔ اگر میں قیاس کرتا تو فتویٰ دیتا کہ عورت کو مرد سے دوگنا حصہ ملنا چاہیے لیکن میں ایسا نہیں کرتا۔ اسی طرح نماز، روزے سے افضل ہے جبکہ حائضہ عورت پر روزے کی قضا ہے، نماز کی نہیں۔ اگر میں قیاس کرتا تو حیض سے پاک ہونے والی عورت کو نماز کی قضاء کا بھی حکم دیتا مگر میں حدیث کے مطابق روزے ہی کی قضاء کا حکم دیتا ہوں۔ یونہی پیشاب منی سے زیادہ نجس ہے۔ اس لیے اگر میں قیاس کرتا تو پیشاب کرنے والے کو غسل کا حکم دیتا اور احتلام والے کو صرف وضو کے لیے کہتا۔ لیکن میں احادیث کے مقابل قیاس نہیں کرتا۔ یہ سن کر امام باقر رضی اللہ عنہ اسقدر خوش ہوئے کہ انہوں نے آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ (مناقب للموفق: ۱۲۶)

اسی طرح شرعی احکام والی روایت کا ایک سے زیادہ صحابہ سے منقول ہونا ضروری ہے۔ اس لیے عضو خاص کو چھونے سے وضو ٹوٹنے والی حدیث پر عمل نہیں کیا گیا جس کو صرف حضرت بسرہ رضی اللہ عنہ نے تنہا روایت کیا حالانکہ اس کا جاننا عام لوگوں کے لیے ضروری تھا۔ (الخیرات الحسان: ۲۶۱)

امام اعظم رضی اللہ عنہ اس حدیث پر بھی عمل نہیں کرتے جو کسی فنی سقم کی بنا پر نامقبول ہو اور اسکے مقابل صحیح حدیث موجود ہو۔ آپ چھوہاروں کے بدلے میں تازہ کھجور کی تجارت جائز قرار دیتے ہیں۔ اہل بغداد نے یہ حدیث بیان کی کہ حضور ﷺ نے تازہ کھجوروں کو چھوہاروں کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ حدیث زید بن ابی عیاش پر موقوف ہے اور ان کی روایت متروک سمجھی جاتی ہے اسلیے یہ نامقبول اور شاذ ہے۔ جبکہ صحیح حدیث کی رو سے یہ تجارت جائز ہے۔ (فتح القدیر ج ۵: ۲۹۶)

امام اعظم رضی اللہ عنہ اس حدیث پر بھی عمل نہیں کرتے جو حضور ﷺ کی خصوصیت ہو اور حضور ﷺ کے بعد کسی صحابی نے اس پر عمل نہ کیا ہو۔ مثال کے طور پر بخاری میں حضور ﷺ کے نجاشی بادشاہ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ شارحین فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کے نزدیک اس وقت نجاشی کا جنازہ نبی کریم ﷺ کی نگاہ پاک سے اوجھل نہیں تھا۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۴: ۲۵، فتاویٰ رضویہ ج ۹: ۳۴۷)

یعنی اس طرح نماز جنازہ ادا کرنا صرف حضور ﷺ ہی کی خصوصیت تھا۔ آپ کے بعد دورِ صحابہ میں بیشمار مسلمان فوت ہوئے مگر کبھی کسی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا نہ کی گئی۔ اس بناء پر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ ناجائز ہے۔ اس بارے میں تفصیل جاننے کے لیے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ کا تحقیقی اور مدلل رسالہ، فتاویٰ رضویہ جلد نہم میں ملاحظہ فرمائیں۔

عمل بالحدیث کے حوالے سے شارح بخاری رقمطراز ہیں، ''احناف عمل بالحدیث میں اتنے آگے ہیں کہ دنیا کا کوئی طبقہ اس میں ان کی ہمسری نہیں کر

(تعارف فقہ وتصوف: ۲۰۴)

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مذکورہ فقہ کی تعریف ہی دراصل تصوف وطریقت کی اصل ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ آپ کے اخلاص، صداقت ودیانت، عبادت وریاضت اور زہد وتقوی کے باعث رب تعالیٰ نے آپ کو تصوف وطریقت میں بلند درجہ عطا کیا اور امامت واجتہاد کے اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا۔ اسی بناء پر امتِ مسلمہ کی عظیم اکثریت، تین چوتھائی حصہ آپ کا مقلد ہے۔

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست ۔۔۔ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اسکی تائید حضرت داتا صاحب رحمہ اللہ کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے خواب میں آقا ومولیٰ ﷺ کی زیارت کی اور دیکھا کہ آپ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں، خواب سے یہ ظاہر ہو گیا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ان پاک لوگوں میں سے تھے جو اوصافِ طبع میں فانی اور احکامِ شرع کے ساتھ باقی ہیں اس لیے کہ حضور ﷺ آپ کو اٹھا کر لائے یعنی آپ کے چلانے والے سید عالم ﷺ ہیں۔ اگر آپ خود چل کر آتے تو باقی الصفت ہوتے۔

باقی الصفت لوگ منزل کو پا بھی سکتے ہیں اور منزل سے بھٹک بھی سکتے ہیں۔ چونکہ رسول کریم ﷺ نے آپ کو اٹھایا ہوا تھا اس لیے یقیناً آپ کی ذاتی صفات فنا ہو چکی تھیں اور وہ آقا کریم ﷺ کی صفات کے ساتھ صاحبِ بقا تھے۔ حبیبِ کبریا ﷺ سہو وخطا سے بالاتر اور معصوم ہیں اس لیے یہ ناممکن ہے کہ جسے ان کا سہارا نصیب ہو، وہ سہو وخطا کا مرتکب ہو سکے۔ (کشف المحجوب: ۱۶۵)

حضرت داتا صاحب رحمہ اللہ امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی کے مقلد تھے۔ مقدمہ درمختار میں ہے کہ کثیر اولیاء کرام آپ کے مذہب حنفی کے پیروکار ہیں اور اولیاء کرام بھی وہ کہ جو کشف ومشاہدات کے میدان میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ اگر وہ اس میں ذرا بھی شک وشبہ پاتے تو ہرگز آپ کی پیروی کرتے نہ تقلید کرتے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابتدائے تعلیم میں مجھے شافعی مذہب اختیار کرنے کا خیال آیا تو میں نے اپنے مرشد شیخ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ سے عرض کیا۔ انہوں نے فرمایا، ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ حق امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ میں نے پوچھا، آپ یہ بات دلائل کی بنا پر کہتے ہیں یا کشف اور مشاہدہ کی بنا پر؟ تو انہوں نے فرمایا، ''ہم اسی طرح محسوس کرتے ہیں''۔ (تعارف فقہ وتصوف: ۲۳۱)

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا یہ ارشاد بھی دل کی آنکھوں سے پڑھنے کے لائق ہے، ''کشف کی نظر میں مذہب حنفی عظیم دریا کی صورت میں نظر آتا ہے اور دوسرے مذاہب چھوٹی نہروں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں''۔ (مکتوبات دفتر دوم: ۵۵)

امام ابن حجر مکی شافعی کی گواہی بھی ملاحظہ فرمایئے، آپ فرماتے ہیں، ''امام اعظم ان ائمہ اسلام میں سے ہیں جو خدا کے اس فرمان کا مصداق ہیں کہ اَلاَ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لاَخَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلاَ ھُمْ یَحْزَنُوْن...... الخ۔ ''سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ غم، وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں، انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں''۔ (سورہ یونس: ۶۲-۶۴)

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ائمہ مجتہدین وعلماءِ عاملین میں سے ہر ایک محیر العقول کمالات رکھتا تھا اور ان سے ایسے احوال وکرامات صادر ہوتے تھے جن کا سوائے جاہل دشمن کے کوئی انکار نہیں کر سکتا تھا۔ یہ حضرات دراصل شریعت وحقیقت کے جامع تھے''۔ (الخیرات الحسان: ۶۰)

امام اعظم اور کشف وفراست:

اولیاء کرام کا ایک روحانی وصف ''کشف ومشاہدہ'' ہے۔ متعدد واقعات شاہد ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کسی موقع پر بھی اپنی باطنی فراست سے جو بات ارشاد فرمائی وہ پوری ہوئی۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ بہت غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ انکی والدہ اکثر انہیں درس سے لے جاتی تھیں تاکہ کچھ کما کر لائیں۔ ایک دن امام اعظم نے انکی والدہ سے فرمایا، ''تم اسے علم سیکھنے دو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک دن یہ روغنِ پستہ کے ساتھ فالودہ کھائے گا''۔ یہ سن کر وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں۔

مدت بعد ایک دن خلیفہ ہارون رشید کے دسترخوان پر فالودہ پیش ہوا۔ خلیفہ نے امام ابویوسف رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا۔ پوچھا، یہ کیا ہے؟ خلیفہ

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 19/51

نے کہا، فالودہ اور روغنِ پستہ۔ یہ سن کر آپ ہنس پڑے۔ خلیفہ نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو مذکورہ واقعہ بیان فرمایا۔ خلیفہ نے کہا، علم دین و دنیا میں عزت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ پر رحمت فرمائے، وہ باطن کی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھتے تھے جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ (تاریخ بغداد ج۱۴: ۲۴۵)

حدیثِ مبارکہ ہے، ''مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''۔ آپ نے ایک بار اپنی فراست سے امام داؤد طائی سے فرمایا، تم عبادت کے ہی ہو رہو گے، امام ابو یوسف سے فرمایا، تم دنیا کی طرف مائل ہو گے (یعنی دنیاوی منصب قبول کرو گے اور مالدار ہو جاؤ گے)، اسی طرح امام زُفر وغیرہ کی نسبت بھی مختلف رائے ظاہر کی۔ آپ نے جس کے متعلق جو فرمایا تھا وہ پورا ہوا۔ (ایضاً: ۲۴۸) رحمہم اللہ تعالی

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے کشف و مشاہدہ کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں،

''عارفِ ربانی امام شعرانی رحمہ اللہ نے میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرمایا کہ میں نے سیدی علی خواص شافعی رحمہ اللہ (جو اکابر اولیاء میں سے تھے) کو فرماتے سنا ہے کہ ''امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مشاہدات اتنے دقیق ہیں جن پر بڑے بڑے صاحبانِ کشف، اولیاء اللہ ہی مطلع ہو سکتے ہیں''۔

آپ فرماتے ہیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ جب وضو میں استعمال شدہ پانی دیکھتے تو اس میں جتنے صغائر و کبائر و مکروہات ہوتے انکو پہچان لیتے تھے۔ اس لیے جس پانی کو مکلّف نے استعمال کیا ہو، آپ نے اسکے تین درجات مقرر فرمائے۔

اول: وہ نجاستِ مغلظہ ہے کیونکہ اس امر کا احتمال ہے کہ مکلّف نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔

دوم: وہ نجاستِ متوسطہ ہے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس نے صغیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔

سوم: وہ طاہر غیر مطہر ہے، کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس نے مکروہ کا ارتکاب کیا ہو۔

انکے بعض مقلد یہ سمجھے کہ یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تین اقوال ہیں ایک ہی حالت میں، حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ تین اقوال گناہوں کی اقسام کے اعتبار سے ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد۲ صفحہ ۶۳)

معروف احادیث میں آیا ہے کہ جب مسلمان وضو کرتا ہے تو اسکے اعضاء سے گناہ دُھل جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اصحابِ مشاہدہ اپنی آنکھوں سے وضو کے پانی سے لوگوں کے گناہوں کو دُھلتا ہوا دیکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اہلِ شہود کے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مستعمل پانی نجاستِ مغلظہ ہے کیونکہ وہ اس پانی کو گندگیوں میں ملوث دیکھتے تھے، تو ظاہر ہے کہ وہ دیکھتے ہوئے، اس کے علاوہ اور کیا حکم لگا سکتے تھے۔

امام شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے سیدی علی الخواص رحمہ اللہ کو فرماتے سنا کہ اگر انسان پر کشف ہو جائے تو وہ لوگوں کے وضو اور غسل کے پانی کو نہایت گندہ اور بدبودار دیکھے گا اور اسے استعمال نہ کرے گا جیسے وہ اس پانی کو استعمال نہیں کرتا جس میں کتا یا بلی مرگئی ہو۔ میں نے ان سے کہا، اس سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالی اہلِ کشف سے تھے کیونکہ یہ مستعمل کی نجاست کے قائل تھے۔ تو انہوں نے فرمایا، جی ہاں! امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ تعالی بڑے اہلِ کشف تھے۔ (ایضاً: ۶۴)

مزید فرمایا، ایک مرتبہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جامع کوفہ کے طہارت خانہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک جوان وضو کر رہا ہے اور پانی کے قطرات اسکے اعضاء سے ٹپک رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا، اے میرے بیٹے! والدین کی نافرمانی سے توبہ کر۔ اس نے فوراً کہا، میں نے توبہ کی۔ اسی طرح ایک دوسرے شخص کے پانی کے قطرات دیکھے تو فرمایا، اے بھائی! زنا سے توبہ کر۔ اس نے کہا، میں نے توبہ کی۔ اسی طرح ایک شخص کے وضو کا مستعمل پانی دیکھا تو فرمایا، شراب نوشی اور گانے بجانے سے توبہ کر۔ اس شخص نے توبہ کی۔ (ایضاً: ۶۵)

آپ کا وصال:

خلیفہ منصور نے آپکو چیف جسٹس (قاضی القضاۃ) کے عہدہ کے لیے بغداد بلایا اور یہ لالچ دیا کہ دنیائے اسلام کے تمام قاضی آپکے ماتحت ہوں گے۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ جس کی پاداش میں آپکو قید کر دیا گیا۔ وہ روز آپ کو پیغام بھیجتا کہ اگر رہائی چاہتے ہو یہ عہدہ قبول کر لو لیکن آپ ہر بار انکار

کر دیتے، اُدھر اسکے درباری خلیفہ کو بھڑکاتے کہ یہ تو آپکی سخت توہین ہے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ آپ کو روزانہ قید سے نکال کر دس کوڑے لگائے جائیں اور اسکا بازاروں میں اعلان کیا جائے، چنانچہ آپ کو دردناک طریقہ سے مارا گیا یہاں تک کہ خون بہہ کر آپکی ایڑیوں پر گرنے لگا۔ اس طرح دس دن تک آپکو روزانہ دس کوڑے مارے گئے۔

پھر خلیفہ نے حکم دیا کہ آپ کے سر پر کوڑے مارے جائیں۔ اس بدترین ظلم و ستم کے باوجود آپکے پائے استقلال میں کوئی جنبش نہ آئی تو خلیفہ کے حکم سے آپ کو جیل میں زہر دیدیا گیا۔ اس طرح ظاہری اور خفیہ طور پر آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ صحیح سند سے مروی ہے کہ جب آپکو زہر کا اثر محسوس ہوا تو آپ سربسجود ہو گئے اور سجدے کی حالت میں آپ کی شہادت ہوئی۔ (مناقب للموفق: ۴۲۵، الخیرات الحسان: ۲۲۵)

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''محض قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول نہ کرنے کی وجہ سے خلیفہ آپکو اس ظالمانہ طریقے سے شہید نہیں کرا سکتا تھا دراصل آپکے بعض دشمنوں نے خلیفہ سے خفیہ طور پر کہا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت ابراہیم بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم کو خلافتِ عباسیہ سے بغاوت پر اکسایا تھا (انہوں نے بصرہ میں عباسی خلیفہ کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا تھا) اور انکی مالی مدد بھی کی تھی۔ اس بات سے خلیفہ منصور بہت ڈرا کیونکہ آپ عزت و وجاہت والے اور مالدار تاجر تھے۔ چنانچہ اس نے آپ سے عہدۂ قضا قبول کرنے کو کہا جبکہ اسے علم تھا کہ آپ ایسا ہرگز نہ کریں گے۔ اس نے صرف اس لیے ایسا کہا تا کہ یہ آپ کے قتل کا بہانہ بن جائے۔ (الخیرات الحسان: ۲۲۶)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا وصال ماہ رجب یا شعبان میں ۱۵۰ھ میں ہوا۔

علامہ موفق رحمہ اللہ لکھتے ہیں، حضرت حسن بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو دیکھا کہ آپ حضرت محمد بن عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہم کا نام لیکر روتے تھے اور آپکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے تھے۔ آپ اہلِ بیت کی محبت سے سرشار تھے اور خلافتِ عباسیہ کو غلط سمجھتے تھے''۔ (مناقب: ۴۶۰)

عبداللہ بن واقد رحمہ اللہ (اہلِ ہرات کے امام) فرماتے ہیں، ''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو حسن بن عمارہ رحمہ اللہ نے غسل دیا اور میں نے بدنِ مبارک پر پانی ڈالنے کا شرف حاصل کیا''۔ جب امامِ اعظم رحمہ اللہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو بغداد میں لوگوں کا سمندر موجزن تھا جن میں اکثر دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ رحمۃ القوی فرماتے ہیں، امام اعظم کے ولی صاحبزادۂ جلیل حضرت سیدنا حماد بن ابی حنیفہ رحمہ اللہ تھے۔ جب انہوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی تو پھر کسی نے نہ پڑھی۔ امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ، الخیرات الحسان میں فرماتے ہیں، امام اعظم کے غسل سے فارغ ہونے تک بغداد میں اس قدر خلقت جمع ہوگئی کہ جس کا شمار خدا ہی جانتا ہے گویا کسی نے انتقالِ امام کی خبر پکار دی تھی۔ نماز پڑھنے والوں کا اندازہ کیا گیا تو کوئی کہتا، پچاس ہزار تھے اور کوئی کہتا کہ اس سے بھی زیادہ تھے۔ ان پر چھ بار نماز ہوئی اور آخری مرتبہ صاحبزادۂ امام حضرت حماد رحمہ اللہ نے پڑھی۔ (فتاویٰ رضویہ جلد۹: ۳۴۱)

علامہ موفق رحمہ اللہ لکھتے ہیں، آپ کے جنازے پر اس قدر لوگ آئے کہ آپکی نمازِ جنازہ چھ بار پڑھی گئی۔ آخری مرتبہ آپکے بیٹے حضرت حماد بن نعمان رحمہما اللہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور تقریباً 20 دن تک آپکی قبرانور پر نماز ہوتی رہی۔ آپکی وصیت تھی کہ چونکہ خلیفہ کے محلات کے اردگرد لوگوں کی غصب شدہ زمین ہے اسلیے مجھے مقبرۂ خیزراں کی وقف شدہ زمین میں دفن کیا جائے، چنانچہ آپکو وہاں دفن کیا گیا۔

خلیفہ منصور نے احساسِ ندامت کم کرنے کے لیے بیس دن گزرنے کے بعد آپکے مزار پر آ کر نمازِ جنازہ ادا کی۔ جب اسے بتایا گیا کہ امامِ اعظم رحمہ اللہ کو ان کی اس وصیت کے پیشِ نظر مقبرۂ خیزراں میں دفن کیا گیا ہے تو منصور نے کہا، ابوحنیفہ! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے تو نے زندگی میں بھی مجھے شکست دی اور موت کے بعد بھی مجھے شرمندہ کیا ہے۔ (مناقب للموفق: ۴۲۹)

جب آپ کے وصال کی خبر ابنِ جریج رحمۃ اللہ علیہ، فقیہ مکہ کو پہنچی جو امام شافعی رحمہ اللہ کے استاذ الاستاذ تھے تو انھوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا، ''کوفہ سے علم کا نور بجھ گیا اور اب ان کی مثل وہ کبھی نہ دیکھیں گے''۔ (الخیرات الحسان: ۲۲۸)

۴۵۹ھ میں سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے آپکے مزار پر ایک عظیم الشان قبہ بنوایا اور ایک مدرسہ بھی۔ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۲۱۹)

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 20/51

صدقۃ المغابری رحمہ اللہ (جن کی دعا قبول ہوتی تھی) فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو دفن کر دیا گیا تو مسلسل تین راتوں تک غیب سے یہ آواز آتی رہی،

''فقیہ چلا گیا اب تمہارے لیے فقہ نہیں، تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کے جانشیں بنو۔ نعمان کا وصال ہو گیا، اب کون ہے جو شب کو بیدار ہو جب وہ پردے پھیلا دے''۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس رات آپ کا وصال ہوا اس رات آپ پر جنات روئے۔

(الخیرات الحسان: ۲۲۹)

جب حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ آپ کی قبر مبارک پر آئے تو فرمایا، ''اللہ آپ پر رحم کرے، حضرت ابراھیم نخعی اور امام حماد رحمہا اللہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے اپنا نائب چھوڑا مگر آپ نے اپنے وصال کے بعد روئے زمین پر اپنا نائب نہ چھوڑا''۔ پھر بہت روئے۔ (ایضاً: ۲۳۳)

مزار کی برکتیں:

امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''جاننا چاہیے کہ علماء اور دیگر حاجت مند آپ کی قبر کی مسلسل زیارت کرتے رہتے ہیں اور آپ کے پاس آ کر اپنی حاجات کے لیے آپ کو وسیلہ بناتے ہیں اور اس میں کامیابی پاتے ہیں ان میں امام شافعی رحمہ اللہ بھی ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے، میں امام ابوحنیفہ سے تبرک حاصل کرتا ہوں اور جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو میں دو رکعت پڑھ کر انکی قبر پر آتا ہوں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں تو وہ حاجت جلد پوری ہو جاتی ہے''۔ (الخیرات الحسان: ۲۳۰)

اچھے خواب:

حدیث پاک ہے، ''اچھے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں''۔ کسی کی بزرگی، عظمت اور فضیلت بیان کرنے کے لیے اچھے خواب بیان کرنا اچھا فعل ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے، ''جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آ سکتا''۔ (بخاری)

ابن رجب رحمہ اللہ کہتے ہیں، ''حضور ﷺ نے خواب یا بیداری میں کچھ فرمایا، وہ حق ہے''۔ (اوشحۃ الجید)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ نے خواب میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کا دیدار کیا۔ پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ رسول کریم ﷺ کی قبر مبارک کھول رہے ہیں۔ اس کی تعبیر امام ابن سیرین رضی اللہ عنہ نے یہ دی کہ آپ حضور ﷺ کی احادیث میں سے وہ علوم پھیلائیں گے جو آپ سے قبل کسی نے نہ پھیلائے ہونگے اور آپ کو سنتِ نبوی محفوظ کرنے میں بلند مقام حاصل ہوگا۔

علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، آپ کے بعض اصحاب نے خواب میں دیکھا کہ لوگ آپ کی طرف متوجہ ہیں اور آپ جو فرماتے ہیں کوئی اس کا انکار نہیں کرتا۔ پھر آپ نے بہت سی مٹی لے کر چاروں سمت میں پھینک دی۔ امام ابن سیرین رحمہ اللہ نے اس خواب کی تعبیر یہ دی کہ یہ شخص فقیہ یا عالم ہے اور یہ احادیث رسول ﷺ سے وہ علوم و معارف ظاہر کرے گا جو لوگوں نے ظاہر نہ کیے اور اس کے نام کی شہرت مشرق و مغرب بلکہ تمام دنیا میں ہو گی۔

ازہر بن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے خواب میں سرکار دو عالم ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا دیدار کیا تو حضرات شیخین سے عرض کی، میں آقا کریم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا، پوچھو مگر آواز بلند نہ ہونے پائے۔ میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے علم کے بارے میں دریافت کیا کیونکہ میں ان کے متعلق اچھا خیال نہ رکھتا تھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ''ان کا علم حضرت خضر علیہ السلام کے علم سے ہے''۔

اور میں نے یہ خواب بھی دیکھا کہ آسمان سے تین ستارے پے در پے زمین پر گرے اور ابوحنیفہ، مسعر بن کدام اور سفیان ثوری بن گئے۔ (رحمہم اللہ) یہ خواب محمد بن مقاتل رحمہ اللہ سے بیان کیا تو وہ رونے لگے اور فرمایا، ''واقعی یہ علماء دین کے ستارے ہیں''۔ (الخیرات الحسان: ۲۳۴)

فضل بن خالد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں رسول کریم ﷺ کی زیارت کی تو عرض کیا، میرے آقا! آپ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے علم کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا، ''یہ ایسا علم ہے کہ جس کی لوگوں کو ضرورت ہے''۔

مسدد بن عبدالرحمٰن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں مکّہ میں رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان فجر سے پہلے سو گیا تو خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی۔ میں نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کوفہ میں ہے اور جسکا نام نعمان بن ثابت ہے۔ کیا میں اس سے علم حاصل کروں؟ تو آپ نے فرمایا، ''ہاں! ان سے علم حاصل کرو۔ وہ بہت اچھے فقیہ ہیں''۔ تو میں خدا سے مغفرت کی دعا مانگتے ہوئے بیدار ہوا کیونکہ میں نعمان رحمہ اللہ کو بہت برا سمجھتا تھا۔ اس کے بعد وہ مجھے محبوب ہو گئے''۔ (ایضاً: ۲۳۹، مناقب للموفق: ۴۵۴)

یہ تو ان خوابوں کا بیان تھا جو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے وصال سے قبل دیکھے گئے۔ اب وہ خواب بیان کیے جاتے ہیں جو آپ کے وصال کے بعد دیکھے گئے۔

حضرت حفص بن غیاث رحمہ اللہ نے فرمایا، ''امام اعظم رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد میں نے آپ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا، اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا، فرمایا، مجھے بخش دیا گیا۔ میں نے پوچھا، آپ کے قیاس کا کیا بنا؟ فرمایا، میرا قیاس عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسا نکلا''۔

مقاتل بن سلیمان رحمہ اللہ تفسیر کے امام تھے۔ انکی مجلس میں ایک شخص نے اٹھ کر پہلے لوگوں سے اپنے نیک ہونے کی گواہی لی اور پھر یہ خواب بیان کیا، کہ میں نے دیکھا، ''ایک شخص سفید پوشاک پہنے آسمان سے بغداد کے سب سے اونچے مینار پر اتر رہا ہے اور پھر سارے شہر میں اعلان ہوتا ہے لوگو آؤ زیارت کرو''۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ آج دنیائے اسلام کا کوئی بہت بڑا عالم رخصت ہو گیا ہوگا۔ صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ گذشتہ روز امام اعظم رحمہ اللہ کا وصال ہو گیا ہے۔ یہ سن کر مقاتل رحمہ اللہ خوب روئے اور فرمایا، آج وہ رخصت ہو گیا جو امتِ مصطفےٰ ﷺ کی مشکلات آسان کیا کرتا تھا''۔ (مناقب للموفق: ۴۵۲)

صالح بن خلیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، مجھے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، دیکھا کہ آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کھڑے ہیں اسی اثناء میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر آپکی تعظیم کی اور حضور ﷺ اس منظر کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے۔ (ایضاً: ۴۵۴)

اسی طرح ایک اور شخص نے خواب میں دیکھا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ ایک تخت پر جلوہ فرما ہیں اور آپ ایک بہت بڑے رجسٹر میں بعض لوگوں کے نام اور انکے لیے انعامات لکھتے جا رہے ہیں۔ اس شخص نے پوچھا، اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا اور یہ رجسٹر کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے میرے عمل اور مذہب کو قبولیت عطا فرمائی اور مجھے بخش دیا، پھر امت مصطفوی ﷺ کی لیے میری دعائیں اور شفاعت بھی قبول فرمائی۔ پوچھا گیا، آپ کتنے علم والے کے نام لکھ رہے ہیں؟ فرمایا، جسے اتنا بھی علم ہو کہ راکھ سے تیمّم ناجائز ہے تو اس کا نام بھی لکھ لیتا ہوں۔ (ایضاً: ۴۵۵)

سیدنا علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضرت معاذ الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور ﷺ کا دیدار کیا اور عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا، عند علم ابی حنیفة ۔ ''ابوحنیفہ کے علم میں''۔

داتا صاحب رحمہ اللہ پھر اپنا واقعہ تحریر کرتے ہیں کہ میں ایک بار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مزار کے پاس سو رہا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ میں ہوں اور حضور ﷺ بابِ شیبہ سے تشریف لائے اور ایک بوڑھے آدمی کو اس طرح گود میں لیے ہوئے تھے جیسے والدین چھوٹے بچوں کو سینے سے چمٹا لیتے ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر قدم بوسی کی اور میں حیران تھا کہ یہ خوش نصیب معمر شخص کون ہے جسے سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے سینۂ مبارک سے لگایا ہوا ہے۔

حضور ﷺ نے میرے دل کی بات سمجھ لی اور فرمایا، ''یہ مسلمانوں کا امام ہے اور تیرے دیار کا رہنے والا ابوحنیفہ ہے''۔ (کشف المحجوب: ۱۶۵)

یہ بات غور طلب ہے کہ کوئی بڑا آدمی اگر آگے چل رہا ہو اور بچہ اسکے پیچھے چلے تو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ بچہ گر نہ جائے۔ یونہی کوئی بچہ اگر کسی بڑے کی انگلی پکڑ کر چلے تو بھی گرنے کا امکان موجود ہوتا ہے۔ داتا صاحب رحمہ اللہ نے یہ نہیں دیکھا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ آقا و مولیٰ ﷺ کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں اور نہ ہی یہ دیکھا کہ وہ آقا کریم ﷺ کی انگلی پکڑ کر چل رہے ہیں بلکہ یہ دیکھا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ خود نہیں چل رہے بلکہ مصطفےٰ کریم ﷺ انہیں گود میں لے کر چلا رہے ہیں اس لیے ان کی فقہ میں خطا نہیں ہے۔ حضرت داتا صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں،

''رسول کریم ﷺ سہو و خطا سے بالاتر ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ جسے ان کا سہارا نصیب ہو، وہ سہو و خطا کا مرتکب ہو سکے''۔ (ایضاً: ۱۶۶) سبحان اللہ!

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 21/51

☆☆☆☆

باب پنجم(5)

وصایا اور نصیحتیں:

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو چند نصیحتیں فرمائیں جو ظاہری اصلاح اور باطنی تربیت میں بنیادی اور اہم حیثیت کی حامل ہیں۔

آپ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا،

''تم سب میرے دل کا سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور میرا حزن و ملال دور کرنے والے ہو۔ میں نے تمہارے لیے فقہ کی سواری تیار کی، اسکی زین کس دی اور اسکی لگام تمہارے ہاتھ میں پکڑا دی۔ ایک وقت آنے والا ہے کہ بڑے بڑے اہل علم تمہارے فیصلے سنا کریں گے اور تمہارے نقش قدم پر چلیں گے۔ تم میں سے ہر ایک قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میں تم کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیکر چند نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے جو علم تمہیں عطا فرمایا اس علم کو محکوم ہونے کی ذلت سے بچانا۔ جب تم میں سے کوئی قاضی بن جائے تو لوگوں کے مسائل حل کرے ان کا حاکم نہ بنے۔ لوگوں کو انصاف مہیا کرنا اور اگر کوئی خرابی محسوس ہو تو فوراً منصب قضاۃ سے علیحدہ ہو جانا، تنخواہ اور دولت کے لالچ میں اس سے چمٹے نہ رہنا۔ ہاں اگر ظاہر و باطن ایک ہوں تو پھر قضاۃ کے منصب پر قائم رہ کو خلقِ خدا کی امداد کرنا۔

ایسے لوگ جو امورِ دنیا سے علیحدہ ہو کر محض اللہ کی رضا کے لیے یہ عہدہ قبول کرتے ہیں ان کے لیے تنخواہ حلال ہے۔ اگر تم قاضی بن جاؤ تو لوگوں کے سامنے پردے نہ لگا دینا کہ وہ تمہیں مل نہ سکیں۔ ان کے لیے اپنی عدالتوں کے دروازے کھلے رکھنا، پانچوں وقت کی نماز جامع مسجد میں ادا کرنا اور نماز کے بعد اعلان کرنا، جسے انصاف کی ضرورت ہو اس کے لیے عدالت کے دروازے کھلے ہیں۔ عشاء کے بعد تین بار یہ اعلان کرنا۔ اگر بیمار ہو جاؤ اور عدالت میں نہ جا سکو تو اتنے دنوں کی تنخواہ نہ لینا۔ یاد رکھو انصاف نہ کرنے والے قاضی کی امامت باطل ہوتی ہے۔ ایسے قاضی کا فیصلہ بھی درست نہیں۔ اگر کوئی گناہ یا جرم کرے تو قاضی کا فرض ہے کہ اس کو روکے یا سزا دے۔ (مناقب للموفق: ۲۰۷ ملخصاً)

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے خاص شاگردوں امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام یوسف بن خالد سمتی رحمہ اللہ کے نام جو وصایا تحریر فرمائے وہ بلاشبہ نہ صرف امام اعظم رضی اللہ عنہکے ایک مشفق باپ، مہربان استاد، عظیم دانشور اور ماہرِ نفسیات ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہیں بلکہ آپ کے عمر بھر کے تجربات کا نچوڑ، اسلامی تعلیمات کا عطر اور دینی و دنیاوی امور میں فلاح اور کامیابی کی ضمانت ہیں۔ مزید یہ کہ یہ نصیحتیں خواص و عوام دونوں کے لیے یکساں نصیحت آموز ہیں۔ یہ دونوں وصایا پیشِ خدمت ہیں:-

1۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نام:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نام امام اعظم رضی اللہ عنہ کی وصیت جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی ذات سے رشد و ہدایت اور حسنِ سیرت و کردار کے آثار ظاہر ہوئے اور وہ لوگوں سے معاملات کی جانب متوجہ ہوئے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے انھیں یہ وصیت فرمائی کہ اے یعقوب!!!

حاکم کے ساتھ محتاط طرزِ عمل:

سلطانِ وقت کی عزت کرو اور اس کے مقام کا خیال رکھو۔ اور اس کے سامنے دروغ گوئی سے خاص طور سے پرہیز کرو۔ اور ہر وقت اس کے پاس حاضر نہ رہو جب تک کہ تمہیں کوئی علمی ضرورت مجبور نہ کرے۔ کیونکہ جب تم اس سے کثرت سے ملو گے تو وہ تمہیں حقارت کی نظر سے دیکھے گا اور تمہارا مقام اس کی نظروں سے گر جائے گا۔ پس تم اسکے ساتھ ایسا معاملہ رکھو جیسا کہ آگ کے ساتھ رکھتے ہو کہ تم اس سے نفع بھی اٹھاتے ہو اور دور بھی رہتے ہو، اس کے قریب تک نہیں جاتے کیونکہ اکثر حاکم اپنی ذات اور اپنے مفادات کے علاوہ کچھ اور دیکھنا پسند نہیں کرتے۔

تم حاکم کے قریب کثرتِ کلام سے بچو کہ وہ تمہاری گرفت کرے گا تا کہ اپنے حاشیہ نشینوں کو یہ دکھلا سکے کہ وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ اور تمہارا محاسبہ کرے گا تا کہ تم اس کے حواریوں کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ۔ بلکہ ایسا طرزِ عمل اختیار کرو جب اس کے دربار میں جاؤ تو وہ دوسروں کے مقابلے میں تمہارے رتبہ کا خیال رکھے۔ اور سلطان کے دربار میں کسی ایسے وقت نہ جاؤ جب وہاں دیگر ایسے اہل علم موجود ہوں جن کو تم جانتے نہ ہو۔ اس لئے کہ

اگر تمہارا علمی رتبہ ان سے کم ہوگا تو ممکن ہے کہ تم ان پر برتری ثابت کرنے کی کوشش کرو مگر یہ جذبہ تمہارے لئے نقصان دہ ہوگا۔ اگر تم ان سے زیادہ صاحبِ علم ہو تو شاید تم ان کو کسی بات پر جھڑک دو اور اس وجہ سے تم حاکمِ وقت کی نظروں سے گر جاؤ۔

جب سلطانِ وقت تمھیں کوئی منصب عطا کرے تو اس وقت تک قبول نہ کرنا جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ تم سے یا تمھارے مسلک سے علم و قضایا کے بارے میں مطمئن ہے تا کہ فیصلوں میں کسی دوسرے مسلک پر عمل کی حاجت نہ ہو۔ اور سلطان کے مقربین اور اس کے حاشیہ نشینوں سے میل جول مت رکھنا، صرف سلطانِ وقت سے رابطہ رکھنا اور اس کے حاشیہ برداروں سے الگ رہنا تا کہ تمھارا وقار اور عزت برقرار رہے۔

عوام کے ساتھ محتاط طرزِ عمل:

عوام کے پوچھے گئے مسائل کے علاوہ ان سے بلاضرورت بات چیت نہ کیا کرو۔ عوام الناس اور تاجروں سے علمی باتوں کے علاوہ دوسری باتیں نہ کیا کرو تا کہ ان کو تمھاری محبت و رغبت میں مال کا لالچ نظر نہ آئے ورنہ لوگ تم سے بدظن ہوں گے اور یقین کرلیں گے کہ تم ان سے رشوت لینے کا میلان رکھتے ہو۔ عام لوگوں کے سامنے ہنسنے اور زیادہ مسکرانے سے باز رہو اور بازار میں بکثرت جایا نہ کرو۔ بے ریش لڑکوں سے زیادہ بات چیت نہ کیا کرو کہ وہ فتنہ ہیں البتہ چھوٹے بچوں سے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ان کے سروں پر شفقت سے ہاتھ پھیرا کرو۔

عام لوگوں اور بوڑھے لوگوں کے ساتھ شاہراہ پر نہ چلو، اس لئے کہ اگر تم ان کو آگے بڑھنے دو گے تو اس سے علم دین کی بے توقیری ظاہر ہوگی اور اگر تم ان سے آگے چلو گے تو یہ بات بھی معیوب ہوگی کہ وہ عمر میں تم سے بڑے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''جو شخص چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور بزرگوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔

کسی راہگذر پر نہ بیٹھا کرو اور اگر بیٹھنے کا دل چاہے تو مسجد میں بیٹھا کرو۔ بازاروں اور مساجد میں کوئی چیز نہ کھایا کرو۔ پانی کی سبیل اور وہاں پانی پلانے والوں کے ہاتھ سے پانی نہ پیو۔ مخمل، زیور اور انواع و اقسام کے ریشمی ملبوسات نہ پہنو کہ اس سے غرور پیدا ہوتا ہے اور رعونت جھلکتی ہے۔

ازدواجی آداب:

اپنی فطری حاجت کے وقت بقدرِ ضرورت گفتگو کے سوا بستر پر اپنی بیوی سے زیادہ بات نہ کرو۔ اور اس کے ساتھ کثرت سے لمس و مَس اختیار نہ کرو، اور جب بھی اسکے پاس جاؤ تو اللہ کے ذکر کے ساتھ جاؤ۔ اور اپنی بیوی سے دوسروں کی عورتوں کے بارے میں بات نہ کیا کرو کہ وہ تم سے بے تکلف ہو جائیں گی اور بہت ممکن ہے کہ جب تم دوسری عورتوں کا ذکر کرو گے تو وہ تم سے دوسرے مردوں کے متعلق بات کریں گی۔

اگر تمارے لئے ممکن ہو تو کسی ایسی عورت سے نکاح نہ کرو جس کے شوہر نے اس کو طلاق دی ہو اور باپ، ماں یا سابقہ خاوند سے لڑکی موجود ہو۔ لیکن صرف اس شرط پر کہ تمھارے گھر اس کا کوئی رشتہ دار نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ جب عورت مال دار ہو جاتی ہے تو اس کا باپ دعویٰ کرتا ہے کہ اس عورت کے پاس جو بھی مال ہے وہ سب اس کا ہے اور اس عورت کے پاس امانت کے طور پر رکھا ہے۔ اور دوسری شرط یہ رکھے کہ جہاں تک ممکن ہوگا وہ بھی اپنے والد کے گھر نہیں جائے گی۔

اور نکاح کے بعد تم اس بات پر راضی نہ ہو جانا کہ تم شبِ زفاف سسرال میں گزارو گے ورنہ وہ لوگ تمھارا مال لے لیں گے اور اپنی بیٹی کے سلسلہ میں انتہائی لالچ سے کام لیں گے۔ اور صاحبِ اولاد خاتون سے شادی نہ کرنا کہ وہ تمام مال اپنی اولاد کے لئے جمع کرے گی اور ان پر ہی خرچ کرے گی اس لئے کہ اس کو اپنی اولاد تمھاری اولاد سے زیادہ پیاری ہوگی۔ تم اپنی دو بیویوں کو ایک ہی مکان میں نہ رکھنا، اور جب تک دو بیویوں کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کی قدرت نہ ہو، دوسرا نکاح نہ کرنا۔

امورِ زندگی کی ترتیب:

(امورِ زندگی کی بہترین ترتیب یہ ہے کہ) پہلے علم حاصل کرو پھر حلال ذرائع سے مال جمع کرو اور پھر ازدواجی رشتہ اختیار کرو۔ علم حاصل کرنے کے زمانے میں اگر تم مال کمانے کی جدوجہد کرو گے تو تم حصولِ علم سے قاصر رہو گے۔ اور یہ مال تمہیں باندیوں اور غلاموں کی خریداری پر اکسائے گا اور تحصیلِ علم سے قبل ہی تمہیں دنیا کی لذتوں اور عورتوں کے ساتھ مشغول کر دے گا، اس طرح تمھارا وقت ضائع ہو جائے گا۔ اور جب تمہارے اہل و

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 22/51

عیال کی کثرت ہوجائے گی تو تمھیں ان کی ضروریات پوری کرنے کی فکر ہوجائے گی اور تم علم سیکھنا چھوڑ دو گے۔

اس لیے علم حاصل کروآغازِ شباب میں جب کہ تمھارے دل و دماغ دنیا کے بکھیڑوں سے فارغ ہوں پھر مال کمانے کا مشغلہ اختیار کروتا کہ شادی سے قبل تمہارے پاس بقدرِ ضرورت مال ہو کہ اسکے بغیر اہل وعیال کی ضروریات دل کو تشویش میں مبتلا کر دیتی ہیں لہٰذا کچھ مال جمع کرنے کے بعد ہی ازدواجی تعلق قائم کرنا چاہیے۔

سیرت وکردار کی تعمیر:

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، ادائے امانت اور ہر خاص و عام کی خیر خواہی کا خصوصی خیال رکھواور لوگوں کو عزّت دوتا کہ وہ تمھاری عزّت کریں۔ان کی ملنساری سے پہلے ان سے زیادہ میل جول نہ رکھواوران سے میل جول میں مسائل کا تذکرہ بھی کروکہ اگر مخاطب اس کا اہل ہوگا تو جواب دے گا۔اور عام لوگوں سے دینی امور کے ضمن میں علم کلام (عقائد کے عقلی دلائل) پرگفتگو سے پرہیز کروکہ وہ لوگ تمھاری تقلید کریں گےاور علم کلام میں مشغول ہو جائیں گے۔

جوشخص تمھارے پاس استفتاء کے لئے آئے اس کو صرف اس کے سوال کا جواب دواور دوسری کسی بات کا اضافہ نہ کرو ورنہ اس کے سوال کا غیر محتاط جواب تمھیں تشویش میں مبتلا کرسکتا ہے۔علم سکھانے سے کسی حالت میں اعراض نہ کرنا اگرچہ تم دس سال تک اس طرح رہو کہ تمھارا نہ کوئی ذریعۂ معاش ہو، نہ کوئی اکتسابی طاقت، کیونکہ اگر تم علم سے اعراض کرو گے تو تمھاری معیشت (گزربسر) تنگ ہوجائے گی۔

تم اپنے ہر فقہ سیکھنے والے طالب علم پرایسی توجہ رکھو کہ گویا تم نے ان کو اپنا بیٹا اور اولاد بنالیا ہے تا کہ تم ان میں علم کی رغبت کے فروغ کا باعث بنو۔اگر کوئی عام شخص اور بازاری آدمی تم سے جھگڑا کرے تو اس سے جھگڑا نہ کرنا ورنہ تمھاری عزت چلی جائے گی۔اوراظہارِ حق کے موقع پر کسی شخص کی جاہ و حشمت کا خیال نہ کرو اگرچہ وہ سلطانِ وقت ہو۔

جتنی عبادت دوسرے لوگ کرتے ہیں اس سے زیادہ عبادت کرو، ان سے کمتر عبادت کو اپنے لئے پسند نہ کرو بلکہ عبادت میں سبقت اختیار کرو۔کیونکہ عوام جب کسی عبادت کو بکثرت کررہے ہوں اور پھر وہ دیکھیں کہ تمھاری توجہ اس عبادت پر نہیں ہے تو وہ تمھارے متعلق عبادت میں کم رغبت ہونے کا گمان کریں گے اور یہ سمجھیں گے کہ تمھارے علم نے تمھیں کوئی نفع نہیں پہنچایا سوائے اسی نفع کے جواُن کو انکی جہالت نے بخشا ہے جس میں وہ مبتلا ہیں

-

معاشرتی آداب:

جب تم کسی ایسے شہر میں قیام کرو جس میں اہلِ علم بھی ہوں تو وہاں اپنی ذات کے لئے کسی امتیازی حیثیت کو اختیار نہ کرو، بلکہ اس طرح رہو کہ گویا تم بھی ایک عام سے شہری ہو، تا کہ ان کو یقین ہوجائے کہ تمھیں ان کی جاہ ومنزلت سے کوئی سروکار نہیں ہے ورنہ اگر اُنہوں نے تم سے اپنی عزت کو خطرے میں محسوس کیا تو وہ سب تمھارے خلاف کام کریں گے اور تمھارے مسلک پر کیچڑ اُچھالیں گے اور (ان کی شہ پر) عوام بھی تمھارے خلاف ہوجائیں گے اور تمھیں بُری نظر سے دیکھیں گے جس کی وجہ سے تم ان کی نظروں میں کسی قصور کے بغیر مجرم بن جاؤ گے۔

اگر وہ تم سے مسائل دریافت کریں تو ان سے مناظرہ یا جلسہ گاہوں میں بحث وتکرار سے باز رہواور جو بات ان سے کرو، واضح دلیل کے ساتھ کرو۔اور ان کے اساتذہ کو طعنہ نہ دو، ورنہ تمھارے اندر بھی کیڑے نکالیں گے۔تمہیں چاہیے کہ لوگوں سے ہوشیار رہواور اپنے باطنی احوال کو اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا خالص بنالو جیسا کہ تمھارے ظاہری احوال ہیں۔اور علم کا معاملہ اصلاح پذیر نہیں ہوتا تاوقتیکہ تم اس کے باطن کو اس کے ظاہر کے مطابق نہ بنالو۔

آدابِ زندگی:

جب سلطانِ وقت تمھیں کوئی ایسا منصب دینا چاہے جو تمھارے لیے مناسب نہیں ہے تو اسے اس وقت تک قبول نہ کرو جب تک کہ تمھیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس نے جو منصب تمھیں سونپا ہے وہ محض تمھارے علم کی وجہ سے سونپا ہے۔اور مجلس فکر ونظر میں ڈرتے ہوئے کلام مت کرو کیونکہ یہ خوفزدگی کلام میں اثر انداز ہوگی اور زبان کو ناکارہ بنادے گی۔

زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ بنادیتا ہے۔چلنے کے دوران سکون واطمینان سے چلواور امورِ زندگی میں زیادہ عجلت پسند نہ بنواور جو تمھیں پیچھے سے آواز دے اس کی آواز کا جواب مت دو کہ پیچھے سے آواز چوپایوں کو دی جاتی ہے۔اور گفتگو کے وقت نہ چیخو اور نہ ہی اپنی آواز کو زیادہ بلند کرو۔سکون اور قلتِ حرکت کو اپنی عادات میں شامل کروتا کہ لوگوں کو تمھاری ثابت قدمی کا یقین ہوجائے۔

لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کروتا کہ لوگ تم سے اس خوبی کو حاصل کرلیں۔اوراپنے لئے نماز کے بعد ایک وظیفہ مقرر کرلو جس میں تم قرآن کریم کی تلاوت کرواور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔اور صبر واستقامت کی دولت جو رب کریم نے تم کو بخشی ہے اور دیگر جو نعمتیں عطا کی ہیں، ان پر اس کا شکرادا کرواوراپنے لئے ہر ماہ کے چند ایام روزہ کے لئے مقرر کرلوتا کہ دوسرے لوگ اس میں بھی تمھاری پیروی کریں۔

اپنے نفس کی دیکھ بھال رکھواور دوسروں کے رویہ پر بھی نظر رکھوتا کہ تم اپنے علم کے ذریعہ سے دنیا اور آخرت میں نفع اٹھاؤ۔تمھیں چاہیے کہ بذاتِ خود خرید وفروخت مت کرو بلکہ اس کے لئے ایک ایسا خدمت گار رکھو جو تمھاری ایسی حاجتوں کو بحسن وخوبی پورا کرے اور تم اس پراپنے دنیاوی معاملات میں اعتماد کرو۔اپنے دنیاوی معاملات اور خود کو درپیش صورت حال کے بارے میں بےفکر مت رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تم سے ان تمام چیزوں کے بارے میں سوال کرے گا۔

سلطانِ وقت سے اپنے خصوصی تعلق کو لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دواگرچہ تمھیں اس کا قرب حاصل ہو ورنہ لوگ تمھارے سامنے اپنی حاجتیں پیش کریں گے اور اگر تم نے لوگوں کی حاجتوں کو اس کے دربار میں پیش کرنا شروع کردیا تو وہ تمھیں تمھارے مقام سے گرادے گا اور اگر تم نے ان کی حاجتوں کی تکمیل کے لیے کوشش نہ کی تو حاجت مند تمھیں الزام دیں گے۔

آدابِ وعظ ونصیحت:

غلط باتوں میں لوگوں کی پیروی نہ کرو بلکہ صحیح باتوں میں ان کی پیروی کرو۔جب تم کسی شخص میں بُرائی دیکھو تو اس شخص کا تذکرہ اس بُرائی کے ساتھ نہ کرو بلکہ اس سے بھلائی کی امید رکھو۔اور جب وہ بھلائی کرے تو اس کی اس بھلائی کا ذکر کرو۔البتہ اگر تمہیں اس کے دین میں خرابی معلوم ہو تو لوگوں کو اس سے ضرور آگاہ کردو تا کہ لوگ اس کی اتباع نہ کریں اور اس سے دور رہیں۔حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ فاسق وفاجر آدمی جس برائی میں مبتلا ہے اسے بیان کرو تا کہ لوگ اس سے بچیں اگرچہ وہ شخص صاحبِ جاہ ومنزلت ہو۔

اس طرح جس شخص کے دین میں تم خلل دیکھو اسے بھی بیان کرو، اور اس کے عزت ومرتبہ کی پرواہ نہ کرو۔بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمھارا اور اپنے دین کا معین اور مددگار ہے۔اگر تم ایک مرتبہ ایسا کردو گے تو وہ لوگ تم سے ڈریں گے اور کوئی شخص دین میں نئے گمراہ کن افکار واعمال کے اظہار کی جسارت نہیں کرسکے گا۔

جب تم سلطانِ وقت سے خلافِ دین کوئی بات دیکھو تو اس کو اپنی اطاعت اور وفاداری کا یقین دلاتے ہوئے آگاہ کردو۔یہ اظہارِ وفاداری اس وجہ سے ہے کہ اس کا ہاتھ تمھارے ہاتھ سے زیادہ قوی ہے۔چنانچہ تم اس طرح اظہارِ خیال کرو کہ جہاں تک آپ کے اقتدار اور غلبہ کا تعلق ہے میں آپ کا فرماں بردار ہوں بجز اس کے کہ میں آپ کی فلاں عادت کے سلسلہ میں جو دین کے مطابق نہیں ہے آپ کی توجہ مبذول کراتا ہوں۔اگر تم نے ایک بار سلطان وحاکم کے ساتھ اس جرأت سے کام لیا تو وہ تمھارے لئے کافی ہوگی، اس لئے کہ تم اگر اس سے باربار کہو گے تو وہ شاید تم پر سختی کرے اور اس میں دین کی ذلت ہوگی۔

اگر وہ ایک بار یا دوبار سختی سے پیش آئے اور تمھاری دینی جدوجہد کا اور امر بالمعروف میں تمھاری رغبت کا اندازہ کرے اور اس وجہ سے وہ دوسری مرتبہ خلافِ دین حرکت کرے تو اس سے اس کے گھر پر تنہائی میں ملاقات کرواور دین کی رُو سے نصیحت کا فریضہ ادا کرو۔اگر حاکمِ وقت مبتدع ہے تو اس سے دوبدو بحث کرو اگرچہ وہ سلطان ہے اور اس سلسلہ میں کتاب وسنّتِ رسول ﷺ میں سے جو تمھیں یاد ہو اسے یاد دلاؤ۔اگر وہ ان باتوں کو قبول کرلے تو ٹھیک ہے ورنہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اس سے تمھاری حفاظت فرمائے۔

تم موت کو یاد رکھواور اپنے ان اساتذہ کے لئے جن سے تم نے علم حاصل کیا ہے، استغفار کیا کرواور قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو۔قبرستان، مشائخ

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 23/51

اور بابرکت مقامات کی کثرت سے زیارت کیا کرواور عام مسلمانوں کے ان خوابوں کو جو نبی کریم ﷺ اور صالحین سے متعلق تمھیں سنائے جائیں، خواہ مسجد ہو یا قبرستان یعنی ہر جگہ توجہ سے سنو اور نفس پرستوں میں سے کسی کے پاس نہ بیٹھو۔ سوائے اسکے کہ کسی کو دین کی طرف بلاتا ہو۔ کھیل کود اور گالم گلوچ سے اجتناب کرواور جب مؤذن اذان دے تو عوام سے قبل مسجد میں داخل ہونے کی تیاری کروتا کہ عام لوگ اس بات میں تم سے آگے نہ نکل جائیں۔

سلطانِ وقت کے قرب جوار میں رہائش اختیار نہ کرو۔ اگر اپنے ہمسائے میں کوئی بُری بات دیکھو تو پوشیدہ رکھو کہ یہ بھی امانت داری ہے اور لوگوں کے بھید ظاہر نہ کرواور جو شخص تم سے کسی معاملہ میں مشورہ لے تو اس کو اپنے علم کے مطابق صحیح مشورہ دو کہ یہ بات تم کو اللہ کے قریب کرنے والی ہے اور میری اس وصیّت کو اچھی طرح یاد رکھنا کہ یہ وصیّت تمھیں اِنشاءاللہ، دنیا اور آخرت میں نفع دے گی۔

اخلاقِ حسنہ:

بخل سے اجتناب کرو کہ اس کی وجہ سے انسان دوسروں کی نظروں میں گر جاتا ہے۔ لالچی اور دروغ گو نہ بنو۔ حق و باطل (یا مذاق و سنجیدگی) کو آپس میں خلط ملط نہ کیا کرو بلکہ تمام امور میں اپنی غیرت و حمیّت کی حفاظت کرو۔ اور ہر حال میں سفید لباس زیبِ تن کرو۔ اپنی طرف سے حرص سے دوری اور دنیا سے بے رغبتی ظاہر کرتے ہوئے دل کا غنی ہونا ظاہر کرو۔ اور اپنے آپ کو مالدار ظاہر کرواور تنگ دستی ظاہر نہ ہونے دو اگرچہ فی الواقع تم تنگ دست ہو۔

باہمت بنو اور جس شخص کی ہمت کم ہوگی اس کا درجہ بھی کم ہوگا اور راہ چلتے دائیں بائیں توجہ نہ کرو بلکہ ہمیشہ زمین کی جانب نظر رکھو اور جب تم حمام میں داخل ہو تو حمام اور نشست گاہ کی اجرت دوسرے لوگوں سے زیادہ دو تا کہ ان پر تمھاری اعلیٰ ہمتی ظاہر ہو اور وہ تمھیں باعظمت انسان خیال کریں۔ اور اپنا سامانِ تجارت کاریگروں کے پاس جا کر خود ان کے حوالے نہ کیا کرو بلکہ اسکے لیے ایک بااعتماد ملازم رکھو جو یہ امور انجام دیا کرے اور درہم و دینار کی خرید و فروخت میں ذہانت سے کام لو یعنی لین دین میں چوکس رہو اور اپنے حق کے لئے کوشش کرو۔

نیز درہموں کا وزن خود نہ کیا کرو بلکہ اس معاملہ میں بھی کسی بااعتماد شخص سے کام لو۔ اور متاعِ دنیا جس کی اہل علم کے نزدیک کوئی قدر نہیں ہے، اسے حقیر جانو کہ اللہ کے پاس جو نعمتیں ہیں وہ دنیا سے بہتر ہیں۔ غرضیکہ اپنے دنیاوی معاملات کسی دوسرے شخص کے سپرد کر دو تا کہ تمھاری توجہ علم دین پر پوری طرح مرکوز رہے۔ یہ طرزِ عمل تمھاری ضروریات کی تکمیل کا زیادہ محافظ ہے۔

پاگلوں سے اور ان اہل علم سے جو حجت اور مناظرہ کے اسلوب سے بے بہرہ ہیں کلام نہ کرو۔ اور وہ لوگ جو جاہ پرست ہیں اور لوگوں کے معاملات میں عجیب و غریب مسائل کا ذکر کرتے رہتے ہیں، وہ تمھیں کسی طرح نیچا دکھانے کے خواہش مند ہوں گے اور اپنی انا کے مقابلہ میں وہ تمھاری کوئی پرواہ نہیں کریں گے اگرچہ وہ سمجھ لیں گے کہ تم حق پر ہو۔

اور جب بھی کسی بڑے رتبہ والے کے پاس جاؤ تو ان پر برتری حاصل کرنے کی کوشش نہ کرنا جب تک کہ وہ خود تمھیں بلند جگہ نہ عطا کر دیں تا کہ ان کی طرف سے تم کو کوئی اذیت نہ پہنچے۔ کسی قوم میں نماز کی امامت کے لئے پیش قدمی نہ کرو جب تک کہ وہ خود تمھیں از راہِ تعظیم مقدم نہ کریں۔ اور حمام میں دوپہر یا صبح کے وقت داخل نہ ہو اور سیرگاہوں میں بھی نہ جایا کرو (کہ وہ عوام کی جگہیں ہیں)۔

آدابِ مجلس:

سلاطین کے مظالم کے وقت وہاں حاضر نہ رہا کرو سوائے اس کے کہ تمہیں یقین ہو کہ اگر تم ان کو ٹوکو گے تو وہ انصاف کریں گے۔ بصورتِ دیگر وہ تمھاری موجودگی میں کوئی ناجائز کام کریں گے اور بسا اوقات انھیں ٹوکنے کی تمھیں قدرت و ہمت نہ ہوگی تو لوگ تمھاری خاموشی کی بناء پر گمان کریں گے کہ سلاطین کا وہ ناجائز کام برحق ہے۔

علمی مجلس میں غصہ سے اجتناب کرو۔ اور عام لوگوں کو قصہ کہانیاں سنانے کا مشغلہ اختیار نہ کرو کہ قصہ گو کو جھوٹ بولے بغیر چارہ نہیں۔ جب تم کسی اہل علم کے ساتھ علمی نشست کا ارادہ کرواور وہ فقہی مجلس ہے تو اس میں بیٹھو اور وہاں ان باتوں کو بیان کرو جو مخاطب کے لئے تعلیم کا حکم رکھتی ہوں تا کہ

تمھاری حاضری سے لوگوں کو یہ دھوکہ نہ ہو کہ تمھارا ہم نشیں کوئی عالم ہے جب کہ وہ درحقیقت عالم نہ ہو۔ اور اگر وہ شخص فتویٰ سمجھنے کا اہل ہے تو فتویٰ بیان کرو ورنہ ضرورت نہیں ہے۔ اور اس مقصد کے لئے کہیں نہ بیٹھو کہ کوئی دوسرا شخص تمھاری موجودگی میں درس دیا کرے بلکہ اس کے پاس اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو بٹھا دو تا کہ وہ تمھیں اس کی گفتگو کی کیفیت اور اور اس کے علم کے بارے میں بتا دے۔

ذکر کی مجالس میں یا اس شخص کی مجلسِ وعظ میں حاضری نہ دو جو تمھاری جاہ و منزلت یا تمھاری جانب سے اپنے تزکیہ نفس کی نسبت سے مجلس قائم کرے بلکہ ان کی جانب اپنے شاگردوں میں سے کسی ایک شخص کی معیت میں اپنے اہل محلّہ اور اپنے عوام کو جن پر تمھیں اعتماد ہے متوجہ کرو (کہ وہ وہاں جایا کریں)۔ اور نکاح خوانی کا کام کسی خطیب کے حوالے کر دو اسی طرح نماز جنازہ اور عیدین کی امامت بھی کسی اور شخص کے حوالے کر دو۔

(آخری بات یہ کہ) ہمیں اپنی نیک دعاؤں میں فراموش نہ کرنا اور ان نصیحتوں کو میری جانب سے قبول کرو کہ یہ تمھارے اور دوسرے مسلمانوں کے فائدے کے لئے ہیں۔

2۔ یوسف بن خالد سمتی رحمہ اللہ کے نام:

یوسف بن خالد سمتی رحمہ اللہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہ کر جب علم حاصل کر لیا تو اپنے شہر بصرہ کو واپس ہونے کا ارادہ کیا اور آپ سے اجازت چاہی تو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں تم سے چند باتیں کہنا چاہتا ہوں یہ باتیں تمھیں ہر جگہ کام دیں گی خواہ لوگوں کے ساتھ معاملات ہوں یا اہل علم کے مراتب کا سوال ہو، تادیبِ نفس کا مرحلہ ہو یا سیاسی امور کا، خواص و عوام کی تربیت کا معاملہ ہو یا عام حالات کی تحقیق مقصود ہو غرض کہ یہ باتیں دینی اور دنیاوی زندگی کے ہر موڑ پر کام آئیں گی اور لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ ہوں گی۔

تعمیر انسانیت:

اس نکتہ کو خوب سمجھ لو کہ جب تم انسانی معاشرے کو برا سمجھو گے تو لوگ تمھارے دشمن بن جائیں گے چاہے وہ تمھارے ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں اور جب اس معاشرے کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے تو یہ معاشرہ تمھیں عزیز رکھے گا اور اس کے افراد تمھارے ماں باپ بن جائیں گے۔

پھر فرمایا، ذرا اطمینان سے مجھے چند باتیں کہنے دو میں تمھارے لئے ایسے امور کی نشان دہی کئے دیتا ہوں جن کا خود بخود شکریہ کے ساتھ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گے۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا، دیکھو گویا میں تمھارے ساتھ ہوں اور تم بصرہ پہنچ گئے ہو اور تم اپنے مخالفوں کی طرف متوجہ ہو گئے اپنے آپ کو ان پر فوقیت دینے لگے۔

تم نے اپنے علم کی وجہ سے خود کو ان پر بڑا ثابت کیا ان کے ساتھ میل جول کو بُرا سمجھا ان کے معاشرے سے جدا ہوئے اور ان کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے نتیجہ میں انھوں نے بھی تمھاری مخالفت کی، تم نے انھیں چھوڑ دیا تو انھوں نے بھی تمھیں منہ نہیں لگایا، تم نے انھیں گالی دی ترکی بہ ترکی جواب ملا۔ تم نے انھیں گمراہ کہا تو انھوں نے بھی تمھیں بدعتی اور گمراہ قرار دیا اور یوں سب کا دامن آلودہ ہو گیا۔ اب تمھیں ضرورت ہوئی کہ تم ان سے کہیں دور بھاگ جاؤ اور یہ کھلی حماقت ہے۔ وہ شخص کبھی اچھی سوجھ بوجھ کا نہیں ہو سکتا کہ اسے کسی سے واسطہ پڑے اور وہ کوئی راہ پیدا ہونے تک نباہ نہ کر سکے۔

معاشرتی حقوق:

جب تم بصرہ پہنچو گے تو لوگ تمھارا خیر مقدم کریں گے، تم سے ملنے کے لئے آئیں گے کیونکہ یہ ان کا معاشرتی فریضہ ہے اب تم ہر ایک کو اس کا مقام عطا کرو بزرگوں کو عزت دو، علماء کی تعظیم کرو، بوڑھوں کی توقیر کرو، نوجوانوں سے نرمی کا برتاؤ کرو، عوام کے قریب رہو، نیک و بد کے پاس اٹھنا بیٹھنا رکھو۔ بادشاہ وقت کی توہین نہ کرو، کسی کو کم تر نہ سمجھو، اپنی مروّت اور شرافت کو پسِ پشت نہ ڈالو۔

اپنا راز کسی پر فاش نہ کرو، بغیر پرکھے ہوئے کسی پر اعتماد نہ کر بیٹھو، خسیس الطبع اور کمینوں سے میل جول نہ رکھو، اس شخص سے محبت کا اظہار نہ کرو جو تمھیں پسند نہ کرتا ہو۔ سنو کہ احمقوں سے مل کر خوشی کا اظہار نہ کرو اور ان کی دعوت قبول نہ کرو اور نہ ہی ان کا ہدیہ قبول کرو۔

نرم گفتاری، ضبط و تحمل، حسن اخلاق، کشادہ دلی اور اچھے لباس اور خوشبو کو اپنے لئے لازم رکھو۔ سواریوں میں ہمیشہ اچھی سواری ہی استعمال کرو۔ حوائج ضروریہ کے لئے کوئی وقت مقرر کر لو تا کہ ہر کام آسانی سے کر سکو۔ اپنے ساتھیوں سے غفلت نہ برتو، ان کی اصلاح کی سب سے پہلے فکر کرو مگر اس

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 24/51

میں نرمی کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دو، نرم لہجہ میں گفتگو کرو، عتاب وتوبیخ سے بچو کہ اس سے نصیحت کرنے والا ذلیل ہوتا ہے۔ انھیں اس بات کا موقع نہ دو کہ وہ تمہاری تادیب کریں، ایسا کرنے سے تمھارے حالات درست رہیں گے۔

تعمیر سیرت:

نماز کی پابندی کرو اور سخاوت سے کام لو کیونکہ بخیل آدمی کبھی بھی سردار نہیں بن سکتا۔ اپنا ایک مشیر کار رکھ لو جو تمھیں لوگوں کے حالات سے مطلع کرتا رہے اور جب تمھیں کوئی خراب بات نظر آئے تو اس کی اصلاح کرنے میں جلدی کرو اور جب اصلاح پا جائے تو اپنی عنایت اور رغبت کو اور بڑھاؤ۔ جو شخص تم سے ملے تم اس سے ملو اور اس سے بھی ملو جو نہ ملے۔ جو شخص تمھارے ساتھ نیک سلوک کرے تم اس کے ساتھ ایسا ہی کرو اور جو کوئی بدخلقی سے پیش آئے تو تم حسن اخلاق کا ثبوت دو اور عفو وکرم کو مضبوطی سے تھام لو۔ نیک کاموں کی طرف لوگوں کو متوجہ کرو اور جو تم سے بیزار ہو اس سے ترک تعلق کر لو۔ حقوق کی ادائیگی میں کوشاں رہو۔

حقوق العباد:

اگر کوئی مسلمان بھائی بیمار ہو جائے تو مزاج پرسی کرو اور اگر کوئی آنا جانا چھوڑ دے تو تم نہ چھوڑو۔ اگر کوئی تم پر ظلم کرے تو صلہ رحمی سے پیش آؤ۔ جو شخص تمھارے پاس آئے اس کی عزت کرو۔ اگر کسی نے تمھاری برائی کی تو درگزر کرو۔ جو شخص تمھارے بارے میں غلط مشہور کرے تم اس کے بارے میں اچھی بات کہو۔ اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے حقوق پورے کرو۔ اگر کسی کو خوشی کا موقع میسر آئے تو اس مبارک دو، اگر کسی پر مصیبت پڑ جائے تو اس کی غمخواری کرو۔

اگر کسی پر آفت ٹوٹ پڑے تو اس کے غم میں شریک ہو اور اگر وہ تم سے کام لینا چاہے تو کام کر دو۔ اگر کوئی فریادی ہو تو اس کی فریاد سن لو، اگر کوئی مدد کا طالب ہو تو اس کی مدد کرو، جہاں تک تم سے ہو سکے لوگوں کی مدد کرو۔ لوگوں سے محبت وشفقت کا اظہار کرو، سلام کو رواج دو خواہ وہ کمینوں کی جماعت ہی کیوں نہ ہو۔

تعلیم وتربیت:

اگر مسجد میں تمھارے پاس کچھ لوگ بیٹھے مسائل پر گفتگو کر رہے ہیں تو ان سے اختلاف رائے نہ کرو۔ اگر تم سے کوئی بات پوچھی جائے تو پہلے وہ بتاؤ جو لوگوں میں رائج ہو پھر بتاؤ کہ دوسرا قول بھی ہے اور وہ ایسے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے۔ اس طرح ان کے دلوں میں تمھاری قدر ومنزلت جاگزیں ہو جائے گی اور جو شخص تمھاری مخالفت کرے تو اسے کوئی ایسی راہ دکھا دو جس پر وہ غور کرے۔ لوگوں کو آسان باتیں بتایا کرو اور مشکل اور گہرے مسائل بیان نہ کیا کرو کہ کہیں وہ غلط مطلب نہ سمجھ لیں۔

لوگوں سے لطف ومہربانی کا سلوک کیا کرو بلکہ کبھی کبھی ان سے مذاق بھی کر لیا کرو کیونکہ تمھارا یہ عمل لوگوں میں تمھاری محبت پیدا کر دے گا۔ ہمیشہ علمی چرچا رکھو اور کبھی کبھی ان کی دعوت کر دیا کرو، ان سے سخاوت سے پیش آؤ، چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے درگزر کر دیا کرو اور ان کی ضروریات کو بھی پورا کیا کرو۔ بہتر یہی ہے کہ لطف وکرم اور چشم پوشی کو اپنا خاصا بنا لو۔

نہ تو کسی سے دل تنگ کرو اور نہ ہی ڈانٹ ڈپٹ سے پیش آؤ۔ آپس میں گھل مل کر اس طرح رہو کہ گویا تم ایک ہی ہو۔ لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور ان کے لئے وہی چیزیں پسند کرو جو تمھیں پسند ہیں۔

تزکیۂ نفس:

نفس کی حفاظت اور احوال کی دیکھ بھال کرو اور فتنہ وجھگڑے سے دور رہو۔ اگر کوئی شخص تم سے بری طرح بات کرتا ہے تو اس سے اچھی طرح بات کرو اور اس کو جھڑکو نہیں۔ اگر کوئی تمھاری باتیں غور سے سن رہا ہو تو تم بھی اس کی طرف کان لگا لو۔ لوگوں کو ایسی چیزوں کا مکلّف نہ بناؤ جس کی وہ تمھیں تکلیف نہیں دیتے۔ اخلاصِ نیت سے لوگوں کا خیر مقدم کرو اور سچائی کو لازم کر لو۔

غرور وتکبر کو اپنے سے دور رکھو اور دھوکہ بازی سے دور رہو خواہ لوگ تمھارے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتے ہوں۔ امانت میں خیانت نہ کرو خواہ لوگ تمھارے ساتھ خیانت ہی کیوں نہ کر رہے ہوں، وفاداری اور تقویٰ کو مضبوطی سے تھام لو۔ اہل کتاب سے وہی تعلق اور معاملہ رکھو جیسا وہ تمھارے ساتھ رکھتے ہوں۔

پس اگر تم نے میری اس وصیت پر عمل کیا تو یقیناً ہر آفت سے بچے رہو گے۔ دیکھو اس وقت میں دو کیفیتوں سے دوچار ہوں۔ تم نظر سے دور ہو جاؤ گے اس کا تو غم ہے اور اس پر مسرت ہے کہ تم نیک وبد کو پہچان لو گے۔

خط وکتابت جاری رکھنا اور اپنی ضرورتوں سے مطلع کرتے رہنا۔ تم میری اولاد ہو اور میں تمہارے لیے باپ کی طرح ہوں۔

وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد النبی الامی وعلیٰ الہ و صحبہٖ وسلم۔

☆☆☆☆

باب ششم(6)

فقہ کی فضیلت، قرآن میں:

عقل ودانش اور فہم وفراست، اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں۔ قرآن وحدیث کے دلائل وبراھین، احکام وتعلیمات اور اسرار ومعارف سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ مومن ان نعمتوں سے مالا مال ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، **اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔**

''بیشک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے''۔ (الروم:۲۴، کنزالایمان)

دوسری جگہ ارشاد ہوا، **اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ۔**

''بیشک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کے لیے''۔ (الروم:۲۱، کنزالایمان)

مزید فرمایا گیا، **وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ۔**

''اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں کہ وہ سوچیں''۔ (الحشر:۲۱)

ایک اور جگہ ارشاد ہوا، **قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَفْقَھُوْنَ۔**

''بیشک ہم نے مفصل آیتیں بیان کر دیں سمجھ والوں کے لیے''۔ (الانعام:۹۹)

ان آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ قرآن حکیم کے بحرِ بیکراں سے تفقہ فی الدین کے انمول موتی حاصل کرنے کے لیے عقل وفہم کا ہونا ضروری ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ عقلمند وہ نہیں جو وجودِ باری تعالیٰ کا منکر ہو یا منکرِ قرآن وحدیث ہو اور اس پر لغو دلائل قائم کرتا پھرے بلکہ عقل وخرد کا معیار خالقِ کائنات نے یہ بیان فرمایا،

''تم فرماؤ، کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان؟ نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں''۔ (الزمر:۹، کنزالایمان)

گویا عقل وفہم والے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے احکام اور نصیحتوں کو مانتے ہیں۔ قرآن حکیم نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ کافر اور منافق، عقل وفہم اور تفقہ فی الدین یعنی دین کی سمجھ سے محروم رہتے ہیں۔ ارشاد ہوا،

فَمَالِ ھٰٓؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا یَکَادُوْنَ یَفْقَھُوْنَ حَدِیْثاً۔

''تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ کوئی بات سمجھتے معلوم ہی نہیں ہوتے''۔ (النساء:۷۸)

دوسری جگہ فرمایا، **بِاَنَّھُمْ قَوْم'' لَّا یَفْقَھُوْنَ۔**

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 25/51

''اس لیے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے''۔(الانفال:۶۵،کنزالایمان)
مزید ارشاد ہوا، لَوْ کَانُوْا یَفْقَهُوْنَ۔ ''کسی طرح انہیں سمجھ ہوتی''۔(التوبۃ:۸۱)
ان آیات سے ثابت ہوگیا کہ تفقہ یعنی دین کی سمجھ سے محروم ہونا عیب اور مذموم ہے اور قرآن میں ایسے لوگوں کو ملامت کی گئی ہے۔اسکے برخلاف احکامِ دین کا علم وفہم حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور رب کریم نے اسے نعمت قرار دیا ہے۔
ارشاد ہوا، وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا۔
''اور جس کو حکمت دی گئی اسے بہت بھلائی دی گئی''۔(البقرۃ:۲۶۸)
مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن میں جہاں لفظ حکمت آیا ہے اس سے مراد علمِ فقہ ہے۔(مناقب للموفق:۳۸۴)
مفسرین کا اتفاق ہے کہ حکمت سے مراد (شرعی) احکام ہیں۔(نزہۃ القاری:۱۸۹)
دین کا علم وفہم اس قدر اہم ہے کہ رب تعالیٰ نے تفقہ فی الدین حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ارشاد ہوا،
فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ'' لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ......والخ۔پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے،
''اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ انکے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ (گناہوں سے) بچیں''۔(التوبۃ:۱۲۲،کنزالایمان)
اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں صدرُ الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہر شخص کو عالم وفقیہ بننا ضروری نہیں البتہ جو چیزیں بندے پر فرض وواجب ہیں اور جو اسکے لیے ممنوع وحرام ہیں، انکا سیکھنا فرضِ عین ہے اور اس سے زائد علم حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے۔حدیث شریف میں ہے، علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔(تفسیر خزائن العرفان)
اس آیت مبارکہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص پر دین کا تمام علم سیکھنا اور فقیہ بننا ضروری نہیں لہٰذا بعض لوگ لِیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ کے تحت دین کا مکمل علم اور تفقہ فی الدین یعنی دین کی گہری سمجھ حاصل کریں اور جو غیر عالم وغیر فقیہ ہوں، انہیں چاہیے کہ وہ عالم اور فقیہ کی تقلید کریں۔اس آیت کریمہ سے تقلید شرعی کا فرض ہونا بھی ثابت ہوا۔

فقہ کی فضیلت، حدیث میں:

۱۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا ومولیٰ ﷺ نے فرمایا،
مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ۔
''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے''۔(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ کتاب العلم)
امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''اس حدیث میں واضح طور پر علماء کی سب لوگوں پر اور تفقہ فی الدین کی تمام علوم پر فضیلت بیان کی گئی ہے''۔ (فتح الباری شرح بخاری ج۱:۱۳۴)
۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا،
خِیَارُهُمْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ خِیَارُهُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا۔
''جو دورِ جاہلیت میں بہتر افراد تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں جبکہ ان میں دین کی فقہ یعنی دین کی سمجھ ہو''۔(ایضاً)
اس حدیث میں سرکارِ دوعالم ﷺ نے لوگوں کے بہتر وافضل ہونے کی خوبی فقہ کو قرار دیا ہے۔اگر کوئی اور خوبی نبی کریم ﷺ کے نزدیک اس سے بہتر ہوتی تو آپ اس کا ذکر فرماتے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ رسول کریم ﷺ کے نزدیک مومن کی بہترین خوبی اسکا فقہ کی صفت سے موصوف ہونا ہے۔اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے فقیہ ہونے کی دعا فرمائی۔
۳۔ رسول کریم ﷺ نے یہ دعا فرمائی، اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ۔''اے اللہ! اسے دین کا فقیہ بنا دے''۔(بخاری)

۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آقا ومولیٰ ﷺ نے فرمایا، فَقِیْهٌ'' وَّاحِدٌ'' اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ۔''ایک فقیہ، شیطان پر ہزار عابدوں سے بھی زیادہ بھاری ہے''۔(ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب العلم)
اس حدیث میں فقیہ کی یہ فضیلت بیان ہوئی کہ وہ ہزار عابد وزاہد لوگوں سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے کیونکہ وہ دین کے علم اور سمجھ بوجھ کی وجہ سے شیطان کے مکروفریب کو جانتا ہے اور نہ صرف وہ خود اسکے مکر سے بچ جاتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی شیطان کے مکروفریب سے بچانے کا سبب بنتا ہے۔
۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تَفَقَّهُوْا قَبْلَ اَنْ تُسَوَّدُوْا ۔''سردار بننے سے پہلے علم حاصل کرو''۔(بخاری کتاب العلم) سردار اور راہنما ہونے کے لیے دین کا عالم وفقیہ ہونا چاہیے تاکہ علم کی روشنی میں لوگوں کی راہنمائی کی جائے۔
۶۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا،''اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم دے کر مجھے مبعوث فرمایا ہے اسکی مثال زوردار بارش کی سی ہے جو زمین پر برسی۔کچھ زمین عمدہ ہے جس نے پانی جذب کرلیا اور گھاس اور سبزیاں خوب اگائیں اور کچھ زمین سخت ہے جس نے پانی جمع کرلیا اور اس سے اللہ نے لوگوں کو نفع دیا، لوگوں نے پیا اور پلایا اور کھیتی سیراب کی، اور کچھ زمین ایسی ہے جو چٹیل ہے نہ اس نے پانی جمع کیا اور نہ سبزہ اگایا۔یہی مثال اسکی ہے، مَنْ فَقُهَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ وَنَفَعَهٗ یعنی جس نے اللہ کے دین میں تفقہ حاصل کیا اور اللہ نے جو کچھ مجھے دیکر بھیجا ہے اس سے اس کو نفع پہنچایا، اس نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو تعلیم دی۔اور یہ مثال ہے اسکی جس نے اللہ کی اس ہدایت کی طرف سر ہی نہ اٹھایا اور نہ ہی اسے قبول کیا۔(بخاری کتاب العلم)
اس حدیث پاک میں تین قسم کے لوگوں کی مثال تین قسم کی زمین سے دی گئی ہے۔
ایک زمین وہ جو نہ پانی جمع کرے اور نہ سبزہ وغیرہ اگائے، یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے دین پر توجہ نہیں دی۔دوسری وہ زمین جو پانی جمع کر لیتی ہے مگر اس سے کچھ اگاتی نہیں البتہ اسکا جمع شدہ پانی دوسرے استعمال کرتے ہیں۔اس سے مراد محدثین کرام ہیں جو فقیہ نہیں۔وہ احادیث حفظ کر لیتے ہیں مگر تفقہ نہ ہونے کی وجہ سے خود احکام ومسائل کا استنباط نہیں کر سکتے۔ان سے احادیث سن کر فقہاء کرام مسائل کا استخراج کرتے ہیں۔
تیسری وہ زمین ہے جو پانی اپنے اندر جذب کر کے خزانے اگل دیتی ہے۔یہ ان فقہائے کرام کی مثال ہے جو احادیث مبارکہ کو اپنے سینوں میں جذب کر کے ان سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں مسائل اخذ کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے ہدایت ورہبری کا سامان فراہم کرتے ہیں۔
۷۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا ومولیٰ ﷺ نے فرمایا،''اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جس نے میرے کلام کو سنکر اچھی طرح یاد کیا اور پھر اسے دوسروں تک پہنچایا۔کیونکہ بعض فقہ سیکھنے والے خود غیر فقیہ ہوتے ہیں اور وہ اسے ان تک پہنچا دیتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کے فقیہ ہوتے ہیں''۔(مشکوٰۃ کتاب العلم)
یہ حدیث پاک مختلف الفاظ سے متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے۔امام سیوطی رحمہ اللہ اس حدیث کو متواتر کہتے ہیں۔اس حدیث کو امام احمد، شافعی، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی، اور دارمی نے بھی روایت کیا ہے۔(رحمہم اللہ تعالیٰ)
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احادیث روایت کرنے کا اصل مقصد ان سے فقہ حاصل کرنا ہے اسلیے وہ محدثین کرام جو فقیہ نہیں انکے ذمہ احادیث کا بیان کرنا اس لیے بھی زیادہ اہم ہے تاکہ وہ احادیث جن میں فقہ ہے ان حضرات تک پہنچ جائیں جو محدث بھی ہیں اور فقیہ بھی۔

فقہاء کی فضیلت:

علم الحدیث میں دو چیزیں بنیادی اہمیت کی ہیں۔
اول: حدیث کی سند وروایت، اور دوم: حدیث کے معنی ودرایت۔
حدیث کی سند وروایت کی حفاظت اس امت کے محدثین کرام نے کی ہے جبکہ حدیث کے معنی ودرایت کا فریضہ امت کے جید فقہائے عظام نے انجام دیا ہے۔یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ فقہاء کرام کو علم الحدیث پر کامل دسترس ہوتی ہے۔اگر فقہاء کرام کا عام غیر فقیہ محدثین سے موازنہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ محدثین مواعظ، قصص، فضائل اور ہر قسم کی روایات کا احاطہ کرتے ہیں جبکہ فقہاء کرام زیادہ تر ان احادیث سے غرض رکھتے ہیں

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 26/51

جن سے کوئی نہ کوئی شرعی حکم مستنبط ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کی نسبت فقہاء کرام کی روایات کی تعداد بہت قلیل دکھائی دیتی ہے۔

خطیب بغدادی بیان کرتے ہیں کہ محدثین کرام کی ایک جماعت تشریف فرما تھی کہ مردہ عورتوں کو نہلانے والی ایک عورت آئی اور اس نے سوال کیا، ''حیض والی عورت مردہ کو غسل دے سکتی ہے یا نہیں؟'' امام یحیٰی بن معین، ابوخیثمہ، زہیر بن حرب، خلف بن سالم وغیرہ دیگر جید محدثین کرام (رحمہم اللہ) ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے اور کسی کو اس کے سوال کا جواب نہ آیا۔ اس دوران امام ابوثور رحمہ اللہ جو محدث ہونے کے ساتھ ساتھ مجتہد اور فقیہ بھی تھے، وہاں تشریف لے آئے۔

اس عورت نے اپنا مسئلہ ان سے دریافت کیا، انہوں نے فرمایا، ہاں حائضہ عورت میت کو غسل دے سکتی ہے۔ کیونکہ آقا و مولیٰ ﷺ نے ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ تیرا حیض تیرے ہاتھ میں تو نہیں ہے اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حیض کی حالت میں حضور ﷺ کے سر مبارک پر پانی ڈال کر مانگ نکالتی تھیں۔ جب اس مخصوص حالت میں زندہ شخص کے سر پر پانی ڈالا جا سکتا ہے تو مردے کو غسل کیوں نہیں دیا جا سکتا؟

امام ابوثور رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ جب محدثین کرام نے سنا تو اس حدیث کی اسناد پر گفتگو شروع کر دی کہ یہ روایت فلاں سے بھی مروی ہے اور یہ روایت فلاں سے بھی مروی ہے۔ اس سائلہ عورت نے ان محدثین کرام سے مخاطب ہو کر کہا، آپ لوگ اب تک کہاں تھے؟ (تاریخ بغداد ج۶:۶۷)

اس سے معلوم ہوا کہ محض حدیث کی اسناد اور طرق جمع کر لینے سے مسلمانوں کو پیش آنے والے مسائل حل نہیں ہو سکتے ورنہ امام یحیٰی بن معین رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر محدث اس حدیث کو حفظ کر لینے کے باوجود لاجواب نہ ہو جاتے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ محدثین کرام بھی احادیث سے مسائل اخذ کرنے میں فقہاء کرام کی برتری کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ ایک حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ''اور اسی طرح فقہاء نے کہا ہے اور وہ حدیث کے معانی کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں''۔ (جامع ترمذی ج۱:۱۱۸)

اسی طرح ایک بار کسی شخص نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایک مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا، کسی اور سے پوچھ لو، اس نے عرض کی، آپ ہی اسکا جواب ارشاد فرمائیں۔ تو آپ نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے کسی اور سے پوچھ لو، فقہاء سے پوچھو، امام ابوثور رحمہ اللہ سے پوچھ لو''۔ (تاریخ بغداد، ج۶:۶۶)

امام احمد بن حنبل ائمہ اربعہ میں سے نامور امام ہیں۔ محدث بھی ہیں، مجتہد بھی۔ مگر ایک پیچیدہ مسئلہ کے متعلق انہوں نے فرمایا کہ ''اسے فقہاء سے پوچھ لو''۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ انکا اجتہاد بہت قلیل درجہ میں ہے۔ ''جس قدر حدیث و روایت میں انکا زیادہ اعتبار ہے اس قدر استنباط اور اجتہاد میں انکی نام آوری کم ہے۔ علامہ طبری نے جو خود بھی محدث اور مجتہد تھے مجتہدین میں انکا شمار نہیں کیا۔ قاضی ابن عبدالبر مالکی نے کتاب ''الانتقاء فی فضائل الثلٰثۃ الفقہاء'' میں جو مجتہدین کے حالات میں لکھی، اس میں امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی پر اکتفا کیا (رضی اللہ عنہم)''۔ (سیرۃ النعمان:۱۵۴)

ابوبکر بن عبدان رحمہ اللہ سے پوچھا گیا، درایت اور حفظ میں کیا فرق ہے؟ آپ نے فرمایا، الدرایۃ فوق الحفظ۔ ''درایت حفظ سے اوپر ہے'' یعنی حدیث کی سمجھ بوجھ اسے یاد کرنے سے اعلیٰ ہے۔ (تاریخ بغداد، ج۱۴:۲۳۳)

معروف محدث امام اعمش رحمہ اللہ ایک دن امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مختلف سوالات کرتے جاتے تھے اور آپ ان سوالات کے جوابات دیتے جاتے۔ امام اعمش رحمہ اللہ نے تعجب سے پوچھا، آپ کو اس قدر علوم کہاں سے حاصل ہوئے؟ آپ نے فرمایا، انہی احادیث سے جو آپ نے روایت کی ہیں، پھر آپ نے ان کی روایت کردہ احادیث سنا دیں۔ امام اعمش رحمہ اللہ نے برملا فرمایا، اے فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں۔ (مناقب للموفق:۱۶۳)

یعنی جس طرح کیمسٹ یعنی عطار اور پنساری طرح طرح کی دوائیں اور مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں اپنی دوکان میں رکھتے ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ کس بیماری کا علاج ہیں؟ انکے خواص کیا ہیں؟ خوراک کی مقدار کیا ہے؟ وغیرہ ۔ یہ سب باتیں تو ڈاکٹر اور حکیم ہی جانتے ہیں۔ اسی طرح محدثین کرام سینکڑوں ہزاروں حدیثیں جمع کرتے ہیں مگر ان سے مسائل اخذ کرنے پر قادر نہیں ہوتے۔ جبکہ فقہاء کرام کو حدیثوں کا علم بھی ہوتا ہے اور وہ ان سے مسائل کے استنباط سے بھی آگاہ ہوتے ہیں۔

علامہ ابن جوزی حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''جان لو کہ حدیث میں بڑی باریکیاں اور پیچیدگیاں ہوتی ہیں جن کو صرف وہ علماء ہی پہچان سکتے ہیں جو فقہاء ہوں۔ یہ باریکیاں اور پیچیدگیاں کبھی تو انکی روایت و نقل میں ہوتی ہیں اور کبھی انکے معانی کے کشف میں''۔ (دفع شبہ التشبیہ:۲۶)

شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی فقہاء کی اہمیت و فضیلت کو یوں بیان فرمایا، ''حلال و حرام کا علم اور انکے مسائل تو فقہاء کرام سے ہی حاصل کیے جا سکتے ہیں''۔ (فتح الباری جلد۹:۳۱ طبع مصر)

رائے اور قیاس:

سب سے پہلے رائے کا لغوی معنی سمجھ لیجیے۔ رائے کے معنی دل کی نظر اور بصیرت کے ہیں۔ اسکا اصطلاحی مفہوم علامہ ابن اثیر الجزری شافعی رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے۔ ''محدثین اصحاب قیاس کو اصحابِ رائے کہتے ہیں اسکا معنی یہ ہے کہ وہ مشکل احادیث کو اپنی رائے اور سمجھ سے حل کرتے ہیں یا ایسے مواقع پر وہ اپنے اجتہاد اور قیاس سے کام لیتے ہیں جہاں کوئی حدیث موجود نہیں ہوتی''۔ (نہایہ ج۲:۹۷ طبع مصر)

اس سے معلوم ہوا کہ محدثین کرام اُن اصحاب کو اہلِ رائے کہتے ہیں جو اپنے دل کی بصیرت اور عقل و فہم سے مشکل احادیث اور غیر منصوص مسائل کو حل کرتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا دل کی بصیرت اور رائے کے بغیر بھی احادیث کا صحیح فہم ممکن ہے؟ یقیناً نہیں۔ امام ابن حجر شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''محققین نے فرمایا ہے کہ رائے کا استعمال کیے بغیر حدیث پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ رائے (عقل و فہم) ہی سے حدیث کے معانی سمجھ میں آتے ہیں جس پر احکام کا دارومدار ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض محدثین جب رضاعت کی تحریم کی علت کا ادراک نہ کر سکے تو انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اگر دو بچے (رضاعت کے ایام میں) ایک بکری کا دودھ پی لیں تو ان میں حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ (ان محدثین میں امام بخاری رحمہ اللہ کا اسم گرامی سرِ فہرست ہے)۔ اسی طرح محض رائے پر بھی عمل نہیں کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ حالانکہ قیاس یہ کہتا ہے کہ کچھ کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جانا چاہیے خواہ بھول کر ہی ہو۔ اسی طرح جان بوجھ کر قے کرنے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ قیاس یہ کہتا ہے کہ روزہ معدے میں کسی چیز کے داخل ہونے سے ٹوٹنا چاہیے لیکن کسی شئے کے باہر آنے سے نہیں ٹوٹنا چاہیے''۔ (الخیرات الحسان:۲۶۴)

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ تو احادیث سے بے نیاز ہو کر محض رائے اور قیاس پر عمل کرنا درست ہے اور نہ ہی رائے اور فہم کے بغیر احادیث کا صحیح مدعا سمجھا جا سکتا ہے۔

علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے اصحاب الرائے کی جو تعریف بیان کی اسکا دوسرا حصہ یہ ہے کہ ''وہ ایسے مواقع پر اجتہاد سے کام لیتے ہیں جہاں کوئی حدیث نہیں ہوتی''۔ اجتہاد اور قیاس کی تعلیم تو خود آقا و مولیٰ ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو دی اور صحابہ کرام اس پر عمل پیرا رہے۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

1۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو دریافت فرمایا، اے معاذ! اگر تمہیں کوئی مسئلہ قرآن و سنت میں نہ ملے تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ عرض کی، ''اجتھد برای'' ''میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کروں گا۔ ارشاد فرمایا، ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس پر اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے''۔

(ترمذی ج۱:۱۵۹، ابوداؤد ج۲:۱۴۹)

شیخ الاسلام علامہ ابن عبدالبر المالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے۔ اسکو عادل ائمہ نے روایت کیا اور یہ اجتہاد اور قیاس علی الاصول کی اصل ہے''۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ج۲:۷۷ طبع مصر)

2۔ ایک عورت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض گذار ہوئی، یا رسول اللہ ﷺ! میرا باپ بوڑھا ہے اور اس پر حج فرض ہو گیا لیکن وہ حج کی ادائیگی پر قادر نہیں۔ کیا میں اس کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تیرا کیا خیال ہے کہ اگر تیرے باپ پر کسی کا قرض ہو اور تو اسکو ادا کر دے تو کیا تیری ادائیگی کافی ہوگی؟ اس نے عرض کی، ہاں۔ فرمایا، پھر اللہ کا قرض (یعنی والد کی طرف سے حج) بھی ادا ہو جائے گا۔ (نسائی جلد

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 27/51

دوم باب الحکم بالتشبیہ والتمثیل)

اس حدیث پاک میں سرکار دوعالم ﷺ نے حج کو مالی حقوق پر قیاس کیا ہے۔

3۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بہت سے مسائل بیان فرمائے اور پھر فرمایا، اگر تم میں سے کسی شخص کو کسی مسئلہ میں فیصلہ کرنا ہو تو کتاب اللہ سے فیصلہ کرے، اگر وہ امر قرآن میں نہ ملے تو سنتِ نبوی ﷺ سے فیصلہ کرے، اگر وہ امر قرآن وسنت دونوں میں نہ ملے تو نیک لوگوں یعنی صحابہ کرام کے فیصلے کے موافق فیصلہ کرے اور اگر وہ امر نہ قرآن میں ملے نہ سنتِ نبوی ﷺ میں اور نہ صالحین کے فیصلوں میں، تو وہ شخص اپنی عقل سے کام لے اور ''فَلْیَجْتَھِدْ رَاْیَہٗ'' یعنی اپنی رائے سے اجتہاد کرے''۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا، یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن نسائی جلد دوم کتاب ادب القضاۃ، باب الحکم باتفاق اھل العلم)

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ اگر کوئی مسئلہ قرآن وسنت اور آثارِ صحابہ میں نہ ملے تو قیاس کرنا درست ہے۔

4۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا اور اگر قرآن اور سنتِ رسول ﷺ میں ان کو اس مسئلہ کی وضاحت نہ ملتی تو آپ ارشاد فرماتے،

''میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں اگر صحیح ہوا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے ورنہ میری خطا ہے۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں''۔ (طبقات ابن سعد ج۳:۱۳۶)

دوسری روایت میں ہے کہ آپ برگزیدہ افراد کو جمع کر کے ان سے رائے لیتے اور جب وہ حضرات ایک رائے پر متفق ہو جاتے تو آپ اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے۔

(مسند دارمی ج۱:۵۸، طبع دمشق)

5۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی ایسا ہی معمول تھا۔ آپ جب لوگوں کو فتویٰ دیتے تو ارشاد فرماتے، ''یہ عمر کی رائے ہے اگر درست ہے تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے ورنہ میری خطا ہے''۔ (کتاب المیزان للشعرانی ج۱:۴۹، سنن الکبریٰ ج۱۰:۱۱۶)

6۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب خلیفہ بنایا گیا تو آپ نے فرمایا، میں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کروں گا اور اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

(شرح فقہ اکبر لملا علی قاری:۷۹ طبع کانپور)

7۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بھی یہی طریقہ تھا اور انہوں نے اس کی تعلیم دی۔ (سنن الکبریٰ ج۱۰:۱۱۵)

8۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ کتاب وسنت کے بعد حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے فیصلوں سے راہنمائی لیتے اور اگر کوئی دلیل نہ ملتی تو پھر اپنی رائے سے فتویٰ دیتے۔ (مسند دارمی ج۱:۵۹، سنن الکبریٰ ج۱۰:۱۱۵)

ان دلائل وبراہین سے یہ ثابت ہو گیا کہ :-

☆ رسول کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو قیاس واجتہاد کی تعلیم دی،

☆ اصولِ دین چار ہیں، قرآن، سنت، اجماع اور قیاس،

☆ قرآن وسنت اور اجماع کے بعد صحابہ کرام قیاس واجتہاد کو اختیار کرتے تھے۔

فقہاء صحابہ کرام:

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کے تمام صحابہ کرام اپنے آقا کریم ﷺ کی نگاہِ کرم اور صحبتِ بابرکت کے فیض سے متقی، عادل، ثقہ اور صادق تھے۔ البتہ فہمِ قرآن وحدیث اور تفقہ فی الدین کے لحاظ سے انکے مختلف درجات ومراتب تھے۔ نبی کریم ﷺ نے بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت معاذ بن جبل، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کو مختلف قبائل کی طرف دین کی تعلیمات سکھانے کے لیے روانہ فرمایا۔ انکے علاوہ

خلافتِ راشدہ کے دور میں بھی کئی صحابہ کرام دین سکھانے کے لیے مختلف علاقوں میں بھیجے گئے۔

''صحابہ کرام مختلف شہروں میں پھیل گئے اور ان میں سے ہر ایک وہاں کا پیشوا بن گیا۔ مسائل پیش آنے پر لوگوں نے فتوے پوچھنا شروع کیے تو ہر صحابی نے اپنے حافظہ یا استنباط سے مسائل کا جواب دیا یا پھر اپنی رائے سے اجتہاد کیا''۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

عصرِ حاضر کے معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''ایسی متعدد مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں کہ گورنر اور قاضی، جو دور دراز علاقوں میں تھے یا تو خود لکھ کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھتے تھے کہ ان حالات میں کیا کرنا چاہیے اور ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ان گورنروں اور قاضیوں نے اپنی صوابدید اور اپنے فہم کے مطابق فیصلہ کر ڈالا''۔ (خطباتِ بہاولپور:۸۱)

دینی مسائل کی ترویج واشاعت اور فتاویٰ دینے کے لحاظ سے صحابہ کرام کا ایک طبقہ بہت نمایاں ہے جن کے فتاویٰ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

انکے بعد صحابہ کرام کا دوسرا طبقہ ہے جن حضرات نے کثیر فتاویٰ دیے لیکن اول الذکر کی بہ نسبت یہ تعداد کم رہی۔ ان صاحبِ علم وفضل، نفوسِ قدسیہ کی تعداد بیس شمار کی گئی ہے جن میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان، حضرت ام سلمہ، معاذ بن جبل، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت انس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت عبداللہ بن زبیر، ابوموسیٰ اشعری، سعد بن ابی وقاص، سلمان فارسی، جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدری، عبدالرحمٰن بن عوف، امیر معاویہ، عبادہ بن صامت، عمران بن حصین اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

صحابہ کرام براہِ راست نبی کریم ﷺ سے دین کا علم حاصل کیا کرتے تھے۔ آقا ومولیٰ ﷺ کے ظاہری وصال کے بعد صحابہ کرام اور تابعین عظام بھی اپنے درمیان موجود زیادہ صاحبِ علم صحابی کی تقلید کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے تھے، ''جب تک یہ عالم تمھارے درمیان موجود ہیں، مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو''۔ (صحیح بخاری) اسی کا نام شخصی تقلید ہے جو دورِ صحابہ میں بھی موجود تھی۔

بخاری شریف میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہلِ مدینہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تقلید کو ترجیح دی۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ دورِ صحابہ میں فقیہ صحابہ اجتہاد کیا کرتے تھے اور دوسرے لوگ انکی تقلید بھی کرتے تھے۔

جید فقہاء صحابہ کرام کے بارے میں جلیل القدر تابعی امام مسروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ''میں نے صحابہ کرام کی صحبت سے فیض پایا ہے۔ میں نے دیکھا کہ سب صحابہ کرام کا علم سمٹ کر اِن چھ اکابر صحابہ کی طرف لوٹتا ہے۔

حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوالدرداء اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ پھر میں نے ان چھ حضرات سے اکتسابِ فیض کیا تو دیکھا کہ ان سب کا علم حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے علم پر ختم ہو گیا''۔ (طبقاتِ ابن سعد ج۲:۲۵، تذکرۃ الحفاظ ج۱:۲۴)

ابن قیم کہتے ہیں، ''اہلِ مدینہ میں دین اور فقہ کا علم زید بن ثابت اور ابن عمر کے اصحاب کے ذریعے، اہلِ مکہ میں ابن عباس کے اصحاب کے ذریعے اور اہلِ عراق میں ابن مسعود کے اصحاب کے ذریعے پھیلا ہے (رضی اللہ عنہم)''۔ (اعلام الموقعین ج۱:۸)

امام شعبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضور ﷺ کے صحابہ کرام کے بعد کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہی دین کے فقہاء تھے۔ (تاریخ بغداد ج۱۲:۲۹۹)

آپ ہی کا ایک اور ارشاد ہے، ''میں کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے سوا کسی کو فقیہ نہیں جانتا''۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱:۷۸)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد جب کوفہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مسجد کوفہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد فقہ کا درس دے رہے ہیں اور چار سو کے قریب دواتیں رکھی ہیں جن سے طلبہ انکا درس لکھ رہے ہیں۔ آپ نے خوش ہو کر فرمایا، ''اللہ، ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ پر رحمت فرمائے، وہ ان لوگوں کو کوفہ کے روشن چراغ بنا کر چھوڑ گئے ہیں''۔ (مناقب للموفق:۳۸۵)

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 28/51

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ بعض صحابہ کرام زیادہ فقیہ اور کثیر الفتاویٰ تھے ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ نیز آپ ہی نے فقہ کی درس و تدریس کا باقاعدہ سلسلہ جاری کیا اس لیے انکی اور انکے اصحاب کی فقہ دیگر تمام مجتھدین کی فقہ پر مقدم ہے۔

☆☆☆☆

باب ہفتم(7)

امامِ اعظم اور علم الحدیث:

بعض نام نہاد اہلحدیث سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ''آپ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں''۔ اس اعتراض کی اصل وجہ بھی آپ سے حسد و بغض ہے۔ علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں،

''کسی کے ذہن میں یہ خیال نہ آئے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو فقہ کے علاوہ دیگر علوم پر دسترس حاصل نہ تھی۔ حاشاللہ، آپ علوم شرعیہ، تفسیر، حدیث اور علومِ ادب و حکمت میں بحرِ ناپیدا کنار تھے اور ان میں سے ہر فن کے امام تھے۔ بعض دشمنوں کا اسکے خلاف کہنا محض ان سے حسد کی وجہ سے ہے''۔ (الخیرات الحسان:۸۹)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے نامور شاگرد امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ (المتوفی ۲۱۵ھ) امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد ہیں اور صحیح بخاری میں بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات صرف امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ کی سند سے مروی ہیں اور نو ثلاثیات دیگر حنفی شیوخ سے۔ گویا امام بخاری رحمہ اللہ کو اپنی صحیح میں عالی سند کے ساتھ بیس ثلاثیات درج کرنے کا شرف سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کا صدقہ ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر کتبِ صحاح کے اسانید میں بھی اکثر شیوخ حنفی ہیں۔ امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہ کر آپ سے حدیث اور فقہ کا علم حاصل کیا اور آپ سے بکثرت حدیثیں روایت کیں۔ آپ نے امامِ اعظم رحمہ اللہ کی خدمت سے دس سال استفادہ کیا۔ (مناقب للموفق:۲۱۷)

امام ابوعبدالرحمٰن المقری رحمہ اللہ (۲۱۳ھ) نے امامِ اعظم رحمہ اللہ سے نوسو (۹۰۰) حدیثیں سماعت کیں۔ (مناقب کردری ج۲:۲۱۶)

انکے شاگرد بشر بن موسیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ ''جب آپ ہم سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی سند سے کوئی حدیث بیان کرتے تو فرماتے، **حدثنا شاھنشاہ**۔ ہم سے شہنشاہ نے حدیث بیان کی ہے''۔ (تاریخ بغداد ج۱۳:۳۴۵)

غور فرمایئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ دس سال امامِ اعظم رضی اللہ عنہ سے حدیث و فقہ کا علم حاصل کریں اور محدثِ کامل امام ابو عبدالرحمٰن رحمہ اللہ نوسو (۹۰۰) حدیثیں سن کر آپکی عظمت کا اقرار یوں کریں کہ آپکو ''حدیث کا شہنشاہ'' کہیں تو پھر امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے حافظ الحدیث ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے؟

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ائمہ تابعین وغیرہ چار ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا ہے اس لیے امام ذہبی رحمہ اللہ اور دوسرے حضرات نے آپکا شمار حفاظ محدثین کے طبقے میں کیا ہے اور جس نے یہ گمان کیا کہ آپ نے حدیث کو کم اہمیت دی، یہ اُس کی غفلت ہے یا پھر حسد ہے، یہ بات اس شخص کے متعلق کیونکر صحیح ہوسکتی ہے جس نے حدیث سے بے شمار مسائل اخذ کیے ہوں حالانکہ دلائل شرعیہ سے مخصوص طریقہ کے مطابق استنباط کرنے والے آپ پہلے شخص ہیں جسکا ذکر آپکے اصحاب کی کتب میں ہے۔ چونکہ آپ (فقہ کے) اس اہم کام میں مشغول رہے اس لیے آپ کی حدیثیں لوگوں میں پھیل نہ سکیں جسطرح حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جب مسلمانوں کی ضروریات میں مشغول ہوئے تو ان سے روایتِ حدیث ظاہر نہ ہوئی جیسا کہ ان کے سوا دوسرے کم عمر صحابہ سے ظاہر ہوئی۔

اس طرح امام مالک اور امام شافعی سے بھی فقہ میں مشغولیت کے باعث اس قدر احادیث ظاہر نہیں ہوئیں جیسا کہ ان حضرات سے مثلاً ابوزرعہ اور ابن معین (رحمہم اللہ تعالٰی) سے ظاہر ہوئیں جو کہ محض روایتِ حدیث کی طرف متوجہ رہے۔ علاوہ ازیں کثرتِ روایات بغیر درایت کے کوئی خوبی کی بات نہیں بلکہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے تو اسکی مذمت میں ایک مستقل باب لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ فقہاء و علماء کا مذہب یہ ہے کہ ''بغیر تفقہ و تدبر کے کثرت سے

روایت کرنا اچھا نہیں اور ابن شبرمۃ رحمہ اللہ نے کہا کہ ''کم روایت بھی تفقہ ہے''۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا ارشاد ہے، ''قابلِ اعتماد چیز حدیث و اثر ہے اور صرف وہ رائے قبول کرو جو حدیث کی تفسیر کرے''۔ (الخیرات الحسان:۲۲۰)

حافظ الحدیث، اسرائیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بہت اچھے بزرگ تھے۔ انہیں ہر ایسی حدیث جس سے کوئی فقہی مسئلہ اخذ ہوسکتا تھا بہت اچھی طرح یاد تھی۔ وہ ایسی حدیثوں کو بہت تلاش کرتے تھے اور حدیث میں فقہی مسائل کو بہت زیادہ جاننے والے تھے۔ (تبییض الصحیفہ:۲۷)

صحاح ستہ کے اہم راوی حافظ الحدیث امام مسعر بن کدام رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حدیث کا علم حاصل کرنا شروع کیا لیکن وہ ہم پر غالب رہے''۔ (مناقب للذہبی:۲۷طبع مصر)

امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''میں نے دیکھا ہے کہ بڑے بڑے محدثین مثلاً زکریا بن ابی زائدہ، عبدالملک بن ابی سلیمان، لیث بن ابی سلیم، مطرف بن طریف اور حصین بن عبدالرحمٰن وغیرہ (رحمہ اللہ تعالٰی) امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس اکثر آتے جاتے رہتے اور مشکل مسائل دریافت کرتے تھے۔ کئی بار وہ ان احادیث کے بارے میں سوال کرتے جسکے متعلق انہیں کوئی مشکل پیش آتی تھی۔ (مناقب للموفق:۳۹۶)

مقامِ غور ہے کہ اگر بالفرض سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کو صرف سترہ حدیثیں یاد ہوتیں تو ایسے بڑے بڑے محدثین آپکے پاس کیوں حاضری دیتے؟

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''آپ سے جن محدثین نے کثیر روایات حاصل کی ہیں انکو شمار نہیں کیا جاسکتا''۔ (مناقب للذھبی:۱۲)

علامہ یوسف بن صالح شامی رحمہ اللہ نے آپ سے روایات اخذ کرنے والے نوسو چوبیس (۹۲۴) محدثین کے نام تحریر کیے ہیں۔ (عقود الجمان باب۴، ۵) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے آپکے ۹۵ تلامذہ کے اسمائے گرامی تحریر کیے ہیں۔ (تبییض الصحیفہ:۱۴)

نامور محدث علی بن خشرم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''ہم امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھے انہوں نے فرمایا، اے اصحابِ حدیث! تم حدیث میں تفقہ پیدا کرو، ایسا نہ ہو کہ اصحابُ الرائے تم پر غالب آجائیں۔ یہ خیال رہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کوئی بات ایسی نہیں کہی ہے جس پر ہم ایک یا دو حدیثیں نہ روایت کرتے ہوں''۔ (معرفت علوم الحدیث:۶۹طبع قاہرہ)

اس ارشاد سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اصحابُ الرائے تفقہ فی الحدیث کے حوالے سے نمایاں مقام کے حامل رہے ہیں اسی لیے امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے انہیں حدیث کا فہم حاصل کرنے کی ترغیب دی اور دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ جو کچھ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے اس کے بارے میں ایک یا دو حدیثیں ضرور موجود ہیں۔ یعنی کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا اجتہاد و قیاس احادیث کے عین مطابق ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ جنہیں امام یحیٰی بن معین رحمہ اللہ ''صاحبِ حدیث'' اور امام ذہبی رحمہ اللہ ''حافظ الحدیث'' کہتے تھے وہ فرماتے ہیں، میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حدیث کی تفسیر جاننے والا اور اسکے فقہی نکات پہچاننے والا نہیں دیکھا۔ اور میں نے جب کبھی کسی بات میں انکی مخالفت کی اور پھر اس پر غور کیا تو انہی کے مذہب کو آخرت کے لحاظ سے زیادہ موجبِ نجات پایا اور بسا اوقات میں حدیث کی طرف مائل ہوتا تو وہ مجھ سے زیادہ صحیح حدیث کو جاننے والے ہوتے۔

جب امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کسی قول پر جم جاتے تو میں آپکے قول کی تائید میں کوئی حدیث یا اثر معلوم کرنے کے لیے کوفہ کے مشائخ کے پاس جاتا۔ بسا اوقات دو دو یا تین تین حدیثیں لے کر آپ کے پاس حاضر ہوتا تو ان میں سے کسی کے بارے میں فرما دیتے کہ یہ صحیح نہیں ہے یا غیر معروف ہے۔ میں دریافت کرتا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا حالانکہ یہ تو آپ کے قول کے مطابق ہے۔ آپ ارشاد فرماتے، ''میں اہلِ کوفہ کے تمام علم کا عالم ہوں''۔ (الخیرات الحسان:۲۲۲، فتاوٰی رضویہ ج۱:۱۲۱)

آپ نے صرف کوفہ ہی کے مشائخ سے علم حاصل نہ کیا بلکہ آپ مکہ، مدینہ اور بصرہ بھی حصولِ علم کے لیے کئی بار گئے۔ آپکے بعض اساتذہ کرام کا ہم آئندہ صفحات میں ذکر کریں گے۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سینۂ اقدس میں احادیث کا کتنا بڑا خزانہ تھا اسکا اندازہ محدث علی قاری رحمہ اللہ کے اس قول سے کیجیے، وہ امام محمد بن سماعہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، ''امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار (۴۰،۰۰۰) احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے''۔ (مناقب بذیل الجواہر ج۲:۴۷۴)

صدر الائمہ امام موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ''امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے۔ جن کی صحت

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 29/51

کی آپ کو پوری تحقیق تھی''۔(مناقب للموفق:۱۰۴)

ایک بات کی وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ اگر ایک حدیث کا متن سومختلف طریقوں اور سندوں سے روایت کیا جائے تو محدثین کی اصطلاح میں یہ سو حدیثیں ہونگی۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں محدث کو ایک لاکھ حدیثیں یاد تھیں اور فلاں محدث کو دو لاکھ، اسکا یہی مطلب ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حدیث کی اسناد میں راویوں کا اضافہ ہوا اور ایک ایک حدیث کو بکثرت راویوں نے روایت کرنا شروع کردیا۔ ورنہ محدثین کرام کا اتفاق ہے کہ'' تمام مسند احادیثِ صحیحہ جو بلا تکرار نبی کریم ﷺ سے روایت کی گئی ہیں انکی تعداد چار ہزار اور چار سو ہے''۔(توضیح الافکار:۶۳ طبع مصر)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف جب چالیس ہزار حدیثوں کی نسبت کی جاتی ہے تو یہ اسانید وطرق کی کثرت سے مروی روایات کی تعداد ہوتی ہے اور امام حسن بن زیاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں،'' امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بلا تکرار جو احادیث روایت کرتے ہیں انکی تعداد چار ہزار ہے، دو ہزار احادیث انہوں نے اپنے استاد امام حماد رحمہ اللہ سے اور دو ہزار دوسرے شیوخ سے حاصل کیں''۔(مناقب للموفق:۱۰۵)

اس سے معلوم ہوا کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ واقعی علم الحدیث کے شہنشاہ تھے۔ اور اگر نفسِ احادیث کے اعتبار سے تجزیہ کیا جائے تو امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی مرویات امام بخاری رحمہ اللہ سے کہیں زیادہ ہیں اور نسبتاً کم واسطوں سے ہیں۔

مرکزِ علم وفضل......کوفہ:

سیدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا وطن کوفہ ہے۔ اس لیے غیر مقلدین یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ کوفہ والوں کو حدیث کا علم نہیں تھا نیز کوفہ میں صرف ایک دو صحابہ رہتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ آیئے اس پراپیگنڈہ کا تجزیہ کرتے ہیں۔

علامہ کوثری مصری رحمہ اللہ لکھتے ہیں،''عہدِ فاروقی ۱۷ھ میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم پر شہر کوفہ آباد کیا گیا اور اسکے اطراف میں فصحائے عرب آباد کیے گئے۔ سرکاری طور پر یہاں مسلمانوں کی راہنمائی کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تقرر ہوا۔ انکے علمی مقام کا اندازہ اس مکتوب سے کیا جاسکتا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کو تحریر کیا تھا۔ اس میں تحریر تھا،

''عبداللہ بن مسعود کی مجھے یہاں خاص ضرورت تھی لیکن تمہاری ضرورت کو مقدم رکھتے ہوئے میں ان کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں خلافتِ عثمان کے آخر وقت تک لوگوں کو قرآن پاک اور دینی مسائل کی تعلیم دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس شہر میں چار ہزار علماء اور محدثین پیدا ہوگئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ پہنچے تو اس شہر کے علمی ماحول کو دیکھ کر فرمایا،'' اللہ تعالیٰ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھلا کرے کہ انہوں نے اس شہر کو علم سے بھر دیا''۔(مقدمہ نصب الرایہ)

غیر مقلدین کے پیشوا ابن تیمیہ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ'' اہلِ کوفہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری سے قبل ہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایمان، قرآن، تفسیر، فقہ اور سنت کا علم حاصل کرلیا تھا''۔(منہاج السنۃ ج ۴:۱۴۲)

علامہ ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں،''بیعتِ رضوان والے تین سو صحابہ اور غزوہ بدر میں شریک ہونے والے ستر صحابہ کرام کوفہ میں آباد ہوئے''۔ (طبقات ابن سعد ج ۶:۹) ان اکابر صحابہ کے علاوہ اور بھی بہت سارے صحابہ کرام کوفہ میں آباد ہوئے۔ مشہور تابعی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،

''حضور ﷺ کے ایک ہزار پچاس صحابہ اور چوبیس بدری صحابہ کوفہ میں تشریف فرما ہوئے''۔(کتاب الکنیٰ والاسماء ج ۱:۱۷۴)

حافظ ابن ہمام اور محدث علی قاری رحمہما اللہ نے کوفہ میں تشریف فرما ہونے والے صحابہ کرام کی تعداد پندرہ سو تحریر فرمائی ہے۔(فتح القدیر ج ۱:۴۲)

ان روشن دلائل کے باوجود اگر کوئی کوفہ کو ایک یا دو صحابہ کا مسکن کہے تو اسے اپنی عقل پر ماتم کرنا چاہیے۔ اب رہا یہ اعتراض کہ'' اہلِ کوفہ حدیث نہیں جانتے تھے''، اسکے جواب میں محدثین کی گواہیاں ملاحظہ فرمایئے۔ ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں،''میں جب کوفہ پہنچا تو وہاں حدیث کے چار ہزار طلبہ موجود تھے''۔(تدریب الراوی:۵۷۲)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ کے شیوخ میں سے امام عفان بن مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔'' جب ہم کوفہ پہنچے تو وہاں چار ماہ قیام کیا۔ احادیث کا وہاں اتنا چرچا تھا کہ اگر ہم چاہتے تو ایک لاکھ سے بھی زیادہ احادیث لکھ سکتے تھے۔ مگر ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثوں پر اکتفا کیا۔ ہم نے کوفہ میں عربی زبان میں غلطی کرنے والا اور اسکو روا سمجھنے والا کوئی نہیں دیکھا''۔(مقدمہ نصب الرایہ:۳۵)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے انکے بیٹے نے پوچھا، حصولِ علم کے لیے ایک استاد کی خدمت میں رہوں یا دوسرے شہروں سے بھی علم حاصل کروں؟ فرمایا، سفر اختیار کرو اور کوفیوں، مصریوں، اہلِ مدینہ اور اہلِ مکہ سے علم لکھو۔(تدریب الراوی:۷۱۷)

امام احمد رحمہ اللہ نے اہلِ کوفہ کا ذکر سب سے پہلے کر کے علم وفضل کے حصول کے لیے کوفہ کی اہمیت واضح فرمائی۔ حدیث اور رجال کی کتب دیکھیں تو اکثر راوی کوفہ کے نظر آتے ہیں۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الحفاظ کی صرف پہلی جلد میں کوفے کے تقریباً سو (۱۰۰) حفاظِ حدیث کے اسمائے گرامی لکھے ہیں جن میں سے اکثر صحاح ستہ بلکہ صحیحین کے راوی ہیں۔ کیا اسکے باوجود کوئی یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ کوفہ والوں کو حدیث کا علم نہیں تھا۔

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں'' جو جنگوں کا علم سیکھنا چاہے وہ اہل مدینہ سے حاصل کرے اور حج کے مسائل اور مناسک سیکھنا چاہے وہ اہل مکہ سے سیکھے اور جو فقہ کا علم حاصل کرنا چاہے اسکے لیے کوفہ ہی ہے''۔(مناقب للموفق:۳۶۳)

یہ بات ہم پہلے تحریر کرچکے کہ علم فقہ کی بنیاد حدیث کے علم ہی پر ہے۔ اس لیے کوفہ کو حدیث وفقہ دونوں علوم کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اسکا سب سے بڑا ثبوت امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کا ارشادِ گرامی ہے جنہوں نے طلبِ حدیث کے لیے بہت سے اسلامی شہروں کا سفر کیا لیکن کوفہ اور بغداد تو وہ کثرت سے جاتے رہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں،''میں دو بار مصر وشام گیا، چار مرتبہ بصرہ گیا اور میں ہرگز نہیں گن سکتا کہ میں کوفہ اور بغداد کتنی مرتبہ گیا''۔(مقدمہ فتح الباری)

شارح بخاری رحمہ اللہ قمطراز ہیں،''جب امام اعظم کے وصال کے اسّی (۸۰) سال بعد کوفہ کا یہ حال تھا کہ امام بخاری جیسے احادیث کے بحرِ ناپیدا کنار اپنی تشنگی بجھانے کے لیے اتنی بار کوفہ گئے جس کو وہ اپنے محیّر العقول حافظے کے باوجود شمار نہیں کرسکتے تو اسّی سال پہلے تابعین کے دور میں کوفے کے علم وفضل کا کیا حال رہا ہوگا؟''۔

(مقدمہ نزہۃ القاری شرح بخاری:۱۶۶)

حقیقت یہ ہے کہ پندرہ سو اکابر صحابہ کرام کی برکت سے کوفہ علم وفضل کا ایسا مرکز بن گیا تھا جس کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو رُمْحُ اللّٰہ (اللہ کا نیزہ)، کَنْزُ الْاِیْمَانُ (ایمان کا خزانہ) اور جُمْجُمَۃُ الْعَرَبْ (عرب کا سر) کے القاب سے یاد کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو قُبَّۃُ الْاِسْلَام (اسلام کا گھر) قرار دیا۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو ایمان کا خزانہ، اسلام کا سر اور اللہ تعالیٰ کی تلوار کا لقب دیا۔(طبقات ابن سعد ج ۶:۵)

اخذِ حدیث کے اصول:

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے،''جس نے میری طرف جھوٹی بات منسوب کی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''۔(بخاری، مشکوٰۃ کتاب العلم) ہر دور میں عموماً اور قرونِ اولیٰ میں خصوصاً محدثین کرام حدیث کی روایت میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے رہے ہیں۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی روایتِ حدیث میں نہایت محتاط طریقہ اختیار کیا۔

مشہور محدث امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں،'' امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ علم حاصل کرنے میں نہایت محتاط اور حدودِ الٰہی کی بے حرمتی کرنے پر بیحد مدافعت کرنے والے تھے۔ آپ صرف وہی حدیثیں لیتے تھے جو ثقہ راویوں سے مروی اور صحیح ہوتی تھیں اور آپ نبی کریم ﷺ کے آخری عمر کے فعل کو لیا کرتے تھے اور اس فعل کو جس پر انہوں نے علماءِ کوفہ کو عمل کرتے پایا۔ مگر پھر بھی ایک قوم نے بلاوجہ ان پر طعن کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور انکی مغفرت کرے''۔(الانتقاء لابن عبدالبر:۱۴۲ طبع مصر)

حسن بن صالح رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ'' امام اعظم رضی اللہ عنہ ناسخ ومنسوخ احادیث کو بکثرت تلاش کرتے تھے اور اہلِ کوفہ کی تمام احادیث کا علم رکھتے تھے۔ لوگوں کا جس امر پر اتفاق تھا آپ اسکی سختی سے پیروی کرتے تھے اور آپ ان سب حدیثوں کے حافظ تھے جو آپکے شہر والوں کو پہنچی تھیں''۔ (الخیرات الحسان:۹۷)

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 30/51

علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے آپ ہی کا ایک اور ارشاد نقل کیا ہے کہ "امام اعظم رضی اللہ عنہ فہم اور علم میں پختہ تھے جب آپ کے نزدیک آقا و مولیٰ ﷺ کی حدیث صحیح ثابت ہوتی تو پھر اس سے غیر کی طرف آپ ہرگز نہ جاتے"۔ (الانتقاء:۱۲۸)

یہ سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی نبی کریم ﷺ کی احادیث سے محبت کی دلیل ہے اور اس محبت کا ہی ایک تقاضا یہ ہے کہ ان تمام راستوں کو بند کر دیا جائے جن کے ذریعے کوئی رسولِ کریم ﷺ کی جانب غلط روایت منسوب کر سکے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی خیال سے صحابہ کرام کو ہمیشہ حکم دیتے تھے کہ حدیثیں کم بیان کریں۔ حضرت ابو اسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیا آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا، "نہیں ورنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ درے مارتے"۔ (سیرۃ النعمان:۱۷۱)

دورِ عثمانی و دورِ حیدری میں احادیث کی اشاعت عام ہوگئی تو اہلِ بدعت نے بیشمار حدیثیں وضع کرلیں۔ حماد بن زید رحمہ اللہ کے بقول چودہ ہزار حدیثیں صرف ایک فرقہ زنادقہ نے وضع کرلیں۔ ان حالات میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نے روایتوں کی تنقید کی بنیاد ڈالی اور اسکے اصول وضوابط مقرر کیے۔ اسوقت ان شرائط کو نہایت سخت کہا گیا۔ پھر امام مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کے متعلق جو شرائط لگائیں وہ آپ کی شرائط کے قریب تر ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کو مشدّدین فی الروایۃ کہا گیا ہے۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قلیل الروایۃ ہونے کا ایک سبب آپ کے اس قول سے ظاہر ہے کہ "کسی شخص کے لیے حدیث بیان کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ اس حدیث کو سننے کے دن سے بیان کرنے تک صحیح یاد نہ رکھتا ہو"۔ (الخیرات :۲۲۰)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ آپکی احتیاط کا ذکر یوں کرتے ہیں، "امام اعظم ابوحنیفہ صرف وہ احادیث بیان کرتے ہیں جن کے وہ حافظ ہیں"۔ (تاریخ بغداد، ج۱۳:۴۱۹)

آپ روایت بالمعنی کے جواز کے قائل نہ تھے۔ محدث علی قاری لکھتے ہیں، "امام اعظم روایت بالمعنی کو جائز نہیں کہتے، چاہے وہ مترادف الفاظ ہی میں کیوں نہ ہو۔ جبکہ جمہور محدثین کے نزدیک روایت بالمعنی جائز ہے"۔ (شرح مسند الامام ابی حنیفہ:۳)

"امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو اس احتیاط پر جس چیز نے مجبور کیا وہ یہ تھی کہ انکے زمانہ تک روایت بالمعنی کا طریقہ عام تھا اور بہت کم لوگ تھے جو الفاظِ حدیث کی پابندی کرتے تھے اسلیے روایت میں تغیر وتبدل کا ہر واسطہ میں احتمال بڑھتا جاتا تھا.......... علامہ ذہبی رحمہ اللہ تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو جھڑک دیتے تھے کہ الفاظ کے ضبط میں بے پروائی نہ کریں۔ وہ جب کبھی بالمعنی روایت کرتے تو ساتھ ہی یہ الفاظ استعمال کرتے، او مثلهٗ او نحوهٗ او شبیهه" به اما فوق ذلک واما دون ذلک واما قریب من ذلک۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا تھا یا اس کے مثل یا اسکے مشابہ یا اس سے کچھ زیادہ یا کم یا اسکے قریب قریب فرمایا تھا۔ ابو درداء رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو لوگوں کو روایاتِ حدیث سے منع کیا کرتے تھے انکا بھی غالبًا یہی منشاء تھا۔ وہ جانتے تھے کہ الفاظ کم یاد رہ سکتے ہیں اور معنی کی عام اجازت سے تغیر وتبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔ (سیرۃ النعمان:۱۸۰-۱۸۴)

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ سے اکتسابِ علم کیا اس لیے ایسی ہی احتیاط امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے یہاں نظر آتی ہے۔ امام صاحب نے ضبطِ راوی کو اخذِ حدیث کے لیے بہت اہمیت دی اسکی کیا وجہ ہے؟ اگر "ضبط" کے مفہوم پر غور کیا جائے تو حدیث کے راوی کے لیے اس کی اہمیت وضرورت بنیادی شرط کے طور پر نمایاں ہوجاتی ہے۔ فخر الاسلام علامہ بزدوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں،

"ضبط کا مفہوم یہ ہے کہ روایت کو اس طرح اخذ کیا جائے جس طرح اسکے حصول کا حق ہے، پھر اسکے صحیح مفہوم کو سمجھا جائے اور پوری کوشش سے اسے یاد کیا جائے پھر اسکی حدود کی حفاظت کر کے اسکی پابندی کی جائے اور روایت بیان کرنے تک اسے بار بار دہرایا جائے تاکہ وہ ذہن سے اتر نہ جائے"۔ (اصول البزدوی، ج۲:۱۶۷)

امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے آپ کی ایک اور شرط یہ تحریر کی ہے کہ "جو حدیث سرکارِ دو عالم ﷺ سے منقول ہو اس میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس پر عمل سے پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ راویٔ حدیث سے صحابی راوی تک متقی وعادل لوگوں کی ایک خاص جماعت اسے نقل کرتی ہو"۔

(میزان الکبریٰ ج۱:۶۳)

اس حوالے سے دیکھا جائے تو امام اعظم نے وہی روایات لی ہیں جن پر عمل کرتے ہوئے تابعین اور کبار تبع تابعین کو آپ نے خود ملاحظہ فرمایا۔ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا یہ ارشاد علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے،

یاخذ بما صح عنده من الاحادیث التی کان یحملها الثقات ۔ "امام اعظم ابوحنیفہ احادیث کی وہ روایات لیتے تھے جو آپ کے نزدیک صحیح ہوتی تھیں اور جنہیں ثقہ راویوں کی جماعت روایت کرتی ہو"۔ (مناقب الامام ابی حنیفہ:۲۰)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی سخت شرائط کے حوالے سے امام سیوطی شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، "یہ سخت مذہب ہے یعنی انتہائی درجہ کی احتیاط ہے۔ اس سلسلے میں دیگر محدثین اس اصول کو نہیں اپنا سکے۔ بہت ممکن ہے کہ بخاری ومسلم کے ان راویوں کی تعداد جو مذکورہ شرط پر پورے اترتے ہوں، نصف تک بھی نہ پہنچتی ہو"۔ (تدریب الراوی:۱۶۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی قبولِ روایت کے لیے شرائط امام بخاری ومسلم رحمہا اللہ کی شرائط سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ علمِ حدیث میں آپکی احتیاط کے بارے میں مشہور محدث وکیع بن جراح رحمہ اللہ یوں گواہی دیتے ہیں،

"میں نے حدیث میں جیسی احتیاط امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے یہاں دیکھی ایسی احتیاط کسی دوسرے میں نہ پائی"۔ (مناقب للموفق عربی ج۱:۱۹۷)

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ نے امام محمد رحمہ اللہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے، "امام اعظم حدیث اخذ کرنے اور بیان کرنے میں جتنے سخت ہیں دوسروں سے اسکا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ معلوم ومعروف ہے"۔ (فتاویٰ رضویہ ج۵:۶۱۲)

امام ترمذی وبیہقی رحمہا اللہ جرح وتعدیل میں امام اعظم کا قول بطور دلیل پیش کرتے ہیں،

"جامع ترمذی میں امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ میں نے جابر جعفی سے زائد جھوٹا اور عطاء بن ابی رباح سے افضل نہیں دیکھا۔ بیہقی نے روایت کی کہ آپ سے سفیان ثوری سے علم سیکھنے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا، وہ قابلِ اعتماد ہیں، ان سے حدیث لکھو سوائے ان احادیث کے جو جابر جعفی نے ابواسحٰق سے روایت کی ہیں۔......اس سے امام اعظم کی جلالت فی الحدیث معلوم ہوتی ہے"۔ (الخیرات:۹۰)

علم حدیث میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمات کے متعلق آزاد خیال مصنف شبلی نعمانی نے یہ اعتراف کیا ہے کہ، "امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو جس بات نے تمام ہم عصروں میں امتیاز دیا وہ ہے احادیث کی تنقید اور بلحاظِ ثبوت، احکام اور انکے مراتب کی تفریق۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بعد علم حدیث کو بہت ترقی ہوئی۔ غیر مرتب اور منتشر حدیثیں یکجا کی گئیں، صحاح کا التزام کیا گیا، اصولِ حدیث کا مستقل فن قائم ہوگیا ....لیکن تنقیدِ احادیث، اصولِ درایت اور امتیازِ مراتب میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تحقیق کی جو حد ہے آج بھی ترقی کا قدم اس سے آگے نہیں بڑھتا"۔ (سیرۃ النعمان:۱۶۸)

☆☆☆☆

باب ہشتم(8)

امامِ اعظم کی ثقاہت:

غیر مقلدین امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کو ضعیف کہتے ہیں اور اسکی دلیل یہ دیتے ہیں کہ امام بخاری اور دارقطنی رحمہا اللہ نے آپکو ضعیف کہا ہے۔ اس کے جواب میں چند باتیں پیشِ خدمت ہیں۔

اول: امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کیونکر ضعیف ہوسکتے ہیں جبکہ انکی روایت ضعیف ہونے کا کوئی سبب موجود نہیں۔ آپ یا تو صحابہ کرام سے روایات لیتے ہیں اور یا جید تابعین عظام سے اور ان میں کوئی بھی ضعیف نہیں ہوسکتا۔

صحابہ کرام سے براہ راست اور بلا واسطہ روایت کرنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا وہ اعزاز ہے جو آپکے ہمعصر کئی محدثین کو حاصل نہ ہوا۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ آپ نے سات صحابہ کرام سے بلا واسطہ احادیث روایت کیں۔ انکے علاوہ کثیر تابعین کرام ہیں جن سے آپ نے علمِ حدیث میں استفادہ کیا۔

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 31/51

حضرت عبداللہ بن داؤد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، آپ نے اکابر تابعین میں سے کس کی صحبت سے فیض اٹھایا ہے۔ آپ نے فرمایا، قاسم، سالم، طاؤس، عکرمہ، مکحول، عبداللہ بن دینار، حسن بصری، عمرو بن دینار، ابوالزبیر، عطاء، قتادہ، ابراہیم، شعبی، نافع اور ان جیسوں کی''۔ رضی اللہ عنہم

(مسند امام اعظم: ۳۱۱، مطبوعہ لاہور)

امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تین مسندوں کا صحیح نسخہ سے مطالعہ کیا ہے جن پر حفاظِ حدیث کے دستخط ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ امام صاحب عادل ثقہ اکابر تابعین سے حدیث روایت کرتے ہیں جو کہ رسول کریم ﷺ کی حدیث کے مطابق خیر القرون میں سے ہیں۔ ان میں اسود، علقمہ، عطاء، عکرمہ، مجاہد، مکحول اور حسن بصری اور انکے مانند اور ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پس وہ تمام راوی جو امامِ اعظم رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ہیں، سب عادل اور متقی ہیں۔ ان میں کوئی جھوٹا نہیں اور نہ ان میں سے کبھی کسی کی طرف سے جھوٹ کی نسبت ہوئی۔ (میزان الشریعۃ الکبریٰ ج۱: ۶۸)

دوم: امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء میں لکھا ہے کہ ''نعمان بن ثابت مرجی تھے اس بنا پر لوگوں نے انکی روایت وحدیث لینے میں سکوت کیا ہے''۔ (معاذ اللہ) یہ سراسر بہتان ہے۔ خود امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں اِرجاء کی تردید فرمائی ہے۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف ارجاء کی نسبت صحیح نہیں ہے کیونکہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سب اصحاب مرجئہ کی رائے کے خلاف ہیں...... یہانتک کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مرجیئہ کے پیچھے نماز جائز نہیں''۔ (عقود الجواہر المنیفہ ج۱: ۱۱ مطبوعہ قسطنطنیہ)

علامہ محمد بن عبدالکریم شہرستانی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپکے اصحاب کو مرجیۂ السنۃ کہا جاتا ہے۔ بہت سے اصحابِ مقالات نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو مرجیہ میں شمار کیا ہے شاید اسکا سبب یہ ہے کہ چونکہ آپ قائل تھے کہ ایمان قلبی تصدیق کا نام ہے اور وہ کم وبیش نہیں ہوتا اس لیے انہوں نے یہ گمان کیا کہ آپ عمل کو ایمان سے مؤخر رکھتے ہیں حالانکہ آپ عمل میں اپنے مبالغہ واجتہاد کے باوجود کسطرح ترکِ عمل کا فتویٰ دے سکتے تھے''۔ (الملل والنحل ج۱: ۷۹)

اس عبارت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مشہور گمراہ فرقہ مرجیہ خالصہ ہے جبکہ مرجیۂ السنۃ سے ایسے لوگ مراد ہیں جو اہلسنت ہیں مگر بعض ایسے مسائل کی وجہ سے جو اہلسنت کے نزدیک قابل اعتراض نہیں، لغوی معنی میں ان پر اِرجاء کا لفظ بولا گیا۔

شیخ ابوزہرہ مصری رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ''معتزلہ ہر اس شخص کو مرجئہ کہتے تھے جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب کو دائمی جہنمی خیال نہ کرے بلکہ یہ سمجھے کہ وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر داخلِ جنت ہوگا اور خدا تعالیٰ اسکو معاف کر دیگا۔ چنانچہ اس اعتبار سے امام ابوحنیفہ، صاحبین ودیگر علماء کو بھی مرجئہ کہا گیا ہے''۔ (حیات امام ابوحنیفہ: ۲۴۳)

''محدث ابن قتیبہ نے اپنی مشہور کتابُ المعارف میں مرجیہ کے عنوان سے بہت سے فقہاء ومحدثین کے نام لکھے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے اکثر حدیث وروایت کے امام ہیں اور صحیح بخاری ومسلم میں ان لوگوں کی سینکڑوں روایتیں موجود ہیں۔ ہمارے زمانے کے بعض کوتاہ بین (غیر مقلد) اس پر خوش ہیں کہ امام صاحب کو بعض محدثین نے مرجیہ کہا ہے وہ ابن قتیبہ کی فہرست دیکھتے تو شاید ان کو ندامت ہوتی۔ محدث ذہبی نے میزانُ الاعتدال میں مسعر بن کدام کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ اِرجاء بہت سے علماء کبار کا مذہب ہے اور اس کے قائل پر مؤاخذہ نہیں کرنا چاہیے''۔ (سیرۃ النعمان: ۱۴۲)

اس بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ سے تسامح ہوا ہے۔

سوم: اگر امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ''اِرجاء'' کی وجہ سے آپ کی روایات ضعیف قرار دی جاسکتی ہیں تو پھر اس الزام سے امام بخاری رحمہ اللہ بھی نہیں بچ سکتے کیونکہ انہوں نے صحیح بخاری میں ایسے سولہ (۱۶) راویوں سے روایت لی ہے جو مرجیٔ ہونے میں مشہور تھے۔ انکے نام مندرجہ ذیل ہیں:-

1 ابراہیم بن طہمان۔ 2 ایوب بن عائذ الطائی۔ 3 شبابہ بن سوار الفرازی۔ 4 عبدالحمید بن عبدالرحمٰن الحمانی۔ 5 عثمان بن غیاث البصری۔ 6 عمر بن ذر الہمدانی۔ 7 محمد بن خازم ابومعاویہ۔ 8 ورقاء بن عمر الیشکری۔ 9 یونس بن بکیر۔ 10 ابراہیم تیمی۔ 11 عبدالعزیز بن ابی رواد۔ 12 سالم بن عجلان۔ 13 قیس بن مسلم الجدلی۔ 14 خلاد بن یحییٰ بن صفوان۔ 15 بشر بن محمد السختیانی۔ 16 شعیب بن اسحاق بن عبدالرحمٰن۔ (تہذیب التہذیب)

صرف یہی نہیں بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ کے راویوں میں چار خارجی، چار جہمی، چار ناصبی، اُنیس شیعہ اور پچیس قدریہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔
(تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے ''الاقوال الصحیحہ فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ'' ازقلم: علامہ پروفیسر نور بخش توکلی رحمہ اللہ ص ۲۴۸ تا ص ۲۶۳)

مذکورہ راویوں میں کئی تو ایسے ہیں جن پر خود امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الضفاء میں جرح بھی کی ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ اس پر تعجب کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

''ایوب بن عائذ کے مرجیٔ ہونے کی وجہ سے امام بخاری نے اسے ضعفاء میں درج کیا۔ تعجب ہے اس پر طعن بھی کرتے ہیں اور اسکی روایت بھی لیتے ہیں''۔

(مقدمہ نزہۃ القاری: ۱۴۶)

چہارم: مولانا عبدالحئ لکھنوی لکھتے ہیں، ''امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض متعصب متاخرین سے بھی جرح صادر ہوئی ہے جیسے دارقطنی اور ابن عدی وغیرہ۔ اس پر بہت بھاری دلائل شاہد ہیں کہ یہ جرح حسد اور تعصب کی وجہ سے کی گئی ہے اور اس تعصب سے کوئی بشر بھی محفوظ نہیں رہ سکتا مگر جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور یہ پہلے بیان ہوا کہ اس جیسی جرح مقبول نہیں ہوتی بلکہ وہ جرح کرنے والے پر بھی پڑتی ہے''۔
(مقدمہ التعلیق المجد علی موطا امام محمد: ۳۳)

بعض محدثین جنہوں نے حاسدوں کے پراپیگنڈے کے باعث امام اعظم پر جرح کی تھی، بعد میں اصل حقیقت معلوم ہو جانے پر امام اعظم کی مخالفت سے رجوع کرلیا تھا۔ ان محدثین میں حافظ ابن عدی رحمہ اللہ بھی ہیں جن کا مذکورہ بالا حوالے میں ذکر ہے۔ انہوں نے رجوع کے بعد تلافی کے طور پر امام اعظم رضی اللہ عنہ کی بعض روایات ایک مسند میں جمع کر کے مرتب کیں۔

شارح بخاری امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، '' امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا، وہ ثقہ ہیں۔ میں نے کسی کو نہیں سنا کہ آپ کو ضعیف کہتا ہو۔ شعبہ بن حجاج آپ کو لکھتے ہیں کہ آپ حدیث روایت کریں اور شعبہ اور سعید بھی آپکو روایت کے لیے فرماتے ہیں۔ یحییٰ بن معین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ثقہ اور صادق ہیں اور ان پر جھوٹ کی تہمت نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے امین اور حدیث میں سچے ہیں''۔ عبداللہ بن مبارک، سفیان ابن عیینہ، اعمش، سفیان ثوری، عبدالرزاق، حماد بن زید اور وکیع جیسے ائمہ کبار اور ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی، احمد بن حنبل اور بہت سے دیگر ائمہ نے امام ابوحنیفہ کی تعریف کی ہے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)
اس گفتگو سے دارقطنی کا ستم اور تعصب ظاہر ہوگیا۔ پس وہ کون ہے جو امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کو ضعیف کہتا ہے وہ تو خود اس لائق ہے کہ اسے ضعیف کہا جائے، کیونکہ اس نے اپنی مسند میں سقیم ومعلول ومنکر وغریب وموضوع روایات نقل کی ہیں۔ اس لیے وہ اس کا مصداق ہے کہ ''جب لوگ امام صاحب کی عظمت وشان کو نہ پہنچ سکے تو آپ کے مخالف ودشمن بن گئے''۔
مثل سائر میں ہے کہ سمندر مکھی کے گرنے سے گدلا نہیں ہوتا اور کتوں کے پینے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ **وحدیث ابی حنیفة حدیث صحیح**۔ ''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، صحیح حدیث ہے''۔ (بنایہ شرح ہدایہ ج۱: ۷۰۹)
غور فرمایئے کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے زمانہ تک تو ایک آدمی بھی امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کو ضعیف کہنے والا نہ ہوا مگر غیر مقلدین وحاسدین انکو پھر بھی ضعیف قرار دیں، یہ تعصب وحسد نہیں تو پھر کیا ہے؟ غیر مقلدین اپنے امام ابن تیمیہ ہی کا فرمان سن لیں۔ انہوں نے امام مالک وامام شافعی وامام احمد وغیرہ کے ساتھ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کا ذکر کر کے انہیں بھی **ائمة الحدیث و الفقه** یعنی ''حدیث وفقہ کا امام'' قرار دیا ہے رضی اللہ عنہم۔
(منہاج السنۃ ج۱: ۲۳۱)

پنجم: اب آخر میں ایک امام الحدیث، ایک عظیم مورخ اور جرح وتعدیل کے ایک نامور امام کی رائے ملاحظہ فرمائیں۔
علمِ حدیث کے امام ابوداؤد رحمہ اللہ (جن کی کتاب ''سنن ابی داؤد'' صحاح ستہ کا حصہ ہے) انہوں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے فقہ وحدیث کے امام ہونے کی تصریح یوں فرمائی، **رحم الله مالکاً کان اماماً رحم الله الشافعی کان اماماً رحم الله اباحنیفة کان اماماً**۔

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 32/51

''اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو امام مالک پر کیونکہ وہ امام تھے، اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو امام شافعی پر کیونکہ وہ امام تھے، اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو امام ابوحنیفہ پر کیونکہ وہ امام تھے''۔ (جامع بیان العلم ج ۲:۱۶۳)

امام ذہبی شافعی رحمہ اللہ نے بھی امام ابوداؤد رحمہ اللہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے، ان ابا حنیفة کان اماماً۔ ''بیشک ابوحنیفہ امام تھے''۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج ۱:۱۶۰)

مؤرخ شہیر علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ قمطراز ہیں،

ویدل علی انه من کبار المجتهدین فی علم الحدیث اعتماد مذهبه بینهم والتعدیل علیه واعتباره ردا وقبولاً۔

''علمِ حدیث میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بڑے مجتہدین میں سے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ انکے مذہب پر اعتماد کیا جاتا ہے اور رد و قبول میں ان پر اعتبار کیا جاتا ہے''۔ (مقدمہ: ۴۴۵ طبع مصر)

اب ہم متاخر محدثین کے امام، ماہر طبقاتِ رجال، علامہ شمس الدین ابوعبداللہ الذہبی رحمہ اللہ کی رائے لکھتے ہیں جو امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب کے پیروکار تھے اور انہوں نے حفاظِ حدیث کے حالات میں 4 جلدوں پر مشتمل عظیم کتاب لکھی۔ محدثین کی اصطلاح میں حافظ وہ ہوتا ہے جسے کم از کم ایک لاکھ حدیثیں یاد ہوں۔ آپ اس کتاب میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی حافظِ حدیث قرار دیتے ہوئے ان القاب سے یاد کرتے ہیں،

'' ابو حنیفة الامام الاعظم فقیه العراق الخ''۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱:۱۵۸)

ان دلائل سے ثابت ہوگیا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ امامِ اعظم ہیں، کثیر الحدیث اور حافظ الحدیث ہیں، ثقہ اور صادق ہیں نیز آپ کی مرویات صحیح احادیث ہیں۔

جرح کا جواب:

امام ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الخیرات الحسان'' میں ایک پوری فصل ان لوگوں کے رد میں تحریر کی ہے جنہوں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ پر جرح کی۔ آپ لکھتے ہیں،

''امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور انکی توثیق کی اور انکی تعریف کی، ان لوگوں کی تعداد ان پر جرح کرنے والوں سے کہیں زیادہ ہے۔ اور جن اہل حدیث نے آپ پر جرح کی، انکی اکثر جرح یہی ہوتی ہے کہ آپ رائے اور قیاس میں منہمک تھے۔ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ یہ کوئی عیب نہیں۔ یہ مقولہ بھی مشہور ہے کہ آدمی کی عظمتِ شان کا اندازہ اسکے بارے میں لوگوں کے اختلافات سے ہوتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دو گروہ ہلاک ہوئے۔ ایک حد سے زائد محبت کرنے والے اور دوسرے بغض کرنے والے۔

امام بخاری کے شیخ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ نے فرمایا، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے سفیان ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن عوام اور جعفر بن عون رحمہم اللہ نے روایت کی ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ثقہ ہیں، ان میں کوئی عیب نہیں اور امام شعبہ رحمہ اللہ انکے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا، ہمارے اصحاب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور انکے اصحاب کے بارے میں زیادتی کرتے تھے تو ان سے پوچھا گیا، کیا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق جھوٹ کی نسبت صحیح ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں وہ اس عیب سے بلند تر اور پاک ہیں۔

طبقاتِ شیخ الاسلام تاج الدین سبکی شافعی رحمہ اللہ میں ہے کہ محدثین کے اس قاعدہ کو مطلق سمجھنے سے بچو کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ جس کی عدالت ثابت ہو جائے اور اسکی تعریف کرنے والے بہت ہوں اور اس پر جرح کرنے والے کم ہوں اور یہ قرینہ بھی موجود ہو کہ اس پر جرح کی وجہ مذہبی تعصب ہے یا اسکے علاوہ کوئی اور وجہ ہے تو ایسے شخص کی جرح لائقِ التفات نہیں.................

پھر طویل گفتگو کے بعد فرمایا، جرح کرنے والے کی جرح اُس شخص کے متعلق قبول نہ کی جائے گی جس کی اطاعت اسکی معصیت پر غالب ہو، اور جس کی تعریف کرنے والے اسکی مذمت کرنے والوں پر غالب ہوں، اور جس کی تعدیل کرنے والے اسکی جرح کرنے والوں پر غالب ہوں، جبکہ وہاں ایسا

قرینہ موجود ہو جو یہ ظاہر کرے کہ یہ جرح مذہبی یا دینوی تعصب کی بناء پر ہے یا کوئی اور وجہ ہو تو اسوقت سفیان ثوری وغیرہ کا کلام امام ابوحنیفہ کے متعلق، ابن ابی ذئب وغیرہ کا امام مالک کے متعلق، یحییٰ بن معین کا امام شافعی کے متعلق کلام لائقِ التفات نہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

اگر مطلقاً جرح کو تعدیل میں مقدم کریں تو کوئی امام نہ بچے گا کیونکہ ہر امام کے بارے میں طعن کرنے والوں نے طعنہ زنی کی ہے اور ہلاک ہونے والے اس میں ہلاک ہوئے ہیں۔.......... بزرگوں سے ایک دوسرے کے حق میں بہت سی باتیں غصہ کی حالت میں صادر ہوگئیں، بعض تو حسد پر محمول ہوئیں اور بعض کی تاویل کی گئی تاکہ جس کے حق میں بات کہی گئی اس پر کچھ حرف نہ آئے۔ (صفحہ ۲۴۸ تا ۲۵۱)

خطیب بغدادی نے اپنی اصولِ حدیث کی کتاب ''الکفایہ فی علم الروایہ'' میں جرح کے قاعدے کے تحت امام مالک، سفیان ثوری سے لیکر یحییٰ بن معین رحمہم اللہ تک ایک طبقہ قائم کر کے لکھا ہے، ''جو اصحاب بلندیٔ ذکر، استقامتِ حال، صداقت کی شہرت اور بصیرت و فہم میں اصحابِ بالا کی مثل ہوں، اُن کی عدالت کی بابت سوال نہیں کیا جا سکتا''۔ اور یہ روایت بھی لکھی ہے کہ امام احمد بن حنبل سے اسحٰق بن راہویہ کی بابت سوال کیا گیا تو جواب میں کہا، کیا اسحٰق بن راہویہ کی شان کے آدمی کی نسبت سوال کیا جا سکتا ہے؟

مقامِ غور ہے کہ جب اسحٰق بن راہویہ جیسی شان کے آدمی کی نسبت بقول امام احمد بن حنبل سوال نہیں کیا جا سکتا تو امام اعظم کی شان تو اس سے بہت زیادہ ارفع اور بدر جہا بالاتر ہے۔ (امام ابوحنیفہ اور انکے ناقدین: ۵۳)

کسی نے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے کہا، فلاں شخص امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا، لوگوں نے امام اعظم سے اس لیے دشمنی کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ فضیلت عطا کی جس سے آپ شرفاء اور معززین پر فائق ہو گئے۔ (الخیرات الحسان: ۲۵۳)

شیخ طاہر پٹنی رحمہ اللہ نے محدث ابن الاثیر جزری شافعی رحمہ اللہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے، ''امام ابوحنیفہ کی طرف خلقِ قرآن، قدر، اِرجاء جیسے اقوال منسوب کیے گئے جن سے ان کا دامن پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اُن کو ایسی شریعت دینا جو سارے آفاق میں پھیل گئی اور جس نے روئے زمین کو ڈھانپ لیا، اور انکے مذہب و فقہ کا مقبولِ عام ہونا، اُن کی پاکدامنی کی دلیل ہے۔ اگر اس میں اللہ تعالیٰ کا سرِّ خفی نہ ہوتا تو نصف یا اسکے قریب اسلام اُن کی تقلید کے جھنڈے کے نیچے نہ ہوتا''۔ (المغنی: ۴۳۰)

جب کوئی شخص امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے سامنے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی برائی بیان کرتا تو وہ دو اشعار پڑھتے جنکا مفہوم یہ ہے، ''لوگوں نے اس نوجوان سے حسد کیا کیونکہ وہ اسکے رتبہ کو نہ پہنچ سکے لہٰذا لوگ اب اسکے مخالف اور دشمن بنے ہوئے ہیں۔ جس طرح خوبصورت عورت کی سوکنیں حسد اور جلن کی وجہ سے اسکے خاوند سے کہتی ہیں کہ وہ تو بدصورت ہے''۔ (ذیل الجواہر ج ۲:۴۶۸)

اسی لیے مبسوط میں امام مالک رضی اللہ عنہ کے مذہب میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک عالم کی شہادت دوسرے عالم کے خلاف مقبول نہیں کیونکہ وہ سب سے زیادہ حسد و بغض رکھتے ہیں۔ (الخیرات الحسان: ۲۵۴)

علماء کرام نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے پانچ اسباب کا ذکر کیا ہے۔ اول: حسد و رقابت، دوم: قاضی صاحبان کے فیصلوں میں غلطیوں کی نشاندہی اور انکی اصلاح کرنا، سوم: آپ کا عجمی ہونا، چہارم: آپ کے اصولِ اجتہاد، طریقِ استنباط اور دلائل سے ناواقفیت اور پنجم: مفسد اور فتنہ پرور لوگوں کا پراپیگنڈہ جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف جھوٹی روایتیں گڑھا کرتے تھے۔

آخر الذکر کے متعلق شارح بخاری لکھتے ہیں، ''ایسے لوگوں پر حیرت نہیں، حیرت امام بخاری رحمہ اللہ پر ہے کہ انہوں نے ایسے کذاب وضاع (مثلاً نعیم بن حماد) کی روایتوں پر اعتماد کر کے اپنی کتابوں میں اسے جگہ دی''۔ حالانکہ نعیم بن حماد کے متعلق محدثین کی جرح موجود ہے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ کے بقول، ''یہ تقویتِ سنت کے لیے جعلی حدیثیں بنایا کرتا اور امام ابوحنیفہ کی توہین کے لیے جھوٹے قصے گھڑ کر پیش کرتا تھا''۔ ملاحظہ ہو، تھذیب التھذیب، ج ۱۰:۴۶۳، میزان الاعتدال، ج ۴:۲۶۹۔

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، امام محمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''حدیث درست نہیں رہتی مگر فقہ کے ساتھ، اور فقہ درست نہیں رہتی مگر حدیث کے ساتھ۔ یہاں تک کہ جو دونوں میں سے ایک میں لائق ہو اور دوسری میں نہ ہو وہ منصبِ قضاء و فتویٰ کے لائق نہیں۔ کیونکہ محدث جو فقیہ نہ ہو اکثر غلطی کرتا ہے''۔

چنانچہ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کی نسبت مروی ہے کہ ان سے دو بچوں کی بابت فتویٰ طلب کیا گیا جنہوں نے ایک بکری کا دودھ پیا۔ امام بخاری

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 33/51

رحمہ اللہ نے انکے درمیان حرمتِ رضاعت ثابت ہونے کا فتویٰ دیدیا۔ اور یہ انکے بخارا سے نکلنے کا سبب ہوا۔(الاقوال الصحیحہ :۱۵۱ بحوالہ کشف الاسرار شرح منار)

یہ واقعہ امام ابوحفص کبیر حنفی رحمہ اللہ کے زمانے میں ہوا۔ علامہ نور بخش توکلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، اسی واقعہ کے سبب امام بخاری رحمہ اللہ کے دل میں حنفی علمائے کرام کی طرف سے کشیدگی پیدا ہوگئی چنانچہ انہوں نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنی صحیح میں اور اس سے بھی بڑھ کر اپنی تاریخ میں توہین آمیز الفاظ سے یاد کیا ہے۔ **تجاوز الله عنا و عنه**۔(الاقوال الصحیحہ فی جواب الجرح علیٰ ابی حنیفہ:۱۵۲)

امام بخاری رحمہ اللہ نے نعیم بن حماد کے علاوہ اپنے شیخ حمیدی کے حوالے سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسی لغو باتیں نقل کیں جو انکے شایانِ شان نہ تھیں۔ انہوں نے حمیدی کے حوالے سے لکھا کہ امام اعظم کو مکہ میں ایک حجام سے تین سنتیں حاصل ہوئیں۔ پھر حمیدی نے کہا،''وہ شخص جس کو مناسکِ حج کی سنتیں معلوم نہ تھیں، احکامِ الٰہی، وراثت، فرائض، زکوٰۃ، نماز اور دوسرے امورِ اسلام میں کس طرح اسکی تقلید کی جاسکتی ہے''۔(تاریخ صغیر:۱۵۸)

حمیدی کے متعلق امام تاج الدین سبکی شافعی رحمہ اللہ کی رائے بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔ فرمایا،''وہ فقہائے عراق کے بارے میں شدت پسند تھے اور انکے خلاف برے کلمات استعمال کرتے تھے''۔(طبقات الشافعیہ الکبریٰ)

حمیدی کے دعوے کے برخلاف جلیل القدر تابعی امام اعمش رضی اللہ عنہ گواہی دیتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے زیادہ حج کے مسائل جاننے والا کوئی نہیں۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں،''امام اعمش رضی اللہ عنہ جب حج پر جانے لگے تو انہوں نے حج کے مسائل امام اعظم رضی اللہ عنہ سے لکھوائے اور فرمایا، امام اعظم سے مناسکِ حج لکھ لو، میں حج کے مسائل کا ان سے بڑھ کر کسی کو عالم نہیں جانتا''۔(الخیرات الحسان:۹۹)

غیر مقلدوں کے امام ابن تیمیہ نے آزاد خیالی کے باوجود ایسے متعصب حاسدوں کی پُر زور تردید کی اور لکھا،''امام ابوحنیفہ سے بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود کوئی شخص بھی انکے تفقہ، فہم اور علم میں شک وشبہ نہیں کرسکتا۔ کچھ لوگوں نے انکی توہین وتحقیر کے لیے انکی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو قطعاً جھوٹ ہیں جیسے خنزیر بری کا مسئلہ اور اس قسم کے دیگر مسائل''۔(منہاج السنۃ، ج۱:۲۵۹)

آخر میں علامہ سخاوی رحمہ اللہ کا فیصلہ نقل کرکے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں،

''حافظ ابن حبان نے کتاب السنۃ میں، یا حافظ ابن عدی نے کامل میں، یا ابوبکر خطیب نے تاریخ بغداد میں، یا ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں، یا بخاری اور نسائی نے بعض ائمہ کے بارے میں جو لکھا، یہ انکی شانِ علم واتقان سے بعید ہے۔ ان باتوں میں انکی پیروی نہ کی جائے، اس سے احتراز کیا جائے۔ بحمدہٖ تعالیٰ ہمارے مشائخ کا یہی طریقہ تھا کہ اسلاف کی اس قسم کی باتوں کو مشاجراتِ صحابہ کی قبیل سے مانتے تھے اور سب کا ذکر خیر سے کرتے تھے''۔(مقدمہ نزھۃ القاری:۲۱۶)

مقامِ امام اعظم اور امام بخاری:

چودھویں صدی ہجری کے مجددِ برحق، شیخ الاسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ غیر مقلدین کے ایک اعتراض کے جواب میں کثیر دلائل دیکر آخر میں فرماتے ہیں،

''امام الائمہ امام اعلم امام اعظم رضی اللہ عنہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے امام ومتبوع سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ جن کی نسبت شہادت دیتے ہیں کہ''تمام مجتہدین امام ابوحنیفہ کے بال بچے ہیں''۔ حفظِ حدیث ونقدِ رجال وتنقیحِ صحت وضعفِ روایات میں امام بخاری رحمہ اللہ کا اپنے زمانے میں پایۂ رفیع والا، صاحبِ رتبۂ بالا، مقبولِ معاصرین ومقتدائے متاخرین ہونا مسلّم۔ کتبِ حدیث میں انکی کتاب بیشک نہایت چیدہ وانتخاب جس کے تعالیق ومتابعات وشواہد کو چھوڑ کر اصولِ مسانید پر نظر کیجیے تو ان میں گنجائشِ کلام تقریباً شاید ایسی ہی ملے جیسے مسائل ثانیہ امام اعظم میں۔ رضی اللہ عنہ

اور یہ بھی بحمد اللہ حنفیہ وشاگردان وشاگردانِ شاگردانِ امام ابوحنیفہ وشاگردانِ شاگردِ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ مثل امام عبداللہ بن مبارک وامام یحییٰ بن سعید قطان وامام فضیل بن عیاض وامام مسعر بن کدام وامام وکیع بن الجراح وامام لیث بن سعد وامام معلیٰ بن منصور رازی وامام یحییٰ بن معین وغیرہم ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا فیض

تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کے شاگردوں سے علم حاصل کیا اور ان کے قدم پر قدم رکھا اور خود امام بخاری کے استاذِ اجل امام احمد بن حنبل، امام شافعی کے شاگرد ہیں، وہ امام محمد کے، وہ امام ابویوسف کے، وہ امام ابوحنیفہ کے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔(گویا امام بخاری، امام اعظم کے پانچویں درجے میں شاگرد ہوئے)

مگر یہ کارِ اہم ایسا نہ تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس میں ہمہ تن مستغرق ہوکر دوسرے کارِ اجل واعظم یعنی فقاہت واجتہاد کی بھی فرصت پاتے۔ اللہ عزوجل نے انہیں خدمتِ الفاظِ کریمہ کے لیے بنایا تھا، خدمتِ معانی ائمہ مجتہدین خصوصاً امام الائمہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا حصہ تھا۔ محدث ومجتہد کی نسبت عطار وطبیب کی مثل ہے۔ عطار دواشناس ہے، اسکی دکان عمدہ عمدہ دواؤں سے مالا مال ہے مگر تشخیصِ ومعرفتِ علاج وطریقِ استعمال طبیب کا کام ہے۔ عطارِ کامل اگر طبیبِ حاذق کے مدارکِ عالیہ تک نہ پہنچے، معذور ہے خصوصاً ملک اطبائے حذاق امام الائمہ آفاق جو ثریا سے علم لے آیا، جس کی دقتِ مقاصد کو اکابر ائمہ نے نہ پایا، بھلا امام بخاری رحمہ اللہ تو نہ تابعین سے ہیں نہ تبع تابعین سے، بلکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پانچویں درجے میں جاکر شاگرد ہیں، خود حضرت امام اجل سلیمان اعمش رضی اللہ عنہ کہ اجلہ تابعین وامام ائمہ محدثین سے ہیں، حضرت سیدنا انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ خادمِ رسول اللہ ﷺ کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم کے استاد، ان سے کچھ مسائل کسی نے پوچھے۔

اسوقت ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ امام اعمش رضی اللہ عنہ نے ہمارے امام سے فتویٰ لیا۔ آپ نے سب مسائل کا فوراً جواب دیا۔ امام اعمش رضی اللہ عنہ نے کہا، یہ جواب آپ نے کہاں سے اخذ کیے؟

آپ نے فرمایا، انہی حدیثوں سے جو میں نے آپ سے سنیں۔ اور پھر آپ نے وہ احادیث مع اسانید پڑھ کر بتادیں۔ امام اعمش نے فرمایا،''بس کیجیے، میں نے جو حدیثیں سو دن میں بیان کیں وہ آپ نے گھڑی بھر میں مجھے سنادیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ احادیث سے اسقدر مسائل اخذ کرتے ہیں۔

یا معشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصيادلة وانت ايها الرجل بكلا الطرفين۔

اے فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں۔ اور اے ابوحنیفہ! تم نے تو دونوں کنارے گھیر لیے''۔

یہ روایت امام ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ شافعیہ نے اپنی تصانیف الخیرات الحسان وغیرہا میں بیان فرمائی۔ یہ تو یہ، خود ان سے بدرجہا اجل واعظم، ان کے استاذ اکرم واقدم، امام عامر شعبی رضی اللہ عنہ جنہوں نے پانچ سو صحابہ کرام کا زمانہ پایا، حضرت مولیٰ علی وسعد بن ابی وقاص وسعید بن زید وابوہریرہ وانس بن مالک وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن عباس وعبداللہ بن زبیر وعمران بن حصین وجریر بن عبداللہ ومغیرہ بن شعبہ وعدی بن حاتم وامام حسن وامام حسین وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بکثرت اصحابِ کرام رسول اللہ ﷺ کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم کے استاذ جن کا پایۂ رفیع، حدیث میں ایسا تھا کہ فرماتے ہیں،''بیس سال گزرے ہیں کہ کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچتی جس کا علم مجھے اس محدث سے زائد نہ ہو''۔ ایسے مقام والا مقام باآں جلالتِ شان فرماتے ہیں،''ہم لوگ فقیہ ومجتہد نہیں، ہم نے تو حدیثیں سن کر فقیہوں کے آگے روایت کردی ہیں جو ان پر مطلع ہوکر کاروائی کریں گے''۔ اسے شیخ زین نے تذکرۃ الحفاظ میں تحریر کیا ہے۔

کاش امام اجل سیدنا امام بخاری علیہ رحمۃ الباری اگر فرصت پاتے اور زیادہ نہیں، دس بارہ ہی برس امام حفص کبیر بخاری رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ حنفیہ سے فقہ حاصل فرماتے تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے اقوالِ شریفہ کی جلالتِ شان وعظمتِ مکان سے آگاہ ہوجاتے، امام ابوجعفر طحاوی حنفی رحمہ اللہ کی طرح ائمہ محدثین وائمہ فقہاء دونوں کے شمار میں یکساں آتے مگر تقسیمِ ازل جو حصہ دے۔

؎ ہر کسے را بہر کارے ساختند ۔۔۔ میل او اندر دلش انداختند

یعنی جس کو کسی کام کے لیے تیار کرنا ہوتا ہے اس کام کی محبت اس کے دل میں ڈال دیتے ہیں۔

اور انصافاً یہ تمنا بھی عبث ہے کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ ایسے ہوتے تو امام بخاری ہی نہ ہوتے بلکہ ان ظاہر بینوں کے یہاں وہ بھی ائمہ حنفیہ کی طرح معتوب ومعیوب قرار پاتے۔ فالی اللہ المشتکی وعلیہ التکلان (اللہ تعالیٰ ہی کی بارگاہ میں فریاد ہے اور اسی پر بھروسا ہے)۔

بالجملہ ہم اہلِ حق کے نزدیک حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کو حضور پُر نور امام اعظم رضی اللہ عنہ سے وہی نسبت ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضور پُر نور

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 34/51

امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا ومولنا علی المرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی سے کہ فرقِ مراتب بے شمار اور حق بدستِ حیدر کرار، مگر معاویہ بھی ہمارے سردار، طعن ان پر بھی کارِ فجار۔ جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں (عیاذ اًباللہ) اسدُ اللہ رضی اللہ عنہ کے سبقت واولیت وعظمت واکملیت سے آنکھ پھیر لے وہ ناصبی یزیدی، اور جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت ونسبتِ بارگاہِ رسالت بھلادے وہ شیعی زیدی۔

یہی روشِ آداب بحمداللہ تعالٰی ہم اہلِ توسط واعتدال کو ہر جگہ ملحوظ رہتی ہے۔ یہی نسبت ہمارے نزدیک امام ابن الجوزی کو حضور سیدنا غوثِ اعظم اور محدث علی قاری کو حضرت خاتمِ ولایتِ محمدیہ شیخِ اکبر سے ہے۔ نہ ہم بخاری وابن جوزی وعلی قاری کے اعتراضات سے شانِ رفیع امام اعظم وغوثِ اعظم وشیخِ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہم پر کچھ اثر سمجھیں نہ ان حضرات سے کہ بوجہ خطائی الفہم معترض ہوئے، الجھیں۔ ہم جانتے ہیں کہ انکا منشاءِ اعتراض بھی نفسانیت نہ تھا بلکہ اُن اکابر محبوبانِ خدا کے مدارکِ عالیہ تک درس ادراک نہ پہنچنا لا جرم اعتراض باطل اور معترض معذور، اور معترض علیہم کی شان ارفع واقدس۔ (فتاویٰ رضویہ جلد۱۰ صفحہ۱۹۹ تا۲۰۱ مطبوعہ لاہور)

اَصح کتب الحدیث:

بعض اہل بدعت یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ حنفی بخاری کو ’’اصح الکتب‘‘ مانتے ہیں تو بخاری پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ اسمیں لکھا ہے کہ رفع یدین کرو، آمین بلند آواز سے کہو، امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھو وغیرہ، تو پھر حنفی ان پر عمل کیوں نہیں کرتے؟

اسکے جواب میں شارح بخاری لکھتے ہیں کہ اصح کتب بعدَ کتاب اللہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ قرآن مجید کی طرح اس کا حرف حرف نقطہ نقطہ صحیح اور حق ہے۔ اسکا حاصل صرف یہ ہے کہ آج تک حدیث میں جتنی کتابیں لکھی گئیں بلا استثناء ان سب میں صحیح کے ساتھ ضعیف احادیث بھی درج ہیں، اس سے بخاری بھی مستثنٰی نہیں۔ البتہ دوسری کتابوں کے بہ نسبت اس میں ضعیف حدیثیں کم ہیں دوسروں میں تناسب کے لحاظ سے زائد ہیں۔ اب اصح الکتب کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث کی دوسری تمام کتابوں کی بہ نسبت اسمیں صحیح حدیثیں زیادہ ہیں ضعیف حدیثیں کم ہیں۔......................

امام بخاری سے (بتقاضائے بشریت) اس کتاب میں کئی جگہ لغزش ہوئی ہے اس لیے اصح الکتب کا یہ مطلب لینا کہ بخاری میں جو کچھ ہے خواہ وہ حدیث نہ ہو بلکہ امام بخاری کا قول اور انکی تحقیق ہو سب حق ہے، یہ اصح الکتب کی معنی کی تحریف ہے۔ جس نے بھی بخاری کو اصح الکتب کہا وہ صرف احادیث کے اعتبار سے کہا۔ امام بخاری کے فرمودات (اور اقوال) کو اس میں کسی نے داخل نہیں کیا۔ مگر کیا کیجیے باطل پرستوں کو جب کوئی دلیل نہیں ملتی تو وہ اسی قسم کی فریب کاری کرتے ہیں‘‘۔ (مقدمہ نزھۃ القاری:۱۴۵)

باقی رہے نماز سے متعلقہ امور تو اس بارے میں عرض ہے کہ کئی امور کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے محض اپنی رائے کو ابواب کے عنوان کے طور پر پیش کیا ہے اور کئی امور کے لیے ایسی احادیث سے استدلال کیا ہے جو منسوخ ہیں۔ رسول کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق نماز سے متعلق ہم ایک باب میں تفصیلی گفتگو کریں گے۔

بعض کم علم وکم فہم یہ کہتے ہیں کہ ’’صرف وہ احادیث معتبر ہیں جو بخاری میں ہیں، انکے سوا کوئی حدیث معتبر نہیں‘‘۔ یہ بات بھی بالکل غلط اور گمراہی ہے۔ کیا یہ نظریہ کسی آیت یا حدیث سے اخذ کیا گیا ہے یا یہ بات امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ارشاد فرمائی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ تو کہتے ہیں کہ ’’میں نے اپنی صحیح میں صرف صحیح حدیثوں کو جمع کیا ہے لیکن کثیر تعداد میں صحیح حدیثوں کو روایت نہیں بھی کیا ہے‘‘۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ’’مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں‘‘۔ جبکہ انکی کتاب صحیح بخاری میں کل سات ہزار دو سو پچھتر (۷،۲۷۵) احادیث ہیں اور اگر تکرار کو حذف کر دیا جائے تو صرف چار ہزار حدیثیں باقی رہ جاتی ہیں۔

(الاکمال فی اسماء الرجال:۱۳۸)

اگر صحیح بخاری کی کُل احادیث کو امام بخاری رحمہ اللہ کے ارشاد کے مطابق ایک لاکھ صحیح احادیث سے نکال لیا جائے تب بھی بانوے ہزار سات سو پچیس (۹۲،۷۲۵) صحیح احادیث کا عظیم ذخیرہ باقی رہ جاتا ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت نہیں کیا۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلد تھے اس لیے انہوں نے ایک لاکھ صحیح احادیث میں سے صحیح بخاری میں وہی احادیث جمع کیں جو مذہبِ شافعی پر دلیل

ہیں۔ اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ :-

’’میں نے اس کتاب میں جو احادیث جمع کی ہیں وہ صحیح ہیں لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ جن احادیث کو میں نے چھوڑ دیا ہے، وہ ضعیف ہیں‘‘۔

امام بخاری وامام مسلم رحمہما اللہ کے ان ارشادات سے ثابت ہوا کہ کسی حدیث کا بخاری یا مسلم میں نہ ہونا ہرگز اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ حدیث ضعیف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اصول وضوابط کے مطابق اگر وہ حدیث ضعیف ہے تو بخاری ومسلم میں ہونے کے باوجود ضعیف ہے اور اگر راوی قوی ہیں اور وہ حدیث صحاح ستہ کے علاوہ کسی اور کتاب میں مروی ہے تو وہ حدیث ہرگز ضعیف نہیں ہے۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ’’یہ دونوں کتابیں اصح کتبُ الحدیث ہیں مگر ان میں تمام احادیثِ صحیحہ کا احاطہ نہیں کیا گیا بلکہ ان کی اپنی شرائط کے مطابق جو حدیثیں ہیں وہ سب بھی ان کتابوں میں درج نہیں ہیں‘‘۔ (فتح المغیث ج۱:۳۳)

نیز اہلِ علم کے نزدیک یہ حقیقت بھی ثابت شدہ ہے کہ ان دونوں کتابوں میں ضعیف روایات بھی ہیں۔ ایسے ضعیف راویوں کا ذکر کرتے ہوئے علامہ سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ’’جن راویوں سے روایت کرنے میں امام بخاری منفرد ہیں انکی تعداد 435 ہے جن میں سے 80 راویوں کو ضعیف کہا گیا ہے۔ اور جو راوی امام مسلم کے ساتھ مخصوص ہیں انکی تعداد 620 ہے ان میں سے 160 کو ضعیف کہا گیا ہے‘‘۔ (ایضاً:۲۹)

☆☆☆☆

باب نہم(9)

عمل بالحدیث:

بعض لوگوں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ پر یہ بدگمانی کی ہے کہ وہ احادیث صحیحہ کے خلاف بلا کسی دلیل کے عمل کرتے تھے (معاذ اللہ)۔ اس عنوان سے امام ابن حجر مکّی شافعی رحمہ اللہ نے الخیرات الحسان میں ایک فصل تحریر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں، ’’جن لوگوں نے یہ گمان کیا اسکی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے سستی کی اور آپ کے اصول وقواعد کی پرواہ نہ کی اور ان میں غور وفکر نہ کیا کیونکہ ان میں سے جیسا کہ ابن عبدالبر وغیرہ نے کہا ہے کہ خبرِ واحد جب اجماعی اصولوں کے خلاف ہو تو وہ قابلِ قبول نہیں اس لئے امام اعظم رحمہ اللہ ایسی خبر پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں‘‘۔ (صفحہ ۲۰۸ ملخصاً)

فقہ حنفی کی معتبر کتب میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ خبرِ واحد قیاس پر مقدم ہے جبکہ وہ اجماعی اصولوں کے خلاف نہ ہو۔ علامہ شامی رحمہ اللہ حنفیوں کے اصل ’’اصحابُ الحدیث‘‘ ہونے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں، ’’کیونکہ حنفی مرسل حدیث پر بھی عمل کرتے ہیں اور خبر واحد کو قیاس پر مقدم رکھتے ہیں (اسلیے وہ اصل اہلحدیث ہیں)‘‘۔ (ردُّالمختار ج۲:۴۶۹)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک خبرِ واحد سے عمومِ قرآن میں نہ تو تخصیص ہوتی ہے اور نہ ہی نسخ ہوتا ہے کیونکہ خبر واحد ظنی ہے اور قرآن یقینی ہے اور جو دلیل زیادہ قوی ہو، اس پر عمل کرنا چاہیے۔ چنانچہ اسی قسم کی حدیث یہ ہے کہ ’’سورۃ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں‘‘۔ یہ حدیث قرآن کی آیت فاقرء وا ما تیسر منہ (قرآن سے جو چاہو، تلاوت کرو) کے مخالف ہے۔ اس موضوع پر امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی تصنیف الخیرات الحسان کی چالیسویں فصل کا ضرور مطالعہ کیجیے۔

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ ناسخ ومنسوخ احادیث کو تلاش کرتے اور ناسخ حدیث پر عمل کرتے۔ ظاہر ہے کہ ناسخ حدیث پر عمل بھی تو حدیث پر ہی عمل ہے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ محض اپنی رائے سے تو حدیث کو منسوخ نہیں کرتے تھے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ’’راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس کی روایت کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ برتن میں کتے کے منہ ڈالنے سے تین مرتبہ دھونے پر عمل کیا جاتا ہے جو کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل ہے حالانکہ انہی سے سات مرتبہ دھونے کی روایت موجود ہے‘‘۔ (الخیرات الحسان:۲۶۱)

اس کی ایک اور واضح مثال نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کا مسئلہ ہے جو صحیح احادیث کی رو سے منسوخ ہو چکا ہے۔ اگر صرف صحاح ستہ کو دیکھا جائے تو ناسخ حدیثیں صحیح مسلم، نسائی، ترمذی، ابوداؤد اور بخاری میں بھی موجود ہیں۔ صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب سنۃ الجلوس فی التشھد میں حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کیا اور رفع یدین کا ذکر نہیں کیا اس سے بھی معلوم ہوا کہ رفع یدین منسوخ ہو چکا تھا۔ رفع

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 35/51

یدین، آمین بالجہر، قراۃ خلف الامام ودیگر مسائل پر ہم علیحدہ سے ایک باب میں گفتگو کریں گے۔
''مسائل فقہ میں متعدد مثالیں موجود ہیں جن میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حدیث واثر کی وجہ سے قیاس کو مطلقاً ترک کردیا ہے مثلاً نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یہ قیاس کے خلاف ہے امام مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ کا مذہب بھی یہ ہے کہ یہ ناقضِ وضو نہیں۔ امام محمد رضی اللہ عنہ اس بارے میں استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قیاس وہی ہے جو اہلِ مدینہ کہتے ہیں لیکن حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کوئی چیز نہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حدیث میں وارد ہے کہ ''روزے میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا''۔ حالانکہ یہ قیاس کے خلاف ہے۔ کیونکہ قیاس یہ کہتا ہے کہ جب کھا پی لیا تو روزہ ختم۔ امام نے فرمایا، ''اگر اس بارے میں احادیث نہ ہوتی تو میں روزہ قضا کرنے کا حکم دیتا''۔ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۲۰۷)

اسی طرح امام اعظم رضی اللہ عنہ قرعہ اندازی کو جائز سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ قیاس کی رو سے تو قرعہ اندازی درست معلوم نہیں ہوتی لیکن ہم قیاس کو حدیث اور سنتِ نبوی کی وجہ سے ترک کردیتے ہیں۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری)
علی بن عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ پہلے عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے کہ حیض کی مدت پندرہ دن ہے مگر جب آپ کے سامنے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت آئی کہ ''حیض کی مدت تین دن سے دس دن تک ہے باقی ایام اگر خون آئے تو استحاضہ ہے'' تو آپ نے سابقہ فتویٰ سے رجوع کرلیا اور قیاس ترک کردیا۔ (مناقب للموفق: ۱۰۳)
جب آپ کی امام باقر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا، سنا ہے تم قیاس کی بناء پر ہمارے نانا رسول کریم ﷺ کی احادیث کی مخالفت کرتے ہو؟ آپ نے عرض کی، یہ سراسر بہتان ہے۔ دیکھیے! عورت مرد سے کمزور ہے لیکن وراثت میں اس کا حصہ مرد سے نصف ہے۔ اگر میں قیاس کرتا تو فتویٰ دیتا کہ عورت کو مرد سے دوگنا حصہ ملنا چاہیے لیکن میں ایسا نہیں کرتا۔ اسی طرح نماز، روزے سے افضل ہے جبکہ حائضہ عورت پر روزے کی قضا ہے، نماز کی نہیں۔ اگر میں قیاس کرتا تو حیض سے پاک ہونے والی عورت کو نماز کی قضاء کا بھی حکم دیتا مگر میں حدیث کے مطابق روزے ہی کی قضاء کا حکم دیتا ہوں۔ یونہی پیشاب منی سے زیادہ نجس ہے۔ اس لیے اگر میں قیاس کرتا تو پیشاب کرنے والے کو غسل کا حکم دیتا اور احتلام والے کو صرف وضو کے لیے کہتا۔ لیکن میں احادیث کے مقابل قیاس نہیں کرتا۔ یہ سن کر امام باقر رضی اللہ عنہ اسقدر خوش ہوئے کہ انہوں نے آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ (مناقب للموفق: ۱۲۶)

اسی طرح شرعی احکام والی روایت کا ایک سے زیادہ صحابہ سے منقول ہونا ضروری ہے۔ اس لیے عضوِ خاص کو چھونے سے وضو ٹوٹنے والی حدیث پر عمل نہیں کیا گیا جس کو صرف حضرت بسرہ رضی اللہ عنہ نے تنہا روایت کیا حالانکہ اس کا جاننا عام لوگوں کے لیے ضروری تھا۔ (الخیرات الحسان: ۲۶۱)
امام اعظم رضی اللہ عنہ اس حدیث پر بھی عمل نہیں کرتے جو کسی فنی سقم کی بنا پر نامقبول ہو اور اسکے مقابل صحیح حدیث موجود ہو۔ آپ چھوہاروں کے بدلے میں تازہ کھجور کی تجارت جائز قرار دیتے ہیں۔ اہل بغداد نے یہ حدیث بیان کی کہ حضور ﷺ نے تازہ کھجوروں کو چھوہاروں کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ حدیث زید بن ابی عیاش پر موقوف ہے اور ان کی روایت متروک سمجھی جاتی ہے اسلیے یہ نامقبول اور شاذ ہے۔ جبکہ صحیح حدیث کی رو سے یہ تجارت جائز ہے۔ (فتح القدیر ج۵: ۲۹۶)
امام اعظم رضی اللہ عنہ اس حدیث پر بھی عمل نہیں کرتے جو حضور ﷺ کی خصوصیت ہو اور حضور ﷺ کے بعد کسی صحابی نے اس پر عمل نہ کیا ہو۔ مثال کے طور پر بخاری میں حضور ﷺ کے نجاشی بادشاہ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ شارحین فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کے نزدیک اس وقت نجاشی کا جنازہ نبی کریم ﷺ کی نگاہ پاک سے اوجھل نہیں تھا۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری ج۴: ۲۵، فتاویٰ رضویہ ج۹: ۳۴۷)
یعنی اس طرح نماز جنازہ ادا کرنا صرف حضور ﷺ ہی کی خصوصیت تھا۔ آپ کے بعد دورِ صحابہ میں بیشمار مسلمان فوت ہوئے مگر کبھی کسی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا نہ کی گئی۔ اس بناء پر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ ناجائز ہے۔ اس بارے میں تفصیل جاننے کے لیے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ کا تحقیقی اور مدلل رسالہ، فتاویٰ رضویہ جلد نہم میں ملاحظہ فرمائیں۔
عمل بالحدیث کے حوالے سے شارح بخاری رقمطراز ہیں، ''احناف عمل بالحدیث میں اتنے آگے ہیں کہ دنیا کا کوئی طبقہ اس میں ان کی ہمسری نہیں کر

سکتا۔ علامہ خوارزمی رحمہ اللہ نے معاندین کا جواب دیتے ہوئے جامع المسانید کے مقدمے میں لکھا ہے:-
امام اعظم رضی اللہ عنہ کو حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرنے کا طعنہ وہی دے گا جو فقہ حنفی سے جاہل ہوگا۔ جسے فقہ حنفی سے کچھ بھی واقفیت ہوگی اور وہ منصف ہوگا تو اس کو یہ اعتراف کرنا ہی پڑے گا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ حدیث کے عالم اور حدیث کی اتباع کرنے والے تھے۔ اس کے دلائل یہ ہیں:-
۱۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ حدیثِ مرسل کو حجت مانتے ہیں اور اسے قیاس پر مقدم جانتے ہیں۔ جب کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا عمل اس کے برعکس ہے کیونکہ وہ حدیث کے بالمقابل قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔
۲۔ قیاس کی چار قسمیں ہیں۔ قیاس موثر، قیاس مناسب، قیاس شبہہ، قیاس طرد۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ قیاس مناسب اور قیاس شبہہ بالکل بے اعتبار ہیں۔ رہ گیا قیاس طرد، تو یہ بھی مختلف فیہ ہے البتہ قیاس موثر کو حجت مانتے ہیں مگر امام شافعی رضی اللہ عنہ قیاس کی ان چاروں قسموں کو حجت مانتے ہیں اور قیاس شبہہ کا تو ان کے یہاں عام استعمال ہے۔
۳۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے احادیث پر عمل کا یہ حال ہے کہ ضعیف احادیث پر بھی قیاس کے مقابلے میں عمل فرماتے ہیں۔ جیسے نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ بالکل خلافِ قیاس بات ہے۔ مگر ایک حدیث ضعیف میں آیا ہے۔ لہٰذا امام اعظم رضی اللہ عنہ نماز میں قہقہہ کو ناقضِ وضو مانتے ہیں۔
یہ وہ نظائر ہیں جو امام خوارزمی رحمہ اللہ نے پیش کیے۔ اس قسم کے نظائر اتنے زیادہ ہیں کہ ان سب کا استقصاء کیا جائے تو دفتر تیار ہوجائے۔
(مقدمہ نزہۃ القاری شرح بخاری: ۱۹۷)
شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بہت عمدہ بات کہی، وہ فرماتے ہیں، ''شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ نے مذہب حنفی کو بیان کرتے ہوئے اس قدر احادیث پیش کی ہیں کہ قریب ہے کہ یہ کہا جائے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اہلِ رائے میں سے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اصحابِ ظواہر میں سے ہیں''۔ (تعارف فقہ وتصوف: ۲۰۶)
امام شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''جس شخص نے بھی ان ائمہ کے کسی قول پر طعن کیا ہے محض جہالت کی وجہ سے کیا ہے۔ یا تو وہ آپ کی دلیل نہیں سمجھ سکا اور یا وہ قیاس کی وجوہات کی باریکی کو نہ جان پایا۔ خاص طور پر امام اعظم رحمہ اللہ پر طعن تو التفات کے لائق ہے ہی نہیں کیونکہ سلف وخلف ان کے کثرت علم، ورع وتقویٰ، عبادت، وجوہِ قیاس ومدارک اور استنباطات کی دقت اور باریک بینی پر متفق رہے ہیں''۔
(میزان الشریعۃ الکبریٰ ج۱: ۵۴)
اب آخر میں علامہ شامی رحمہ اللہ کا ارشاد بھی ملاحظہ فرمایئے۔ وہ فرماتے ہیں، امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، ''جو حدیث صحیح ہو وہی میرا مذہب ہے''۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کا مذہب صحیح احادیث کے مطابق ہے۔ حدیث کا ضعیف ہونا راوی کے ضعف کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ آپ نے بلا واسطہ صحابہ کرام سے احادیث سنیں یا تابعین سے۔ اس لیے آپ تک پہنچنے والی تمام احادیث صحیح ہیں۔

ضعیف حدیث، قیاس پر مقدم ہے:

شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کو ایک مثال کے ذریعے بہترین انداز میں سمجھایا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں، ''غیر مقلدین منی کو پاک کہتے ہیں۔ احناف کے نزدیک یہ ناپاک ہے۔ غیر مقلدین کا استدلال قیاس ہے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے۔ منی کے ناپاک ہونے کی کوئی دلیل نہیں اس لئے وہ پاک ہے۔ رہ گئی ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث جو بخاری ومسلم نے روایت کی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول ﷺ کے کپڑے سے منی دھوتی تھی۔ دھونے کا نشان ہوتا اور حضور اقدس ﷺ اسی کپڑے کو پہنے نماز کو جاتے تھے۔ اس کے بالمعارض مسلم کی دوسری حدیث ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی مل دیتی اور حضور ﷺ اسی کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔
غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اولاً یہ ثابت نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے انہیں دھونے کا حکم دیا ہو یہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا اپنا فعل ہے۔ ثانیاً دیا بھی ہو تو یہ

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 36/51

تھوک اور کھنکھار کی طرح گھناؤنی چیز ہے۔اس لئے دھونے کا حکم دیا۔ثالثاً اگر یہ ناپاک ہوتی تو مل دینے سے کیسے پاک ہوتی۔کپڑے پر لگنے والی نجاست محض مل دینے سے پاک نہیں ہوتی۔

ہر منصف دیکھے کہ حدیث صحیح کو غیر مقلدین قیاس سے رد کر رہے ہیں جبکہ احناف حدیث پر عمل کرتے ہیں۔جیسا کہ وارد ہے اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔اور کہتے ہیں کہ دوسری نجاستوں کے مقابلے میں منی کی یہ خصوصیت ہے کہ جب سوکھ جائے تو ملنے سے پاک ہو جاتی ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔نجاست سے پاکی کیسے ہوگی قیاس نہیں بالکلیہ سماعی ہے۔علاوہ ازیں منی کے نجس ہونے کے بارے میں حدیث میں صراحت ہے۔امام ابن ہمام رحمہ اللہ نے دارقطنی کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کی کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

انمایغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقئ والدم والمنی۔

کپڑا پانچ چیزوں سے دھویا جاتا ہے۔پاخانہ، پیشاب، قے، خون اور منی سے۔

اس حدیث کی سند پر کلام کیا گیا ہے کہ اس میں ایک راوی ثابت بن حماد ہے اور یہ ضعیف ہے۔حالانکہ یہی حدیث ثابت بن حماد کے بغیر طبرانی میں مذکور ہے تو جو ضعف ثابت بن حماد کی وجہ سے تھا وہ دور ہو گیا۔اسی طرح خود ایک دوسرے راوی علی بن زید پر یہ جرح ہے کہ یہ قابلِ احتجاج نہیں۔مگر معترض کو یہ معلوم نہیں کہ یہ مسلم کے رجال سے ہیں۔علاوہ ازیں عجل نے کہا، **لاباس بہ**۔امام ترمذی نے اسے صدوق کہا۔اسی طرح ایک اور راوی ابراھیم بن زکریا کو بھی کچھ لوگوں نے ضعیف کہا مگر بزار نے اسے ثقہ کہا۔چلئے یہ حدیث دونوں سند کے اعتبار سے ضعیف ہے مگر دو طریقے سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن لغیرہ ضرور ہوئی۔اور احکام میں یہ بھی حجت ہے۔اور آگے چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ یہ اب بھی ضعیف ہی رہی مگر احناف کا اس پر عمل ہے اور یہی ہمارا مقصد ہے کہ احناف ضعیف حدیث کے ہوتے ہوئے بھی قیاس کے قریب نہیں جاتے اور اہلحدیث بننے کے مدّعی صحیح حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرتے ہیں۔

(مقدمہ نزہۃ القاری:۱۹۸)

علامہ ابن قیّم لکھتے ہیں،"امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب کا اتفاق ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس سے بہتر ہے انھوں نے ضعیف حدیث کی وجہ سے سفر میں کھجور کی نبیذ سے وضو کرنے کو قیاس اور رائے پر مقدم کیا ہے اور انھوں نے ضعیف حدیث ہی کی وجہ سے دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ کاٹنے سے منع کیا ہے۔اور ایک حدیث کی وجہ سے کہ اس میں ضعف ہے آپ نے اکثر حیض دس دن قرار دیا ہے۔اور جمعہ کی نماز قائم کرنے کے لیے شہر کی شرط اسی طرح کی حدیث سے رکھی ہے اور کنوئیں کے مسائل میں آثار غیر مرفوعہ کی وجہ سے قیاس محض کو چھوڑ دیا ہے۔پس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ آثارِ صحابہ کو قیاس اور رائے پر مقدم رکھتے ہیں"۔(اعلام الموقعین ج۱:۷۷)

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ ایسے ہی دلائل دے کر فرماتے ہیں،"جب یہ بات اچھی طرح ثابت ہو چکی (کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ضعیف حدیث پر عمل قیاس سے بہتر ہے) تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ان چیزوں سے پاکدامنی ثابت ہو گئی جو آپکی طرف آپ کے دشمنوں اور آپ کے اصول سے ناواقفوں نے منسوب کی تھیں بلکہ ان لوگوں کو تو مواقع اجتہاد تک کی خبر نہیں کہ ان کے اصول کیا ہیں اور انھوں نے یہ کہہ دیا کہ آپ نے اخبارِ احاد بلا حجت ترک کر دیں حالانکہ آپ نے کوئی خبر بھی ایسی دلیل کے بغیر نہ چھوڑی جو آپ کے نزدیک زیادہ قوی اور واضح نہ ہو۔

ابن حزم ظاہری نے کہا، احناف کا اجماع ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ حدیث ضعیف، رائے پر عمل کرنے سے بہتر ہے۔تو آپ سوچ لیجیے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کو احادیث کا کس درجہ اہتمام تھا اور احادیث کی عظمتِ شان کا کتنا پاس تھا۔اسلیے آپ نے احادیثِ مرسلہ پر عمل کو قیاس پر مقدم رکھا ہے۔چنانچہ آپ نے قہقہہ سے وضو کو واجب کر دیا صرف خبر مرسل کی بناء پر حالانکہ قیاس کے لحاظ سے یہ حدیث نہیں ہے اور پھر اس کو نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت میں ناقص وضو نہ کہا، نص پر اقتصار کرتے ہوئے کیونکہ یہ رکوع اور سجود والی نماز کے بارے میں ہے"۔(الخیرات:۲۶۳)

ایک صاحب نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق کسی کا یہ قول نقل کیا کہ "نہ ان کے پاس رائے ہے اور نہ حدیث"۔اس قول کو نقل کر کے امام شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،"اس شخص نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے عقل اس کی تصدیق نہیں کرتی۔بحمدہٖ تعالیٰ جب میں نے کتاب "ادلۃ المذاہب" تالیف کی تو اس وقت میں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے دلائل دیکھے۔میں نے ان کا اور ان کے اصحاب کا کوئی قول ایسا

نہیں دیکھا جو کسی آیت یا حدیث یا اثر یا اس کے مفہوم یا ضعیف حدیث جس کے طرق متعدد ہوں یا کسی ایسے مستند قیاس کی بنیاد پر نہ ہوں جو کسی صحیح اصل پر مبنی ہے"۔(میزان الشریعۃ الکبریٰ ج۱:۵۵)

احناف صحیح احادیث پر عامل ہیں:

"جب صحیح اور ضعیف حدیث متعارض ہوں تو احناف حدیث صحیح پر عمل کرتے ہیں۔بخلاف غیر مقلدین وغیرہ کے کہ وہ ضعیف ہی پر عمل کرتے ہیں۔اس کی مثال یہ ہے کہ ماءِ قلیل غیر جاری میں نجاست پڑ جائے تو وہ پاک ہے یا ناپاک؟

احناف کہتے ہیں کہ وہ مطلقاً ناپاک ہے خواہ نجاست کا کوئی اثر رنگ، بو، مزا پانی میں آئے یا نہ آئے۔

امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب تک پانی میں نجاست کا اثر رنگ یا بو یا مزا ظاہر نہ ہو پانی پاک ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی مذہب معلوم ہوتا ہے۔

ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا کہ چوہا اگر گھی میں گر جائے تو کیا کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ چوہے اور چوہے کے ارد گرد کو پھینک دو باقی گھی کھاؤ۔(بخاری:۳۷)

اس حدیث سے ان لوگوں کا مدعا کیسے ثابت ہوتا ہے۔یہ خود محلِ نظر ہے کہ حدیث سے ظاہر ہے کہ یہ جمے ہوئے گھی کے بارے میں ہے۔نیز چوہے کے ارد گرد کو پھینکنے کا حکم صاف بتا رہا ہے کہ چوہے کے گرنے سے گھی کا کچھ حصہ ناپاک ہوا یہ لوگ یہ کہیں گے کہ یہی ہمارا مستدل ہے چونکہ چوہے کا ارد گرد چوہے سے متاثر ہوگا اس لئے ارد گرد ناپاک ہو گیا۔لیکن اثر کا مطلب اگر رنگ یا بو یا مزے کا گھی میں آ جانا مراد ہے تو یہ مسلم نہیں۔یہ ضروری نہیں کہ چوہے کے مرتے ہی اس کا رنگ یا مزہ یا بو گھی میں آ جائے۔ہاں اگر دیر تک رہے گا تو آ سکتا ہے مگر پھر ارد گرد کی تخصیص نہ ہوگی۔جہاں تک اثر پہنچے سب کو ناپاک ہو جانا چاہیئے۔

اور اگر اثر سے نجس ہونا مراد ہے تو ہمارا مدعا ثابت کہ نجاست کے گرنے سے کسی چیز کے ناپاک ہونے کے لئے رنگ یا بو یا مزے کا سرایت کرنا ضروری نہیں محض نجاست کے گرنے سے وہ چیز ناپاک ہو جائے گی۔پھر یہ حکم منجمد کا ہے اور پانی رقیق ہے تو منجمد پر رقیق کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے پھر آخر یہ قیاس ہی تو ہے لہٰذا آپ نے عمل قیاس پر کیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ یہ تفریق کرتے ہیں کہ اگر وہ پانی دو مٹکے ہے تو پاک ہے اس سے کم ہے تو ناپاک۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے:-

اذاکان الماء قلتین لا یحمل الخبث۔جب پانی دو مٹکے ہو تو وہ نجاست سے متاثر نہیں ہوتا یعنی ناپاک نہیں ہوتا۔(مشکوٰۃ:۵۱)

حالانکہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر مٹکے کا تعین بھی مشکل ہے۔مٹکا چھوٹا بھی ہوتا ہے اور بڑا بھی۔کس مقدار کا مٹکا ہوگا؟

دونوں فریق کے بالمقابل احناف کی دلیل یہ حدیث صحیح ہے۔جسے امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: **لایبولن احدکم فی الماء الراکد الذی لا یجری ثم یغتسل فیہ**۔اس پانی میں جو ٹھہرا ہوا ہو بہتا نہ ہو ہرگز پیشاب نہ کرو۔پھر اسی میں غسل کرو۔(بخاری ج۱:۳۷)

اب انصاف کرنے والے انصاف کریں کہ حدیث صحیح پر احناف عمل کر رہے ہیں جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اس کے بالمقابل حدیث ضعیف پر اور امام بخاری رحمہ اللہ قیاس پر۔پھر بھی احناف تارکِ حدیث اور عامل بالقیاس ہیں؟؟؟ (مقدمہ نزھۃ القاری:۱۹۹)

اگر صحیح احادیث متعارض ہوں تو:

"اگر دو مضمون کی احادیث متعارض ہوں اور دونوں صحیح ہوں تو احناف ترجیح اس روایت کو دیتے ہیں جس کے راوی زیادہ فقیہ ہوں۔اس کی نظیر رفع یدین کا مسئلہ ہے۔امام اوزاعی اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہما کی ملاقات ہوئی۔امام اوزاعی نے امام اعظم سے کہا، کیا بات ہے کہ آپ لوگ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین نہیں کرتے؟ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح روایت نہیں۔امام اوزاعی نے کہا، کیسے نہیں حالانکہ مجھ سے زہری نے حدیث بیان کی وہ سالم سے، سالم اپنے والد ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے، جب رکوع میں جاتے اور جب رکوع سے اٹھتے تو رفع یدین کیا کرتے تھے۔

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 37/51

اس کے جواب میں حضرت امام اعظم نے فرمایا، ہم سے حماد نے حدیث بیان کی، وہ ابراہیم نخعی سے وہ علقمہ سے اور وہ عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ صرف افتتاحِ نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ اس کے بعد پھر نہیں کرتے تھے۔ اس پر امام اوزاعی نے کہا کہ میں **عن الزهری عن سالم عن ابیه** ۔حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ کہتے ہیں **حدثنی حماد عن ابراهیم عن علقمة**۔حضرت امام اعظم نے فرمایا، حماد، زہری سے افقہ ہیں اور ابراھیم، سالم سے افقہ ہیں اور علقمہ فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں اگر چہ صحابی ہونے کی وجہ سے علقمہ سے افضل ہیں۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی فقہ میں برتری سب کو معلوم ہے۔ (رضی اللہ عنھم اجمعین)

امام اوزاعی رضی اللہ عنہ نے حدیث کو علوسند سے ترجیح دی اور امام اعظم رضی اللہ عنہ نے راویوں کے افقہ ہونے کی بنیاد پر۔ یہ بات واضح ہے کہ اگر دو متضاد باتیں دو فریق سے مروی ہوں۔ دونوں ثقہ ہوں مگر ایک فریق کے راوی زیادہ عالم زیادہ ذہین زیادہ سمجھ دار ہوں تو ہر دیانت دار عاقل اسی بات کو ترجیح دے گا جو فریق ثانی سے مروی ہو۔

اس سلسلے میں ایک لطیفہ بھی سنتے چلئے۔ غیر مقلدیت کے معلمِ اوّل میاں اسماعیل دہلوی جب رفع یدین کرنے لگے تو کسی نے انہیں ٹوکا تو فرمایا کہ یہ سنت مردہ ہو چکی تھی میں اس کو زندہ کررہا ہوں۔ اور حدیث میں مردہ سنت زندہ کرنے پر سو شہیدوں کے ثواب کی بشارت ہے۔ ٹوکنے والے تو خاموش رہے مگر جب یہ بات شاہ عبدالقادر نے سنی تو کہا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ پڑھنے لکھنے کے بعد اسماعیل کو کچھ آتا ہوگا مگر اسے کچھ نہیں آیا۔ حدیث میں یہ بشارت اس وقت ہے جب سنت کے مقابلے میں بدعت ہو، سنت نہ ہو یہاں تو دونوں سنت ہیں۔ (مقدمہ نزھۃ القاری:۲۰۰)

☆☆☆☆

باب دہم(10)

مخالفتِ حدیث کا الزام:

بعض غیر مقلد یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مسائل صحیح احادیث کے مخالف ہیں۔ اس الزام کے جواب میں آزاد خیال ہونے کے باوجود شبلی نعمانی اپنی تحقیق یوں لکھتے ہیں،

''بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام صاحب کے بہت سے مسائل احادیثِ صحیحہ کے مخالف ہیں۔ ان لوگوں میں سے بعض نے الزام دیا ہے کہ امام صاحب نے دانستہ حدیث کی مخالفت کی، بعض انصاف پسند وجہ یہ بتاتے ہیں کہ امام صاحب کے زمانے تک احادیث کا استقصاء نہیں کیا گیا تھا اس لیے بہت سی حدیثیں ان کو نہیں پہنچیں لیکن یہ خیال لغو اور بے سروپا ہے۔ امام صاحب کے زمانہ تک تو حدیثیں جمع نہیں ہوئیں تھیں لیکن جب جمع ہو چکیں، اس وقت بڑے بڑے محدثین ان کے مسائل کو کیوں صحیح تسلیم کرتے رہے۔

وکیع بن الجراح رحمہ اللہ جن کی روایتیں صحیح بخاری میں بکثرت موجود ہیں اور جن کی نسبت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ ''میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو حافظ العلم نہیں دیکھا''، وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسائل کی تقلید کرتے تھے۔ خطیب بغدادی نے ان کے متعلق لکھا ہے، **کان یفتی بقول ابی حنیفة**۔ (وہ امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے) یحیٰ بن سعید بن القطان رحمہ اللہ جو فنِ جرح وتعدیل کے موجد ہیں اکثر مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پیرو تھے۔ خود ان کا قول ہے، **قد اخذنا باکثر اقوا له**۔ (ہم نے امام اعظم کے اکثر اقوال کو اختیار کیا ہے) امام طحاوی رحمہ اللہ حافظ الحدیث تھے جو مجتھد فی المذہب کا درجہ رکھتے تھے پہلے شافعی تھے پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسائل اختیار کیے اور کہا کرتے تھے، میں ابوحنیفہ کا مقلد نہیں ہوں بلکہ مجھ کو ان سے توارد ہے۔ امام طحاوی، امام بخاری اور مسلم کے ہمعصر تھے اور یہ وہ زمانہ ہے جب حدیث کا دفتر کامل طور سے مرتّب ہو گیا تھا۔ متاخرین میں علامہ مارو ینی، حافظ زیلعی، ابن الہمام، قاسم بن قطلو بغا وغیرہم کی نسبت قلّتِ نظر کا کون گمان کرسکتا ہے؟ یہ لوگ عموماً حنفی مسائل کے حامی ہیں۔ رحمہم اللہ تعالی

اس کے علاوہ جو لوگ حافظ الحدیث تسلیم کیے گئے ہیں ان کے مسائل امام ابوحنیفہ سے کیوں موافق ہیں؟ طبقہ اولیٰ میں سب سے بڑے محدّث امام احمد بن حنبل ہیں جن کی شاگردی پر امام بخاری و مسلم کو ناز تھا اور جن کی نسبت محدّثین کا عام قول ہے کہ جس حدیث کو احمد بن حنبل نہیں جانتے وہ حدیث ہی

نہیں۔ امام احمد بن حنبل بہت سے مسائل میں امام شافعی کے مخالف اور امام ابوحنیفہ کے موافق ہیں۔

خوارزمی نے لکھا ہے کہ ''فروع و جزئیات چھوڑ کر امہاتِ فقہ کے متعلق ۱۲۵ مسئلوں میں ان کو امام ابوحنیفہ کے ساتھ اتفاق ہے اور امام شافعی سے اختلاف''۔ ہم نے خود بہت سے مسائل میں تطبیق کی ہے جس سے خوارزمی کے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔

سفیان ثوری کو محدثین نے امام الحدیث تسلیم کیا ہے، ان کے مسائل امام ابوحنیفہ کے مسائل کے موافق ہیں۔ قاضی ابو یوسف کہا کرتے تھے کہ **واللہ سفیان اکثر متابعة منی لا بی حنیفة** ۔''خدا کی قسم! سفیان مجھ سے زیادہ ابوحنیفہ کی پیروی کرتے ہیں''۔ ترمذی میں سفیان ثوری کے مسائل مذکور ہیں جو زیادہ تر امام شافعی کے مخالف اور امام ابوحنیفہ کے موافق ہیں۔ رحمہم اللہ تعالی

اس خیال کے پیدا ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض محدّثین مثلاً امام بخاری، ابن ابی شیبہ نے امام ابوحنیفہ کے متعدد مسائل کی تصریح کی ہے کہ حدیث کے خلاف ہیں۔ ابن ابی شیبہ نے امام ابوحنیفہ کے ردّ میں ایک مستقل باب لکھا ہے۔ لیکن یہ خیال کرنے والوں کی کوتاہ نظری ہے۔ اکثر ائمہ نے ایک دوسرے پر جرح اور اعتراض کیا ہے۔ امام شافعی، امام مالک کے مخلص شاگرد تھے اور کہا کرتے تھے، ''آسمان کے نیچے موطا امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں''۔ باوجود اس کے انہوں نے امام مالک کے ردّ میں ایک مستقل رسالہ لکھا جس میں دعویٰ کیا ہے کہ امام مالک کے بہت سے مسائل احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہیں۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں اس رسالہ کا دیباچہ نقل کیا ہے اور خود ہماری نظر سے گزرا ہے۔ رحمہم اللہ تعالی لیث بن سعد رحمہ اللہ جو مشہور محدث ہیں، کہا کرتے تھے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے ستر مسئلوں میں حدیث کی مخالفت کی ہے چنانچہ میرا ارادہ ہے کہ میں ان کو اس امر کی نسبت خط لکھوں۔ امام شافعی رحمہ اللہ بھی اس اعتراض سے نہیں بچ سکے اور کیونکر بچ سکتے تھے، **جهر بسم اللہ وقنوت فی الفجرو ترک توریث ذوی الارحام** وغیرہ میں ان کا مذہب صریح حدیثوں کے مخالف معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اجتھادی امور ہیں اور ان کی بناء پر ہم کسی کو مخالفِ حدیث نہیں کہہ سکتے۔ جس حدیث کو ایک مجتھد صحیح سمجھتا ہے ضروری نہیں کہ وہ دوسرے مجتھد کے نزدیک بھی صحیح ہو۔ پھر اس مرحلہ کے طے ہونے کے بعد استنباط واستدلال کی بحث باقی رہتی ہے جس میں مجتھدین بہت کم متفق الرّائے ہوسکتے ہیں کیونکہ استنباط واستدلال کے اصول جداگانہ ہیں''۔ (سیرۃ النعمان: ۲۹۷ تا ۳۰۰)

جب کسی مسئلہ میں متعدد متعارض روایات آجائیں تو ایسی صورت میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان روایات میں تطبیق دی جائے تا کہ تمام روایات پر عمل ہوسکے۔ اور اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو پھر آپ اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جو دین اور اصولِ روایت کے قریب ترین ہو۔ ایسی صورت میں امام مالک رضی اللہ عنہ اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جس پر اہلِ مدینہ کا عمل ہو اور امام شافعی رضی اللہ عنہ قوتِ سند کے اعتبار سے کسی ایک روایت کو لیتے ہیں اور دیگر روایات کو چھوڑ دیتے ہیں جبکہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ متقدمین کی اکثریت کا لحاظ رکھتے ہوئے فیصلہ کرتے ہیں۔

مخالفتِ حدیث کی حقیقت:

سابقہ عنوانات کے تحت ہم نے یہ حقیقت واضح کردی ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ہرگز حدیث کی مخالفت نہیں کی بلکہ آپ تو سرکار دوعالم ﷺ کی احادیث کے سچے عاشق تھے۔ بعض کم فہم لوگوں کی ہدایت کے لیے اس عنوان پر قلم اٹھانا ضروری خیال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی حدیث کے ظاہری الفاظ کی تو مخالفت کرتا ہے لیکن درحقیقت اس حدیث سے جو معنی مستنبط ہوتے ہیں، ان کی اطاعت کرتا ہے تو کیا اس شخص کو کوئی الزام دینا صحیح ہے؟ اگر حضور ﷺ نے کسی چیز سے منع فرمایا ہے تو کیا ہر موقع پر اس منع سے حرمت اور کراہت تحریمی مراد ہوگی یا اس سے کراہت تنزیہی اور ترکِ اولیٰ بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔ نیز اگر کوئی شخص حدیث کے ظاہری حکم کو کسی علت کی بناء پر یا کسی اور حدیث کی وجہ سے قبول نہ کرے تو کیا اسے کوئی الزام دینا جائز ہے؟

(۱) صحیح بخاری کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ احزاب کے موقع پر صحابہ کرام کو یہ حکم دیا کہ ''تم بنوقریظہ کے پاس پہنچو اور تم عصر کی نماز بنوقریظہ کے پاس جا کر ہی پڑھنا''۔ چنانچہ راستے میں عصر کا وقت آگیا تو بعض صحابہ نے کہا کہ ہم تو بنوقریظہ میں جا کر ہی نماز پڑھیں گے اور بعض نے کہا کہ ہم تو نماز یہیں پڑھیں گے کیونکہ ہمیں یہ تو نہیں کہا گیا کہ ہم نماز نہ پڑھیں۔ انہوں نے

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 38/51

نماز پڑھ لی۔ جب اس کا ذکر آقا و مولیٰ ﷺ کے سامنے ہوا تو آپ نے کسی کو ملامت نہ فرمائی۔ (بخاری ج ۲، ابواب المغازی)

اب غور کیجیے کہ ایک جماعت نے تو مرادی معنیٰ ملحوظ رکھتے ہوئے نماز عصر اس کے وقت پر پڑھ لی اور دوسری جماعت نے ظاہری الفاظ پر عمل کیا اور نماز عصر عشاء کے بعد بنوقریظہ پہنچ کر ادا کی۔ اولٰی الذکر گروہ زیادہ فقیہ تھا وہ دوہرے اجر کا مستحق ہوا اور دوسرا گروہ بھی مجتہد تھا مگر وہ ایک اجر کا مستحق ہوا۔

اسکی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ''اس حدیث سے جو فقہ حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے کسی حدیث یا آیت کے ظاہر پر عمل کیا تو ان پر کوئی عیب و الزام نہیں اور ان لوگوں پر بھی کوئی الزام نہیں جنھوں نے نص سے کوئی معنی استنباط کیا جو اسکو مخصوص کرتا ہو''۔ (فتح الباری پ۱۶: ۶۷)

اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ ظاہری الفاظ کے بجائے مستنبط شدہ معانی پر عمل کرنے والا بھی عامل بالحدیث ہی ہوتا ہے۔

(۲) صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک لونڈی نے زنا کیا تو حضور ﷺ نے مجھے یہ حکم دیا کہ جا کر اسے کوڑے مارو۔ جب میں گیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے مجھے یہ خوف ہوا کہ اگر میں نے اسکو سزا دی تو کہیں یہ مر ہی نہ جائے۔ چنانچہ میں بغیر سزا دیے واپس بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا اور سارا معاملہ عرض کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اَحْسَنْتَ ''تو نے اچھا کیا''۔

(صحیح مسلم جلد دوم، کتاب الحدود)

اس حدیث میں غور کیجیے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا ظاہری حکم مشروط اور مقید نہ تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی فقہی بصیرت اور اجتہاد و رائے سے یہ سمجھا کہ آپ ﷺ کا حکم درحقیقت مشروط و مقید ہے۔ زچگی کی حالت میں سزا دینا اس لونڈی کی ہلاکت کا باعث ہو سکتا ہے اسلیے انہوں نے حضور ﷺ کے ظاہری حکم کی تعمیل نہ کی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اَحْسَنْتَ فرما کر آپ کے اس اجتہاد کی تائید و تحسین فرمائی۔

(۳) صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عہد نامہ پر یہ تحریر کیا، ''یہ وہ عہد نامہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے فریق ثانی سے طے کیا ہے''۔ اس پر کافروں نے اعتراض کیا اور ''رسول اللہ'' کے الفاظ مٹا کر محمد بن عبد اللہ کے الفاظ لکھنے کا مطالبہ کیا، ''تو رسول کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ یہ الفاظ مٹا دیں مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، ''خدا کی قسم میں انکو نہیں مٹاؤں گا''۔ (صحیح مسلم ج ۲: ۱۰۵)

غور فرمایئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے صریح حکم کے جواب میں حلفیہ فرماتے ہیں کہ میں یہ ہرگز نہ کروں گا۔ ظاہری الفاظ سے تو نہ جانے ان پر کیا الزام عائد ہو مگر اہلِ عقل و فہم اور دیدۂ بصیرت رکھنے والے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ جو دل عشقِ مصطفےٰ ﷺ سے معمور ہو اور جو زمین پر دشمنانِ رسول ﷺ کے وجود کو مٹانے کا عزم کیے ہوئے ہو، وہ اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کا مقدس نام کاغذ سے مٹانا کیونکر گوارا کر سکتا ہے؟

امام نووی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں، ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ انکار کرنا ادب مستحب کے باب سے ہے کیونکہ وہ آقا کریم ﷺ کے ارشاد سے یہی سمجھے تھے کہ اس تحریر کا مٹانا خود اُن پر لازم نہیں۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کوئی گرفت نہیں کی''۔ (شرح مسلم ج ۲: ۱۰۴)

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فقیہانہ بصیرت تھی جس کے باعث انہوں نے یہ حقیقت سمجھ لی کہ سرکار کا یہ حکم مستحب ہے۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے حضور ﷺ کے اس حکم کا ترک ہرگز جائز نہ ہوتا۔

(۴) حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم عورتوں کو جنازے میں شریک ہونے سے منع کیا گیا ہے لیکن ہم پر اس کی تاکید نہیں کی گئی۔

(بخاری ج ۱: ۱۷۰، مسلم ج ۱: ۳۰۴)

اسکی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''انکے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے جنازوں میں شریک ہونے سے منع فرمایا ہے لیکن یہ ممانعت تنزیہی کے درجہ کی ہے یہ ممانعت تاکیدی اور تحریمی کے درجہ کی نہیں ہے''۔ (شرح مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا نے اپنی فقہی بصیرت اور اجتہاد سے اس ممانعت کا درجہ متعین کیا کہ یہ ممانعت تحریم کے درجہ کی نہیں بلکہ تنزیہی ہے حالانکہ حدیث میں صرف ممانعت کا حکم ہے اور تحریم و تنزیہہ کی تقسیم مذکور نہیں ہے۔ لیکن حضور ﷺ کے فرمائے ہوئے اوامر و نواہی کی حقیقت اور ان کا درجہ سمجھنا نہایت اہم ہے اور اسی حقیقت کو پا لینے کا نام تفقہ فی الدین ہے۔

''خلفائے راشدین سے بڑھ کر کون احکام شریعت کا نکتہ شناس ہو سکتا ہے انہوں نے کیا کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آغازِ خلافت تک امہاتِ اولاد

یعنی وہ لونڈیاں جن سے اولاد ہو چکی ہو عموماً خریدی بیچی جاتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رواج کو بالکل روک دیا۔ آنحضرت ﷺ نے تبوک کے سفر میں غیر مذہبوں پر جو جزیہ مقرر کیا وہ فی کس ایک دینار تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایران میں ۴۸، ۱۲، ۶ کے حساب سے شرحیں مقرر کیں۔ آنحضرت ﷺ جب مالِ غنیمت تقسیم کرتے تھے تو اپنے عزیز و اقارب کا حصہ لگاتے تھے۔ خلفائے راشدین میں سے کسی نے حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ہاشمیوں کو کبھی حصہ نہیں دیا۔

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد تک تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منادی کرا دی کہ تین طلاقیں تین سمجھی جائیں گی۔ (اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب ''خواتین اور دینی مسائل'' ملاحظہ فرمائیں) آنحضرت ﷺ کے عہد میں شراب پینے کی سزا میں کوئی حد مقرر نہیں کی گئی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی حد ۴۰ درّے مقرر کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بسبب اس کے کہ انکے دور میں شراب نوشی کا زیادہ رواج ہو چلا تھا، ۴۰ سے ۸۰ درّے کر دیے۔

یہ وہ واقعات ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں اور جن کے ثبوت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ خلفائے راشدین کسی حکم کو آنحضرت ﷺ کا تشریعی حکم سمجھ کر اس کی مخالفت کرتے تھے؟ (ہرگز نہیں)

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ رات دن آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور فیضِ صحبت کی وجہ سے شریعت کے اداشناس ہو گئے تھے۔..........

......امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر صحابہ ہی کو دلیلِ راہ بنایا۔ اور اس قسم کے مسائل میں ان کی رائے عموماً خلفائے راشدین کے طرزِ عمل کے موافق ہے لیکن جن لوگوں کی نگاہ اس نکتہ تک نہیں پہنچی وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بلکہ صحابہ کو بھی موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔

طلاق کے مسئلہ میں قاضی شوکانی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کر کے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مقابلے میں بے چارے عمر کی کیا حقیقت ہے؟ لیکن قاضی شوکانی یہ نہ سمجھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قاضی صاحب سے زیادہ اس بات کو سمجھتے تھے کہ رسول ﷺ کے مقابلے میں ان کی کوئی حقیقت نہیں''۔

(سیرۃ النعمان: ۲۴۳)

اگر محض ظاہر بینوں کے اعتراضات کو دیکھا جائے تو یہ محسوس ہوگا کہ فلاں نے حدیث کی مخالفت کی، فلاں نے حدیث کا انکار کیا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن انصاف پسند قارئین کے لیے مذکورہ بالا احادیثِ صحیحہ کی مثالوں سے یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ حدیث کے ظاہری الفاظ کے علاوہ اس میں کچھ اسرار و رموز بھی ہوتے ہیں، کہیں کوئی علت پوشیدہ ہوتی ہے تو کہیں قیود و شرائط پنہاں ہوتی ہیں، کہیں امر وجوب کے لیے ہوتا ہے تو کہیں استحباب و اباحت کے لیے، کہیں نہی تحریم کے لیے ہوتی ہے تو کہیں تنزیہہ و احتیاط کے لیے۔ چنانچہ حق یہی ہے کہ احادیث کا صحیح مفہوم سمجھنے اور ان سے مسائل کا استنباط کرنے کے لیے فقہی بصیرت اور عقل و فراست و دانائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اہلِ رائے یا اہلِ حدیث:

جب احادیث میں تعارض ہوتا تو فقیہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اپنے اجتہاد کی بناء پر ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دیتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ صحابہ کا اختلاف لوگوں کے لیے رحمت ہے۔ (الخیرات الحسان: ۳۴) یعنی اگر صحابہ کرام کسی فروعی مسئلے میں اختلاف نہ کرتے تو لوگوں کے لیے رخصت نہ ہوتی۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی بھی ہے کہ میری امت کا اختلاف باعثِ رحمت ہے۔

اسکے باوجود بعض جہلاء خود کو اہلِ حدیث اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کو اہلِ رائے قرار دیتے ہیں اور عوام کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ احادیث کے بجائے اپنی رائے پر عمل پیرا تھے۔ حالانکہ یہ سراسر بہتان ہے۔ اس بارے میں تفصیلی گفتگو پہلے بھی ہو چکی لیکن مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے ''الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی'' میں اور شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمہ اللہ نے اپنی شرح بخاری کے مقدمے میں جو مدلل اور تحقیقی گفتگو کی ہے اس سے چند اقتباسات پیشِ خدمت ہیں۔

امامِ اہلسنت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، حضرات عالیہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے لے کر پچھلے ائمہ مجتہدین تک کوئی مجتہد ایسا نہیں کہ جس نے بعض احادیثِ صحیحہ کو ماؤل یا مرجوح یا کسی نہ کسی وجہ سے متروک العمل نہ ٹھہرایا ہو۔

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 39/51

(۱) امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حدیثِ عمار رضی اللہ عنہ در بارۂ تیمم جب پر عمل نہ کیا اور فرمایا، اے عمار! اللہ سے ڈرو۔ (مسلم)

(۲) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث در بارۂ رکعاتِ وتر پر عمل نہ کیا اور فرمایا، لیس شی من البیت مھجو را۔ (بخاری)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

الوضوء مما مست النار۔ جسے آگ نے چھوا ہو، اس سے وضو ہے۔

یعنی آگ پر پکی ہوئی کوئی چیز کھائی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اسی بناء پر بعض ائمہ اس کے قائل ہیں کہ گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی تو وہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ معارضہ پیش کیا:

انتو ضأ من الد ھن انتو ضأ من الحمیم۔ کیا تیل کے استعمال سے یا گرم پانی کے استعمال سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ (ترمذی)

اس کے جواب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے بھتیجے! جب حدیثِ رسول ﷺ بیان کروں تو مثالیں نہ دیا کرو۔ مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی رائے پر قائم رہے۔ اور یہی جمہور کا مذہب ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو نہیں جاتا۔ کیا جمہور امت کو یہ الزام دیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے قیاس کی بناء پر حدیث کو ترک کر دیا؟

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث بیان کی کہ جو جنازہ اُٹھائے وضو کرے۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **ھل یلز منا الو ضوء من حمل عید ان یا بسة۔** کیا سوکھی لکڑیاں اُٹھانے سے ہم پر وضو لازم ہے۔

بعض حضرات نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ جنازہ اُٹھانے والا وضو کر کے جنازہ اُٹھائے تا کہ نماز جنازہ پڑھنے میں تاخیر نہ ہو۔ لیکن اگر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی تو انہیں جواب دینا چاہئے تھا کہ میری مراد یہ ہے، اپنی بیان کردہ حدیث کو وہ زیادہ سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مؤاخذہ پر خاموشی اس کی دلیل ہے کہ ان کی مراد یہی تھی کہ جنازہ اُٹھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ معاندینِ احناف، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کیا کہیں گے؟۔

(۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص نے نکاح کیا اور مہر کچھ مقرر نہیں کیا، پھر مر گیا۔ اس کی یہ زوجہ مہر پائے گی یا نہیں؟ پائے گی تو کتنا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مہینہ تک غور وخوض کیا پھر یہ فتویٰ دیا، میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ نہیں سنا، میں اپنی رائے بتاتا ہوں۔ اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر درست نہیں تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اس عورت کو مہر مثل دیا جائے نہ کم نہ زیادہ۔

اسی مجمع میں معقل بن سنان رضی اللہ عنہ موجود تھے کھڑے ہو کر کہا کہ میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ بر دع بنتِ واشق کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے یہی حکم دیا تھا یہ سن کر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اتنے خوش ہوئے کہ کبھی اتنے مسرور نہ دیکھے گئے تھے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معقل رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث تسلیم نہیں کی اور یہ کہہ کر اسے مسترد کر دیا۔

ما نصغی بقول اعرابی بو ال علی عقبیه و حسبها المیراث و لا مهر لها۔ اپنی ایڑیوں پر پیشاب کرنے والے گنوار کی بات پر ہم کان نہیں دھرتے، اس عورت کو صرف میراث ملے گی۔ مہر اس کے لئے نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نہ بھی ثابت ہو تو اتنا تو طے ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول یہی ہے کہ ایسی عورت کو صرف میراث ملے گی۔ اور کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اور یہی حضرت زید بن ثابت، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا بھی مذہب ہے۔ اب بتایئے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تینوں فقہاء صحابہ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ یہ اہل رائے تھے یا اہل حدیث؟۔

(۶) ترمذی میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث بیان کی کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دیں اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے شوہر سے نہ عدت کا نفقہ دلایا اور نہ رہنے کے لئے مکان دلایا۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے جب یہ حدیث ابراہیم سے ذکر کی تو انھوں نے کہا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا:

لا ندع کتاب اللہ و سنة نبینا ﷺ بقول امرأة لا ندری احفظت ام نسیت فکان عمر جعل لها السکنیٰ و النفقة۔ ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے پتہ نہیں اس نے یاد رکھا یا بھول گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسی عورت کو نفقہ بھی دلایا اور مکان بھی۔

شارحین نے کہا کہ کتاب اللہ سے مراد سورۃ طلاق کی یہ دو آیتیں ہیں:

ولا تخر جو ھن من بیو تھن ۔ انھیں (عدت کے دوران) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔

اسکنو ھن من حیث سکنتم۔ جہاں خود رہتے ہو وہیں انہیں رکھو اپنی طاقت بھر۔

لیکن گذارش یہ ہے کہ ان آیتوں میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ طلاق والی کے لئے ہیں۔ اور آپ کے نزدیک خبر واحد سے کتاب اللہ کی تخصیص جائز تو کیوں نہ اسے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاص فرمایا۔ آپ لوگوں کی زبان میں یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قیاس تھا کہ انھوں نے آیتوں کو اپنے عموم میں رکھا تو یہ قیاس سے حدیث کا رد کرنا ہوا۔

بولئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا تحقیق ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے مجمع عام میں یہ فیصلہ فرمایا سب نے سکوت کیا۔ کیا سب صحابہ کرام قیاس تھے؟۔

رہ گئی وہ حدیث جو اس کے معارض ہے وہ ترمذی میں مذکور نہیں البتہ احناف کے اصولِ فقہ میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ ایسی عورت کے لئے نفقہ اور سکنی ہے۔ یہاں بھی احتمال ہے کہ کہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا وہ مطلق مطلقہ کے لئے ہو اور اسی پر مطلقہ ثلثہ کو قیاس فرمایا جیسا کہ کتاب اللہ کے سلسلے میں ظاہر ہو گیا اور اگر بالفرض یہ ارشاد خاص مطلقہ ثلثہ کے بارے میں ہی ہو تو ایک حدیث کی دوسرے پر ترجیح کی وجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا افقہ ہونا ہے۔ اور یہی احناف بھی کہتے ہیں کہ تعارض کے وقت ترجیح اس روایت کو ہو گی جس کے راوی زیادہ فقیہ ہوں لیکن اب ہمیں یہ بتایئے کہ حضرت امام مالک، امام شافعی، لیث بن سعد رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اسے رہنے کے لئے مکان ملے گا مگر نفقہ نہیں ملے گا۔

ترمذی میں ہے: ''بعض اہل علم نے کہا، اسے رہنے کے لئے مکان ملے گا مگر نفقہ نہیں ملے گا یہ مالک بن انس، لیث بن سعد اور شافعی کا مذہب ہے''۔

ان تینوں ائمہ کو کس زمرہ میں داخل مانتے ہو؟ اہل رائے کے یا اہل حدیث کے؟

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، سیدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، علماء کا عمل حدیثوں سے زیادہ مستحکم ہے۔ اور انکے اتباع نے فرمایا، ایسی جگہ حدیث سنانا پوچ بات ہے۔ ائمہ تابعین کی ایک جماعت کو جب دوسروں سے انکے خلاف حدیثیں پہنچتیں تو وہ فرماتے، ہمیں ان حدیثوں کی خبر ہے مگر عمل اسکے خلاف پر گذر چکا۔

امام محمد بن ابی بکر بن جریر سے بارہا انکے بھائی کہتے، تم نے فلاں حدیث پر کیوں نہ حکم کیا؟ وہ فرماتے، میں نے علماء کو اس پر عمل کرتے نہ پایا۔ امام بخاری و امام مسلم کے استاذ الاستاذ عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے، اہلِ مدینہ کی پرانی سنت حدیث سے بہتر ہے۔ ان اقوال کو امام ابن الحاج مکی نے مدخل میں روایت کیا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

اب ان ائمہ تابعین کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو علماء و فقہاء کرام کے عمل کو احادیث پر ترجیح دے رہے ہیں؟ بلکہ غیر مقلدوں کے پیشوا میاں نذیر حسین دہلوی اپنی کتاب معیار الحق میں لکھتے ہیں کہ ''بعض ائمہ کا ترک کرنا بعض احادیث کو فرع تحقیق انکی ہے کیونکہ انہوں نے ان احادیث کو قابلِ عمل نہیں سمجھا، بدعوے نسخ یا بدعوے ضعف اور امثال اسکے......الخ''۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''اس امثال کے بڑھانے نے کھول دیا کہ بے دعوے نسخ یا ضعف بھی ائمہ بعض احادیث کو قابلِ عمل نہیں سمجھتے۔ اور بیشک ایسا ہی ہے خود اسی ''معیار'' میں حدیثِ جلیل صحیح بخاری شریف حتیٰ **ساوی الظل التلول** کو بعض مقلدین شافعیہ کی ٹھیٹھ تقلید کر کے بحیلۂ تاویلات باردہ کاسدہ ساقطہ فاسدہ متروک العمل کر دیا اور عذرِ گناہ کے لیے بولے کہ جمعاً بین الادلة یہ تاویلیں حقہ کی گئیں۔ اور اسکے سوا اور بہت سی

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 40/51

احادیثِ صحاح کو محض اپنا مذہب بنانے کے لیے بدعاویٔ باطلہ عاطلہ ذاہلہ زائلہ بیدھڑک واہیات ومردود بتادیا۔جس کی تفصیلِ جلیل ،فقیر کے رسالہ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین میں مذکور ہے''۔

اِشعار کا مسئلہ:

احناف کو حدیث کے بالمقابل قیاس پر عمل کرنے کا بہت زیادہ طعن، اِشعار کی کراہت کے قول سے دیا جاتا ہے۔اس کا قصہ یہ ہے کہ ایام حج میں جو جانور قربانی کے لئے مکّہ معظمہ لے کر جائے جاتے ہیں جنھیں ہدی کہتے ہیں انھیں شناخت کے لئے یا تو گردن میں کچھ پہنا دیا جاتا ہے یا ان کے کوہان میں معمولی سا زخم لگا دیا جاتا ہے اسے اِشعار کہتے ہیں۔احادیث میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اِشعار کیا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اِشعار کو منع فرمایا۔اس پر قیامت سر پر اٹھالی گئی حالانکہ ہم اس کی بھی بکثرت نظریں پیش کر سکتے ہیں کہ احادیث کی صحت تسلیم کرتے ہوئے صحابہ کرام نے حدیث کے صریح منطوق کے خلاف اپنی رائے دی۔مثلاً صحیح حدیث میں ہے کہ فرمایا: **لا تمنعوا آماء الله مساجد الله**۔ اللہ کی کنیزوں کو اللہ کی مسجدوں میں داخل ہونے سے مت روکو۔

اور عیدین کی حاضری کے لئے فرمایا: **وليشهدن الخير ودعوة المسلمين**۔ بھلائی اور مسلمانوں کی دعاء میں حاضر ہوں۔

لیکن ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

آج عورتوں نے جو حال بنا رکھا ہے اگر نبی ﷺ دیکھتے تو انہیں مسجدوں سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں۔

اور بالآخر آج پوری امت نے بالاتفاق عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا ہے۔بولیے پوری امت نے بھی وہی جرم کیا یا نہیں جو جرم حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کیا؟ جو اس کا جواب ہے وہی ہمارا جواب ہے۔

اِشعار جو مسنون تھا وہ صرف یہ تھا کہ اونٹ کے دائیں یا بائیں کوہان کے نیچے تھوڑا سا چمڑے میں شگاف لگا دیں کہ کچھ خون بہہ جائے لیکن جب لوگوں نے اس میں تعدی کی اور گہرے گہرے زخم لگانے لگے جو گوشت پر پہنچ جاتے۔اس میں بلا ضرورت شرعیہ جانور کو ایذا بھی دینی تھی اور یہ بھی خطرہ تھا کہ یہ زخم بڑھ کر جانور کے ہلاک ہونے کا سبب نہ بن جائے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے کے اِشعار کو مکروہ بتایا۔مذہبی ارکان کی ادائیگی میں کبھی کبھی عوام کا جوش تعدی کی حد تک بڑھ جاتا ہے۔یہی حال اِشعار میں بھی ہونے لگا تھا۔

اس لئے فتنہ کے سد باب کے لیے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے مکروہ بتایا۔جیسے عورتوں کو اس زمانے میں مسجد میں نماز کے لئے جانے سے روکنا حدیث کے منافی نہیں،اسی طرح اِشعار میں تعدی کی بناء پر اِشعار کو مکروہ کہنا،حدیث کے منافی نہیں۔یہ لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ہے۔ (مقدمہ نزہۃ القاری:۲۰۶)

معانیٔ حدیث کا فہم:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،امام اجل سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ جو امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے استاذ اور امام بخاری و امام مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ کے استاذ الاستاذ ہیں فرماتے ہیں،**الحديث مضلة الا للفقهاء**۔''حدیث سخت گمراہ کرنے والی ہے سوائے مجتہدوں کے''۔

اسکی شرح میں امام ابن الحاج مکی رحمہ اللہ مدخل میں فرماتے ہیں،''انکی مراد یہ ہے کہ غیر مجتہد کبھی ظاہر حدیث سے جو معنے سمجھ میں آتے ہیں ان پر جم جاتا ہے حالانکہ دوسری حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں مراد کچھ اور ہے۔یا وہاں کوئی اور دلیل ہے جس پر اس شخص کو اطلاع نہیں،یا متعدد اسباب ایسے ہیں جن کی وجہ سے اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔ان سب باتوں پر قدرت اسی کو حاصل ہوتی ہے جو علم کا دریا بنا اور منصب اجتہاد تک پہنچا (یعنی فقیہ ہوا)''۔

حضورِ اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے،''اللہ عزوجل جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے''۔(بخاری،مسلم)

اور یہ حدیث پاک بھی پہلے مذکور ہوئی کہ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جس نے میری حدیث سن کر اچھی طرح یاد کی اور پھر اسے دوسروں تک پہنچایا۔کیونکہ اکثر کو حدیث یاد ہوتی ہے مگر وہ اسکے فہم وفقہ کی قابلیت نہیں رکھتے یعنی وہ غیر فقیہ ہوتے ہیں اور وہ اسے ان تک پہنچا دیتے ہیں جو اعلیٰ درجہ

کے فقیہ ہوتے ہیں''۔

اس حدیث کے تحت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،اگر فقط حدیث معلوم ہو جانا فہمِ حکم کے لیے کافی ہوتا تو اس ارشادِ اقدس کے کیا معنی تھے؟ (الفضل الموہبی:۱۴)

ایک بار مشہور محدث و امام اعمش نے امام ابو یوسف سے ایک مسئلہ دریافت کیا،انہوں نے جواب بتادیا۔آپ نے کہا،اسکی دلیل؟ امام ابو یوسف نے کہا،فلاں حدیث جو آپ سے روایت کی ہے۔امام اعمش نے ہنس کر فرمایا،یہ حدیث مجھے اس وقت سے یاد ہے جب تمہارے والد کی شادی بھی نہ ہوئی تھی مگر اس کے معنی مجھے آج معلوم ہوئے ہیں۔(تاریخ بغداد ج۱۴:۲۴۶)

پس معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں۔پھر سمجھنے والے بھی مختلف مدارج کے ہوتے ہیں۔ایک چیز سے ایک بات ایک کے سمجھ میں آتی ہے اور دوسرے لوگ اسے نہیں سمجھ پاتے۔دو مثالیں پیشِ خدمت ہیں:-

(۱) حضور اقدس ﷺ نے اخیر عمر مبارک،دورانِ خطبہ فرمایا:''اللہ نے ایک بندے کو یہ اختیار دیا کہ دنیا پسند کرے یا حضوریٔ بارگاہ،اس بندے نے حضوریٔ بارگاہ کو پسند کیا۔یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راویٔ حدیث کہتے ہیں،ہم لوگوں کو اس پر تعجب ہوا کہ آپ رو کیوں رہے ہیں۔مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بندۂ مختار خود حضور اقدس ﷺ تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ علم والے تھے۔(بخاری ج۱:۵۱۶)

(۲) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ،حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے قریب رکھتے تھے۔یہ بات دوسرے بزرگوں کو ناپسند ہوئی کہ ہمارے لڑکوں کو اتنا قریب کیوں نہیں کرتے۔خدمت میں عرض کیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کے صاحبزادوں کو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی بلایا اور دریافت کیا کہ سورۃ النصر سے کیا سمجھتے ہو،کچھ صاحبزادے تو بالکل خاموش رہے۔کچھ نے عرض کیا کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب ہماری مدد ہوئی ہمیں فتح نصیب ہوئی تو ہم اللہ کی تسبیح اور تحمید کریں،استغفار کریں،یعنی اس کا شکر کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو تو انہوں نے عرض کیا۔اس میں حضور اقدس ﷺ کے وصال کے قرب کی خبر دی جارہی ہے۔

کچھ اسی قسم کا معاملہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے معاصرین ومعاندین کا بھی ہے۔حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن واحادیث کے معانی کے سمجھنے کی ایسی قوت وصلاحیت عطا فرمائی تھی جو دوسروں میں نہ تھی۔دوسروں کی نظریں الفاظ کی سطح تک رہتیں اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی نکتہ رس نظریں فہم معانی کے دقیق سے دقیق،ادق سے ادق بطون تک پہنچ جاتی جس پر یہ لوگ خود حیران رہ جاتے۔ان میں جسے اللہ چاہتا وہ امام کی جلالت کو تسلیم کر لیتا ورنہ معاندانہ روش پر اڑا رہتا۔

علامہ ابن حجر مکّی شافعی رحمہ اللہ نے الخیرات الحسان میں خطیب کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا،حدیث کی تفسیر اور حدیث میں جہاں جہاں فقہی نکات ہیں،ان کا جاننے والا میں نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔میں نے جب ان کا خلاف کیا پھر غور کیا تو ان کا مذہب آخرت میں زیادہ نجات دہندہ نظر آیا۔

ایک بار حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ،امام سلیمان اعمش رضی اللہ عنہ کے یہاں تھے۔امام اعمش سے کسی نے کچھ مسائل دریافت کئے۔انھوں نے امام اعظم رحمہ اللہ سے پوچھا،آپ کیا کہتے ہیں؟ آپ نے ان سب کے حکم بیان فرمائے۔امام اعمش نے پوچھا،کہاں سے یہ کہتے ہو؟ فرمایا،آپ ہی کی بیان کردہ ان احادیث سے۔اور پھر آپ نے اُن احادیث کو مع اسناد کے بیان کردیا۔

امام اعمش رحمہ اللہ نے فرمایا،بس بس،میں نے آپ سے جتنی حدیثیں سو دن میں بیان کی آپ نے وہ سب ایک دن میں سنا ڈالیں۔میں نہیں جانتا تھا کہ آپ ان احادیث پر یوں عمل کرتے ہیں۔

يا معشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصيادلة وانت ايها الرجل اخذت بكلا الطرفين۔ اے گروہِ فقہاء!تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں یعنی دوائیں ہمارے پاس ہیں مگر انکا طریق استعمال تم جانتے ہو اور اے مردِ کامل! تم نے تو فقہ وحدیث دونوں کو حاصل کر لیا۔(الفضل

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 41/51

الموہبی:۱۵،مقدمہ نزہۃ القاری:۲۱۰)

اللہ تعالیٰ امام اعمش رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے، انہوں نے محدثین اور فقہاء کے مراتب کے متعلق تمام مباحث کو ان چند لفظوں میں سمیٹ کے رکھ دیا ہے۔

ایک جاہلانہ اعتراض:

"حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی جلالتِ شان گھٹانے کے لیے ایک جاہلانہ سوال بہت اچھالا جاتا ہے۔ آجکل کے غیر مقلدین اسے بطور وظیفہ پڑھتے بھی ہیں اور اپنے غیر مقلد طلبہ کو پڑھاتے بھی ہیں۔ اس کا خاص سبب یہ ہے کہ حضرت امام بخاری سے بآں جلالتِ شان کہیں کہیں لغوی، صرفی لغزش ہوگئی ہے، جن پر شارحین نے کلام کیا ہے۔ علامہ عینی نے بھی ان لغزشوں کا تذکرہ اپنی شرح میں کر دیا ہے بس کیا تھا بھڑ کے چھتے میں لکڑی چلی گئی !!! ساری دنیا امام بخاری پر اعتراض کرے تو کرے ایک حنفی کیوں کچھ کہے۔ دیانت خدا ترسی سب کو بالائے طاق رکھ کر امام اعظم رضی اللہ عنہ پر لعن طعن سب وشتم پر اتر آئے۔ امام بخاری سے بڑی عقیدت تھی تو ان لغزشوں کی تصحیح کرتے۔ یہ تو ان سے ہو نہ سکا، کیا یہ کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک قول ڈھونڈ نکالا جو ان معاندین کی پڑھی ہوئی نحو کے خلاف ہے۔

قصہ یہ ہے کہ ابوعمرو علاء نحوی مقری نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ قتل بالمُثَقَّل سے قصاص واجب ہے یا نہیں؟ فرمایا، نہیں۔ اس پر ابوعمرو نے کہا اگر وہ منجنیق کے پتھر سے مارے پھر بھی نہیں؟ فرمایا،

لو قتله بابا قبيس۔ اگر چہ (پہاڑ) ابی قبیس سے قتل کرے۔

چونکہ ابوقبیس پر 'با' حرفِ جار داخل ہے اس لیے اس کو یاء کے ساتھ "**بابی قبیس**" ہونا چاہیے تھا۔ اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے الف کے ساتھ فرمایا۔ یہ نحو کے قاعدے سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اس سے ایک طرف حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا نحوی تبحر ثابت ہوتا ہے تو دوسری طرف معاندین کی جہالت اور علم نحو میں ان کی بے مائیگی ثابت ہوتی ہے اور حد یہ ہے کہ بخاری سے بھی واقفیت نہیں۔

بخاری **قتل ابی جهل** میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابوجہل کا سر قلم کرنے گئے تو اس سے کہا، **انت ابا جهل**۔ جو روایت بطریق محمد بن مثنیٰ ہے اس میں معتمد روایت یہی ہے۔ جیسا کہ فتح الباری میں ہے، حالانکہ ہونا چاہیے ابوجہل۔ اپنے مخالف پر اعتراض کرنے چلے تھے اور وہ ان کے ہی امام پر لوٹ آیا۔ اولیاء اللہ کے ساتھ عداوت کا یہی حال ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ "باباقبیس" غلط ہے اور نہ "انت ابا جہل" غلط۔ اسمائے ستہ مکبرہ میں ایک لغت یہ بھی ہے کہ "جب غیر یائے متکلم کی جانب مضاف ہو تو ہر حالت میں الف کے ساتھ ان کا اعراب ہوگا"۔

چنانچہ اسی لغت پر مندرجہ ذیل شعر ہے،

ان اباها و ابا اباها　　　قد بلغا فی المجد غايتاها

مگر ان غریبوں کو یہی معلوم ہے کہ چونکہ نحو میر میں اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب یہ لکھا ہے کہ حالت جر میں "یا" کے ساتھ اور حالت رفع میں "واؤ" کے ساتھ اس لئے "انت ابا جہل" اور "ولو قتلہ باباقبیس" غلط ہے"۔ (مقدمہ نزہۃ القاری:۲۱۱)

☆☆☆☆

باب یازدہم(11)

امام اعظم کے اساتذہ:

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے علمِ فقہ کے حصول کے لیے حضرت امام حماد رضی اللہ عنہ کے حلقۂ درس سے وابستگی اختیار کی۔ اس دوران آپ علمِ حدیث کے حصول کے لیے دنیائے اسلام کے نامور محدثین کرام کی خدمت میں حاضری دیتے رہے کیونکہ فقہی مسائل کی مجتہدانہ تحقیق کے لیے علمِ حدیث کی

تحصیل وتکمیل از حد ضروری تھی۔

امام ابوحفص کبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہمارے زمانے میں یہ اختلاف ہوا کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی میں سے کون افضل ہے؟ (رضی اللہ عنہما) یہ طے ہوا کہ دونوں کے مشائخ واساتذہ شمار کر لیے جائیں، جس کے مشائخ زیادہ ہوں وہ افضل ہے۔ چنانچہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے اساتذہ اَسّی (۸۰) شمار ہوئے جبکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی۔ (مناقب للموفق:۶۴)

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ چار ہزار شیوخ تابعین میں سے تھے۔ اب آپ خود سوچیے کہ انکے سوا اور کتنے ہونگے۔ (الخیرات الحسان:۸۳)

علامہ موفق رحمہ اللہ نے اسی باب میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے 244 اساتذہ کرام کے نام تحریر کیے ہیں جبکہ علامہ محمد بن یوسف شافعی رحمہ اللہ نے عقود الجمان میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے 324 مشائخ کے نام لکھے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ نے آپکے مشائخ میں تابعین وتبع تابعین سے 74 حضرات کے نام لکھے ہیں جن سے آپ نے احادیث روایت کی ہیں جبکہ سات صحابہ کرام کے نام تحریر کیے ہیں۔ (تبییض الصحیفہ :۱۳)

آپ کے معروف اساتذہ حضرت ابراھیم نخعی اور حضرت حماد بن ابی سلیمان رضی اللہ عنہما کا ذکر ہم اگلے عنوان "فقہ حنفی کا سلسلہ" کے تحت کریں گے۔ یہاں ہم آپ کے بعض نامور اساتذہ کرام کا مختصر ذکر کرتے ہیں:-

امام محمد بن علی باقر رضی اللہ عنہما:

آپ امام حسین بن علی رضی اللہ عنہم کے پوتے ہیں۔ آپ نے اپنے والد امام زین العابدین، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے حدیث سماعت فرمائی۔ آپ کو وسیع العلم اور کثیر الحدیث ہونے کی وجہ سے باقر العلوم کہا جاتا تھا۔ آپ کے فقیہ اور محدث ہونے پر امام نسائی رحمہ اللہ اور دیگر اکابر محدثین نے گواہی دی۔ آپ کو سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے بڑی محبت تھی۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے، "میں ان لوگوں سے بیزار ہوں جو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے بغض رکھتے ہیں اور اہلبیت کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں کیونکہ میں نے اپنے اہلبیت میں سے ہر کسی کو ان سے محبت کرتے ہوئے پایا ہے"۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے امام محمد بن علی بن حسین بن علی المعروف امام محمد باقر رضی اللہ عنہم سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔ ایک بار انکی خدمت میں حاضر ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ابوحنیفہ! ہم سے کچھ پوچھیے۔ آپ نے چند سوالات دریافت کیے اور پھر اجازت لے کر وہاں سے رخصت ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے فرمایا، "ابوحنیفہ کے پاس ظاہری علوم کے خزانے ہیں اور ہمارے پاس باطنی وروحانی علوم کے ذخائر ہیں"۔ (مناقب للموفق:۱۹۲)

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، امام باقر رضی اللہ عنہ سے علمی گفتگو کر کے رخصت ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "ان (ابوحنیفہ) کا طریقہ اور انداز کتنا اچھا ہے اور انکی فقہ کتنی زیادہ ہے"۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے امام باقر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت لی ہے کہ امام باقر محمد بن علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جنازے کے پاس گئے۔ اور جنازے پر چادر پڑی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا، کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ میں اسکا نامۂ اعمال لیکر اللہ کے پاس جاؤں سوائے اِس چادر پوش کے (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نامۂ اعمال پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فخر تھا)"۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم:۱۹۵)

۱۱۸ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی آپ سے پہلی ملاقات کے وقت کی گفتگو بہت مشہور ہے جو کہ پہلے مذکور ہو چکی۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ:

آپ امام باقر رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں امام اعظم کے علاوہ امام مالک، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید، ابن جریج وغیرہ رضی اللہ عنہم کئی اکابر محدثین شامل ہیں۔ آپ بیحد متقی اور مستجابُ الدعوات تھے۔ بلا وضو کبھی حدیث روایت نہ کرتے۔ ایک بار امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے چند مسائل پر گفتگو ہوئی تو فرمایا، "یہ شخص بڑا عالم وفاضل اور فقیہ ہے"۔ ۱۴۸ھ میں آپ کا

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 42/51

وصال ہوا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں مدینہ منورہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے اپنے بالکل قریب بٹھالیا۔ میں نے عرض کی، آپ کا حضراتِ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے متعلق کیا نظریہ ہے؟ کیونکہ بعض لوگ آپ پر الزام لگاتے ہیں کہ آپ ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، رب کعبہ کی قسم! یہ لوگ جھوٹے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں۔ اے ابوحنیفہ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی اُمِ کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیا تھا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کے نانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سیدُ الانبیاء اور انکی نانی سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا امُّ المومنین ہیں اور انکے بھائی حسن وحسین رضی اللہ عنہما جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح کے اہل نہ ہوتے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کبھی اس پر راضی نہ ہوتے۔ (ایضاً:۴۱۶)

علماء نے فرمایا ہے کہ جسطرح حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ طریقت میں حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ کے مجاز اور خلیفہ ہیں اسی طرح آپ امامِ اعظم کے بھی مجاز اور خلیفہ ہیں۔ اور اسی طرح امامِ اعظم رضی اللہ عنہ بھی طریقت میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مجاز اور خلیفہ ہیں۔ آپ نے سلوک وطریقت کے مراحل امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دو سال میں طے کیے ہیں پھر فرمایا ہے، لَوْلاَ السَّنَتَانُ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ ۔ ''اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا''۔ (مقدمہ سوانح بے بہائے امام اعظم:۴۱)

امام قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک ہیں۔ علم وعمل میں تمام اہلِ مدینہ سے افضل مانے جاتے تھے۔ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کا قول ہے کہ قاسم بن محمد سے زیادہ ہم نے کسی کو افضل نہ پایا۔ آپ حدیث میں اپنے والد محمد بن ابوبکر، اپنی پھوپھی حضرت عائشہ، عبداللہ بن مسعود، ابن عمر، ابن عباس، ابوہریرہ، امیر معاویہ وغیرہ کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔

آپ کے شاگردوں میں امام شعبی، سالم بن عبداللہ، امام زہری، امام اعظم اور دیگر سینکڑوں تابعین وتبع تابعین رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ آپ زیادہ وقت خاموش رہتے اور احادیث کی روایت کم کرتے۔ اکثر وقت عبادتِ الٰہی میں گزارتے۔ آپ کا وصال ۱۰۱ھ یا ۱۰۶ھ میں ہوا۔

حضرت امام شعبی رضی اللہ عنہ:

امام شعبی رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ نے پانچ سو صحابہ کرام کا دیدار کیا۔ یہی وہ بزرگ ہستی ہیں جنہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو علمِ دین کے حصول کی طرف راغب کیا تھا۔

علم وفضل کا یہ عالم تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک بار آپ کو مغازی کا درس دیتے سنا تو فرمایا، ''واللہ یہ شخص اس فن کو مجھ سے اچھا جانتا ہے''۔

امام زہری فرماتے تھے، ''عالم صرف چار ہیں۔ مدینہ میں سعید بن مسیب، بصرہ میں حسن بصری، شام میں مکحول اور کوفہ میں شعبی''۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

آپ اعلیٰ درجہ کے فقیہ اور مفتی تھے۔ امام ابن سیرین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ امام شعبی رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کی کثیر تعداد کے سامنے فتویٰ دیا کرتے تھے۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کا فرمانِ عالیشان ہے، ''بیس سال ہو چکے ہیں کہ کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچتی جس کا علم مجھے اس محدث سے زائد نہ ہو''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰:۲۰۰)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام شعبی رضی اللہ عنہ، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بڑے استاد تھے۔ آپ کا وصال ۱۰۴ھ یا ۱۰۶ھ میں ہوا۔

حضرت ابواسحاق سبیعی رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، براء بن عازب، زید بن ارقم اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ بعض کے بقول اٹھائیس (۲۸) صحابہ کرام سے آپ کو بالمشافہ روایت کا شرف حاصل ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد علی بن المدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں، میں نے ابواسحٰق رضی اللہ عنہ کے شیوخ شمار کیے تو تین سو (۳۰۰) شمار ہوئے جن میں اسّی (۸۰) صحابہ کرام شامل ہیں۔ آپ کا وصال ۱۲۹ھ میں ہوا۔

امام شعبہ بن الحجاج رضی اللہ عنہ:

علمِ حدیث میں آپ کا لقب ''امیر المومنین فی الحدیث'' ہے۔ آپ کو دو ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، ''اگر امام شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں کوئی حدیث کا پہچاننے والا نہ ہوتا''۔

آپ کو اپنے شاگردِ رشید امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت تھی۔ آپ ان کی بڑی تعریف کیا کرتے۔ ایک بار انکے ذکر پر فرمایا، ''جس طرح مجھے یقین ہے کہ آفتاب روشن ہے اسی طرح مجھے یقین ہے کہ علم اور ابوحنیفہ ساتھی اور ہم نشین ہیں''۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا، ''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ثقہ ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ انہیں امام شعبہ رحمہ اللہ نے حدیث وروایت کی اجازت دی ہے اور شعبہ آخر شعبہ ہی ہیں''۔

عراق میں یہ پہلے محدث ہیں جنہوں نے جرح وتعدیل کے مراتب مقرر کیے۔ ۱۶۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ:

آپ نہایت مشہور تابعی ہیں۔ مکہ مکرمہ میں سب سے وسیع حلقۂ درس آپ ہی کا تھا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ میں نے دو سو صحابہ کرام کی زیارت کی ہے۔ علمِ حدیث میں آپ کو ابن عباس، ابوہریرہ، ابوسعید خدری اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ مجتہدین صحابہ نے آپ کے علم وفضل کی تعریف کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں۔

امام اوزاعی، امام زہری وغیرہ آپ ہی کے شاگرد ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ جب بھی مکہ مکرمہ جاتے، انکے درس میں ضرور شریک ہوتے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذہانت کی وجہ سے آپ دوسروں کو ہٹا کر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو سب سے آگے اپنے پہلو میں جگہ دیتے۔ ۱۱۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام اور شاگرد تھے۔ انکے علاوہ آپ حضرت علی، ابوہریرہ، ابن عمر اور دوسرے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپکی تعلیم وتربیت کرکے اپنی حیات میں ہی آپ کو اجتہاد اور فتوی کی اجازت دی۔

تقریباً ستر (۷۰) مشہور تابعین تفسیر وحدیث میں آپ کے شاگرد ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، دنیا میں آپ سے بڑا بھی کوئی عالم ہے؟ فرمایا، ہاں، عکرمہ رحمہ اللہ۔ امام شعبی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، قرآن جاننے والا عکرمہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر میں نے نہیں دیکھا۔ ۱۰۷ھ میں آپکا وصال ہوا۔

حضرت سلمہ بن کہیل رضی اللہ عنہ:

آپ مشہور محدث اور تابعی ہیں۔ حضرت جندب بن عبداللہ، عبداللہ بن ابی اوفٰی، ابوالطفیل اور بہت سے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کیں۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے تھے، ''سلمہ بن کہیل رضی اللہ عنہ ارکان میں سے ایک رکن ہیں''۔

ابنِ سعد نے انہیں ''کثیر الحدیث'' تحریر کیا ہے۔ ابن مہدی کا قول ہے کہ ''کوفہ میں چار لوگ سب سے زیادہ صحیح الروایت تھے۔ منصور بن معتمر، عمرو بن مرہ، ابوحصین اور سلمہ بن کہیل''۔ رضی اللہ عنہم

حضرت محارب بن وثار رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت جابر، عبداللہ بن عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ امام احمد، ابن معین، ابوزرعہ، دارقطنی، ابوحاتم اور امام نسائی وغیرہ نے آپ کو ثقہ تسلیم کیا ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ محارب عموماً حجت ہیں۔

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 43/51

آپ نہایت متقی پرہیزگار تھے۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے تھے، میں نے محارب بن وثار رحمہ اللہ سے زیادہ عابد وزاہد کوئی نہ دیکھا۔ آپ کوفہ میں منصبِ قضا پر مامور تھے۔ ۱۱۶ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ:

آپ عظیم محدث اور مشہور تابعی ہیں۔ آپ بے پناہ قوتِ حافظہ کے مالک تھے اس لیے احادیث من وعن سنانے میں شہرت رکھتے تھے۔ حضرت انس، حضرت ابوالطفیل اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کیں۔

آپ فرماتے تھے، ''جو بات میرے کان میں پڑتی ہے اسے میرا دل محفوظ کر لیتا ہے''۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ان سے بھی اکتسابِ علم کیا۔ ۱۰۷ھ میں وصال ہوا۔

حضرت سماک بن حرب رضی اللہ عنہ:

آپ جلیل القدر تابعی اور محدث ہیں اور حدیث میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے استاد ہیں۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ ''مجھے اسی (۸۰) صحابہ کرام کی زیارت کا شرف حاصل ہے''۔ آپ سے دوسو (۲۰۰) حدیثیں مروی ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''سماک بن حرب رضی اللہ عنہ نے کبھی حدیث میں غلطی نہیں کی''۔ آپ جابر بن سمرہ، نعمان بن بشیر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ ۱۲۳ھ میں وصال ہوا۔

حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ:

آپ معروف محدث اور تابعی ہیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ آپ نے بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ، ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔

محدث ابوحاتم رحمہ اللہ نے آپ کو امام الحدیث قرار دیا۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام مالک، امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ وغیرہ رضی اللہ عنہم آپ کے شاگرد تھے۔

حضرت سلیمان بن مہران رضی اللہ عنہ:

آپ امام اعمش کے نام سے مشہور ہیں۔ صحابہ کرام میں سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل تھا۔ آپ عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

حضرت امام اعظم، سفیان ثوری، شعبہ بن الحجاج، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن مبارک، فضیل بن عیاض وغیرہ رضی اللہ عنہم آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ نے عمر بھر کسی امیر یا بادشاہ کا نذرانہ قبول نہ کیا۔ ۱۴۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت عون بن عبداللہ رضی اللہ عنہ:

آپ بھی مشہور تابعی اور عظیم محدث ہیں۔ آپکے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں۔ آپ حدیث میں ثقہ مانے جاتے ہیں۔ زہد وتقوی کا پیکر تھے۔ آپ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیثیں روایت کرتے ہیں۔

حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ:

آپ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ ہیں۔ مدینہ منورہ کے مشہور سات فقہاء میں علم وفضل کے اعتبار سے ان کا دوسرا نمبر تھا۔ آپ تابعین کرام کی جماعت میں نہایت عابد وزاہد اور کامل فقیہ سمجھے جاتے تھے۔ ۱۰۷ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے ہیں اور مدینہ منورہ کے نامور فقہاء میں سے ہیں۔ آپ نے اپنے والد گرامی اور حضرت ابوہریرہ وابورافع وغیرہ رضی اللہ عنہم سے دینی علم حاصل کیا۔ تابعین کی جماعت میں علم وفضل کے لحاظ سے نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ آپ اپنے زمانے کے صلحاء وعابدین میں بے مثال اور زہد وتقوی اور علم وفضل میں بے نظیر تھے۔ ۱۰۶ھ میں وصال ہوا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں فقہائے مدینہ سے اکتسابِ علم کیا اور ان سے حدیثیں روایت کیں۔

فقہ حنفی کا سلسلہ:

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جب پہلی بار عباسی خلیفہ منصور کے دربار میں آئے تو مشہور عابد وزاہد عیسیٰ بن موسیٰ رحمہ اللہ نے خلیفہ سے کہا، یہ دنیا کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ خلیفہ نے پوچھا، آپ نے کس سے علم حاصل کیا؟

آپ نے فرمایا، ''میں نے حضرت عمر کے ساتھیوں سے اور انہوں نے سیدنا عمر سے، اور میں نے حضرت علی کے ساتھیوں سے اور انہوں نے سیدنا علی سے، نیز میں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود کے اصحاب سے اور انہوں نے سیدنا ابن مسعود سے''۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین) خلیفہ نے کہا، علم تو بہت پختہ حاصل کیا ہے۔ (الخیرات الحسان: ۱۸)

مشہور فقیہ ومحدث امام مسروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ''میں نے صحابہ کرام کی صحبت سے فیض پایا ہے۔ میں نے دیکھا کہ سب صحابہ کرام کا علم سمٹ کر ان چھ اکابر صحابہ کی طرف لوٹتا ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوالدرداء اور حضرت زید بن ثابت۔ پھر میں نے ان چھ حضرات سے اکتسابِ فیض کیا تو دیکھا کہ ان سب کا علم حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے علم پر ختم ہوگیا''۔ رضی اللہ عنہم اجمعین (طبقاتِ ابن سعد ج ۲: ۲۵، تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۲۴)

گویا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام کے علم کا خزینہ دار اور محافظ کہا جا سکتا ہے۔ امام شعبی رضی اللہ عنہ جو کوفے کے عظیم محدث وفقیہ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے استاد ہیں، فرماتے ہیں، حضور ﷺ کے صحابہ کرام کے بعد کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہی دین کے فقہاء تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲: ۲۹۹)

آپ کے خاص شاگردوں میں حضرت علقمہ، حضرت اسود، قاضی شریح، امام مسروق اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم زیادہ مشہور ہوئے۔

پس فقہ حنفی کا سلسلہ یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے امام حماد سے، انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے، انہوں نے علقمہ واسود سے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے علم حاصل کیا۔

اب ہم اس سلسلے کے جلیل القدر ائمہ کرام کے بارے میں مختصر گفتگو کرتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

آپ اسلام قبول کرنے والے چھٹے شخص ہیں۔ بارگاہِ نبوی میں آپ کے خصوصی مقام کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آقا ومولیٰ ﷺ نے آپ سے یہ فرمایا، ''تمہیں اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں، پردہ اٹھا کر اندر آ جاؤ اور ہماری خاص باتیں سنو جب تک کہ میں تم کو روکوں''۔

آپ رسول کریم ﷺ کے خاص خادم اور رازدار صحابی تھے۔ آپ صحابہ کرام میں ''صاحبُ النعلین والسواک والسِواد'' کے لقب سے مشہور تھے۔

آپ کے ذمہ یہ خدمتیں تھیں مثلاً آقا کریم ﷺ کی نعلین پاک اٹھانا، مسواک ساتھ رکھنا، آپکے آگے چلنا، وضو کے لیے پانی فراہم کرنا، سفر میں بستر مبارک اٹھانا، خواب سے بیدار کرنا۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۰۴)

حضرت ابووائل بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے حلقوں میں بیٹھا ہوں، میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بات سے انکار کرتے کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی صحابی نے آپ کا رد کیا۔ (ایضاً: ۱۰۷)

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مجمع میں دعویٰ کیا کہ ''تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں''۔ آپ کے اس دعویٰ کا کسی صحابی نے انکار نہیں کیا۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا مسئلہ درپیش ہوا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم اپنے دنیوی امور کے لیے اس ہستی کو پسند کرتے ہیں جسکو ہمارے آقا ومولیٰ ﷺ نے ہمارے دینی کام کے لیے پسند کیا۔ یعنی حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی ظاہری

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 44/51

حیات مبارکہ میں نماز پڑھانے کے لیے مقرر کیا تھا (اس لیے وہی ہمارے خلیفہ ہونگے)۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس دلیل کو صحابہ نے تسلیم کیا۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے وصال ظاہری کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد پہلا اجتہاد تھا۔(ایضاً:۱۰۶) نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فضیلت یوں بیان فرمائی کہ ''تم ابن مسعود کے حکم کو مضبوط پکڑے رہو''۔(ترمذی) ایک اور حدیث پاک میں آقا و مولیٰ ﷺ نے چار صحابہ سے قرآن سیکھنے کا حکم فرمایا،ان میں سب سے پہلے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔(مشکوٰۃ)

یہ وہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں جن کے متعلق امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے: ''یہ ایک تھیلا ہیں علم سے بھرا ہوا''۔اور نہایت یہ کہ سید المرسلین ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اپنی امت کے لیے وہ پسند فرمالیا جو کچھ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے لیے پسند کریں''۔(فتاویٰ رضویہ ج ۵:۳۱۱ بحوالہ مستدرک للحاکم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا،ایسے شخص کے بارے میں بتایئے جو صورت و سیرت میں نبی کریم ﷺ سے قریب تر ہو تا کہ ہم اس سے کچھ سیکھیں۔فرمایا،میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ نبی کریم ﷺ سے قریب ہو۔(بخاری کتاب المناقب،باب عبداللہ بن مسعود)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ''ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرآن پڑھ کر جو اس میں حلال تھا اس کو حلال کیا اور جو حرام تھا اس کو حرام کیا،وہ دین کے فقیہ ہیں اور سنت کے عالم''۔امام شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے،رسول کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ہمارے استاد ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہ تھا''۔
(امام ابوحنیفہ اور انکے ناقدین:۶۶)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ علوم مصطفیٰ ﷺ کے مرجعِ اخیر اور فقہ کے مرجع کل ہیں اور آپ پہلے صحابی ہیں جو باقاعدہ طور پر فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔آپ سے کثیر صحابہ اور تابعین احادیث روایت کرتے ہیں جن میں ابن عباس،ابن عمر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔آپ ۲۰ھ تا ۳۰ھ کوفہ میں مقیم رہے۔۳۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ محدث علی قاری رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خلفاء اربعہ کے بعد سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔اسی لیے ہمارے امام اعظم ان کی روایت و قول کو خلفائے اربعہ کے بعد سب صحابہ کے قول پر ترجیح دیتے ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۵:۳۱۲ بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

حضرت علقمہ بن قیس نخعی رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''علقمہ کا علم میرے علم سے کم نہیں ہے''۔

امام یافعی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کا علم و فضل اسقدر تھا کہ ان سے صحابہ کرام بھی فتوے لیا کرتے تھے۔

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے صاحبزادے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے آئینے کہلائے۔یہ دونوں حضرات کامل طور پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے احوال سے متصف تھے۔حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کا وصال ۶۲ھ میں ہوا۔آپکے وصال کی خبر سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''آج علم کا سرپرست فوت ہوگیا''۔(سوانح بے بہائے امام اعظم:۱۰۲)

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام حماد رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ جب میں ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کو دیکھتا تو ان کی سیرت و عادات دیکھنے والا ہر کوئی یہ کہتا کہ ان کی خصلت و سیرت عین حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کی عادات و سیرت ہے اور جو علقمہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتا وہ کہتا،انکی عادات و سیرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عادات و سیرت ہے اور جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عادات و سیرت دیکھتا تو وہ یہ کہتا،یہ تو بعینہٖ رسول اللہ ﷺ کی عادات و سیرت ہے۔(مسندِ امام اعظم:۳۱۰)

خوش نصیبی دیکھیے کہ یہ خود تابعی و فقیہ و محدث،ان کے دو بھتیجے اسود اور عبدالرحمٰن بلند پایہ تابعی فقیہ و محدث،اور ایک نواسہ ابراہیم نخعی تابعی فقیہ و محدث۔یعنی ایک گھر میں چار تابعی اور عالی قدر محدث و فقیہ۔سبحان اللہ! آپ کا وصال ۶۲ھ یا ۷۴ھ میں ہوا۔

حضرت اسود بن یزید نخعی رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔آپ صاحبِ علم و فضل اور متقی و پرہیزگار تھے۔آپ کثرت سے نوافل پڑھتے اور سارا سال روزے رکھتے۔آپ نے اسّی حج اور عمرے کیے۔ کوفہ میں آپ کی عبادات و کرامات اسقدر مشہور ہوئیں کہ لوگ آپ کو ''اسود جنتی'' کہہ کر پکارا کرتے تھے۔۷۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خشک سالی ہوئی تو انہوں نے حضرت اسود بن یزید رضی اللہ عنہ کا بازو پکڑ کر کہا،الٰہی! ہم اپنے میں سب سے اچھے افضل شخص اسود بن یزید رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے تجھ سے بارش مانگتے ہیں۔اور پھر آپ سے بھی دعا کا کہا۔چنانچہ آپ نے بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کی تو اسی وقت بارش ہوگئی۔

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو رونے لگے۔کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا،مجھ سے زیادہ رونے کا حقدار اور کون ہے؟ خدا کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے مجھے بخش دے تو بھی مجھے اپنے مولیٰ سے شرمندگی رہے گی۔دیکھو کوئی شخص معمولی خطا کرتا ہے اور جس کی خطا کی ہو وہ اسکو معاف بھی کر دیتا ہے پھر بھی وہ ہمیشہ اس شخص سے شرمندہ رہتا ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسود رضی اللہ عنہ میں سے افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! میری کیا بساط ہے جو دونوں کا موازنہ کروں،میرا کام یہ ہے کہ انکے لیے دعا کروں''۔

(اولیاء رجال الحدیث:۳۷،سوانح بے بہائے امام اعظم:۱۰۳)

امام ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ:

حضرت ابراہیم بن یزید نخعی رضی اللہ عنہ عراق کے نامور فقیہ اور علم الحدیث کے امام ہیں۔امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر کئی صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔آپ اکثر صحابہ کرام سے بطریق ارسال اور تابعین میں سے حضرت علقمہ،حضرت مسروق اور حضرت اسود رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

حضرت علقمہ بن قیس آپکے ماموں جبکہ حضرت اسود بن یزید آپکے ماموں زاد بھائی تھے اور یہ دونوں حضرات ابن مسعود کے خصوصی اصحاب میں سے تھے۔رضی اللہ عنہم اجمعین

آپ کا لقب ''صیر فی الحدیث'' تھا یعنی کھری کھوٹی احادیث کا پرکھنے والا۔امام اعمش رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ''محدثین تو بہت ہیں مگر حدیث کو پرکھنے والا ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہیں''۔آپ کا وصال ۹۵ھ یا ۹۶ھ میں ہوا۔

جب آپ کا وصال ہوا تو امام شعبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا،حدیث و فقہ کا سب سے بڑا عالم دنیا سے چلا گیا۔کسی نے کہا،کیا وہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ عالم تھے؟ فرمایا،صرف حسن بصری رضی اللہ عنہ سے زیادہ نہیں بلکہ وہ پورے عراق و شام و حجاز میں سب سے بڑے فقیہ تھے۔(اولیاء رجال الحدیث:۴۰،سوانح امام اعظم:۱۰۰)

امام حماد بن ابی سلیمان رضی اللہ عنہ:

آپ کوفے کے عظیم فقیہ،جلیل القدر محدث اور اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے۔صحابہ کرام میں سے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور تابعین میں سے ابراہیم نخعی،سعید بن میسّب،سعید بن جبیر،زید بن وہب،ابو وائل اور امام شعبی وغیرہ رضی اللہ عنہم جیسے فقہاء و محدثین کے مایہ ناز شاگرد ہیں خصوصاً حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کے تمام علوم کے وارث اور جانشین ہیں۔

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 45/51

امام مسلم اور اصحابِ سنن نے آپکی مرویات لکھی ہیں۔ حدیث شریف روایت کرتے وقت آپ پر حال طاری ہو جاتا، بعض اوقات آپ پر بیخودی کا غلبہ ہو جاتا۔ امام یحییٰ بن معین، امام نسائی، امام بخاری اور ابن حبان وغیرہ بڑے بڑے نقادِ حدیث اماموں نے آپ کو کثیر الحدیث، ثقہ اور فقیہ تحریر کیا ہے۔

آپ کے شاگردوں میں امام ابوحنیفہ، امام اعمش، سفیان ثوری، امام شعبہ، امام عاصم احول وغیرہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر ائمہ فقہ وحدیث ہیں۔ ۱۲۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ (اولیاء رجال الحدیث: ۹۷)

☆☆☆☆

باب دوازدہم (12)

فقہ کی ضرورت:

''انسان کی معاشرت کی وسعت نے اتنی چیزوں کا انسان کو محتاج بنا دیا ہے کہ ایک انسان اگر لاکھ کوشش کرے کہ وہ دوسرے سے مستغنی ہو جائے تو محال ہے۔ مسلمان چونکہ عبادت کے علاوہ معاملات میں بھی شریعت کا پابند ہے اس لئے اسے عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی قدم قدم لحظہ لحظہ احکامِ شریعت کی ضرورت ہے۔

آپ صرف عبادات ہی کو لیجئے اسکے فروع و جزئیات کتنے کثیر ہیں اب ہر انسان کو اس کا مکلّف کرنا کہ وہ پورا قرآن مجید مع معنی و مطالب کے حفظ رکھے اور تمام احادیث کو مع سند و مالہ و ماعلیہ یاد رکھے، تکلیف مالا یطاق ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ انسان میں تقسیم کار ہو۔ اس کے نتیجے میں ضروری ہے کہ ایک طبقہ علم دین کی تحصیل اور پھر اس کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو۔ جس کا صریح حکم سورۃ التوبۃ کی آیت ۱۲۲ میں موجود ہے، کہ فرمایا:

لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ۔ ''ہر گروہ سے ایک جماعت فقہ حاصل کرے''۔

رہ گئے عوام تو انھیں یہ حکم ہے : فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔

''علم والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہیں''۔ (النحل: ۴۳)

عوام کو اس کا مکلّف کیا گیا کہ وہ اللہ عزوجل اور رسول ﷺ کے بعد علماء کی اطاعت کریں۔ ارشاد ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۔ اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا اور تم میں جو حکم والے ہیں ان کا حکم مانو۔

اب ایک منزل یہ آتی ہے کہ کوئی شخص ایک مسئلہ پوچھنے آیا تو کیا یہ ضروری ہے کہ اسے قرآن کی وہ آیت پڑھ کے سنائی جائے یا وہ حدیث مع سند کے بیان کی جائے جس سے یہ حکم نکلتا ہے۔ اور استخراج کی وجہ بھی بیان کی جائے۔ اور اگر یہ ضروری قرار دیں تو اس میں کتنی دقت اور دشواری اور حرج ہے وہ ظاہر ہے۔ علاوہ ازیں جن جزئیات میں کوئی آیت یا حدیث نہیں ان جزئیات کے بارے میں کیا کیا جائے۔ جہاں تک میری معلومات ہیں امت کا اس پر عملی طور پر اجماع ہے کہ عوام کو اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اس صورت کا یہ حکم ہے۔

اس لئے ضروری ہوا کہ امت کے جن علماء کو اللہ عزوجل نے یہ صلاحیت اور استطاعت دی ہے کہ وہ قرآن و احادیث کے حفظ و ضبط کے ساتھ ساتھ ان کے معانی اور مطالب سے کماحقہٗ واقف ہیں اور ان کے ناسخ و منسوخ کو جانتے ہیں، جن میں اجتہاد و استنباط کی پوری قوت ہے، وہ خداداد قوت اجتہاد سے احکام شرعیہ کا ایسا مجموعہ تیار کر دیں جن میں منقح احکام مذکور ہوں۔

اس ضرورت کو سب سے پہلے امام الائمہ، سراج الامۃ، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا۔ اور آپ نے اپنی پوری خداداد صلاحیت کو قرآن و احادیث و اقوالِ صحابہ سے مسائل کے استخراج و استنباط میں صرف فرما دیا جسکے احسان سے امتِ مرحومہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً جب کہ وہ دور شروع ہو چکا تھا کہ سینکڑوں نت نئے فتنے اٹھ رہے تھے۔ بدمذہب اسلام دشمن عناصر مسلمانوں میں گھل مل کر ہزار ہا ہزار احادیث گڑھ کر پھیلا چکے تھے۔ اگر فقہ مرتب نہ ہوتی تو امت کا کیا حال ہوتا وہ کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں''۔ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۱۹۰)

کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ کے قسم عبادات کے مقدمہ میں لکھا ہے، ''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے امام حماد رضی اللہ عنہ سے علم حاصل کیا، انہوں نے ابراھیم نخعی رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے علم سیکھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا میلان رائے سے اجتہاد کی طرف تھا اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکو کوفہ بھیجا تو وہاں انکے خیال کو تقویت ملی اور انکے میلانِ رائے میں اضافہ ہوا کیونکہ عراق میں بہت سے ایسے مسائل پیش آئے جن سے مدینہ منورہ کے قیام میں سابقہ نہیں پڑا تھا۔ روز روز نئی جزئیات پیش آتی تھیں لہٰذا ضروری ہوا کہ ان پیش آمدہ مسائل کو قواعدِ شرعیہ پر پیش کیا جائے اور اسکے حکم کے مطابق ان کا جو حکم ہو، استنباط کیا جائے''۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۰۹)

فقہ کی ابتدا:

''شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ صحابہ کے سامنے وضو فرماتے تھے اور کچھ نہ بتاتے تھے کہ یہ رکن ہے، یہ واجب ہے، یہ مستحب ہے۔ صحابہ آپ کو دیکھ کر اسی طرح وضو کرتے تھے، نماز کا بھی یہی حال تھا، یعنی صحابہ فرض و واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے تھے جس طرح رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا خود بھی پڑھ لی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے کسی قوم کو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے بہتر نہیں دیکھا لیکن انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تیرہ مسئلوں سے زیادہ نہیں پوچھے جو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں البتہ جو واقعات غیر معمولی طور سے پیش آتے تھے ان میں لوگ آنحضرت ﷺ سے استفتاء کرتے اور آنحضرت ﷺ جواب دیتے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ لوگوں نے کوئی کام کیا اور آپ نے اس پر تحسین کی یا اس سے نارضامندی ظاہر کی۔ اس قسم کے فتوے عام مجمعوں میں ہوتے تھے اور لوگ آنحضرت ﷺ کے اقوال کو ملحوظ رکھتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا۔ مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کر دیا۔ اب بحث پیش آئی کہ نماز ہوئی یا نہیں اس بحث کے پیدا ہونے کے ساتھ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز میں جس قدر اعمال تھے سب کو فرض کہہ دیا جاتا۔ صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز میں کتنے ارکان فرض و واجب ہیں؟ کتنے مسنون اور مستحب؟ اس تفریق کے لیے جو اصول قرار دیے جا سکتے تھے ان پر تمام صحابہ کی آراء کا متفق ہونا ممکن نہ تھا۔ اس لیے مسائل میں اختلافِ آراء ہوا اور اکثر مسئلوں میں صحابہ کرام کی مختلف آراء قائم ہوئیں۔

بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں انکا عین و اثر بھی پایا نہیں گیا تھا۔ صحابہ کو ان صورتوں میں استنباط، تفریع، حمل النظیر اور قیاس سے کام لینا پڑا۔ ان اصولوں کے طریقے یکساں نہ تھے اس لیے ضروری اختلاف پیدا ہوئے۔ غرض صحابہ ہی کے زمانے میں احکام اور مسائل کا ایک دفتر بن گیا اور جدا جدا طریقے قائم ہو گئے''۔ (سیرۃ النعمان: ۲۱۹)

مجتہد صحابہ کرام اپنے فتاویٰ اور اجتہادات کو جمع نہیں کرتے تھے لیکن بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے پیشِ نظر تابعین کے دور میں علماء و فقہاء نے احادیثِ نبوی اور فقہ و فتاویٰ کی تدوین کا کام شروع کیا۔ شیخ ابوزہرہ مصری رحمہ اللہ لکھتے ہیں،

''مدینہ کے فقہاء حضرت عائشہ، ابن عمر، ابن عباس اور انکے بعد کے تابعین کے فتاویٰ جمع کرنے لگے، وہ انکو دوسرے مسائل کے لیے مبنیٰ قرار دیتے تھے۔ عراق کے فقہاء ابن مسعود اور حضرت علی کے فتاویٰ اور قاضی شریح وغیرہ دیگر قاضیوں کے فیصلوں کو جمع کرتے تھے۔ راویوں کا بیان ہے کہ حضرت ابراھیم نخعی نے بھی فتاویٰ کو ایک مجموعہ میں جمع کیا تھا۔ امام ابوحنیفہ کے استاد امام حماد کا بھی ایک مجموعہ تھا تاہم یہ مجموعے کتابوں کی حیثیت نہیں رکھتے تھے بلکہ انکی حیثیت ایک ذاتی ڈائری کی تھی کہ مجتہد ضرورت کے وقت اسکی طرف رجوع کرتا تھا''۔ (حیات امام ابوحنیفہ: ۳۳۸) رضی اللہ عنہم اجمعین

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مسائل کے استنباط کے قواعد وضع کیے جس کی وجہ سے فقہ، جو ابتدا میں جزئیاتِ مسائل کا نام تھا، ایک مستقل فن بن گیا۔ بعد میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تلامذہ نے مرتب، منظم اور کتابی شکل میں علمِ فقہ کی اشاعت کی۔

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 46/51

فقہی احکام کی اقسام:

مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمہ اللہ قمطراز ہیں،

''رواۃ کی قلت اور کثرت کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں۔متواتر،مشہور،خبر واحد۔

اب یہ بالکل بدیہی ہے کہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت کا ثبوت ایسا یقینی وقطعی ہے کہ اس میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں اور یہی حال حدیثِ متواتر کا ہے ۔حدیث مشہور کا ثبوت بھی یقینی ہے مگر متواتر کی طرح نہیں۔اور خبر واحد میں یہ یقین اور کم درجہ کا ہوجاتا ہے۔اس لئے کہ راوی لاکھ قوی الحافظہ سہی، لاکھ متدین سہی، لاکھ محتاط ومتیقظ سہی مگر ہے تو انسان ہی۔بہرحال اس سے سہو،نسیان،خطا،بھول چوک مستبعد نہیں۔اس لئے جو درجہ دو اور دو سے زائد راویوں کا ہے وہ تنہا ایک کا نہیں ہوسکتا۔اور یہ تعداد جتنی بڑھتی جائے گی قوت بڑھتی جائے گی۔اور تعداد گھٹنے میں قوت گھٹتی جائے گی۔اگرچہ راوی قوی الحافظہ،صدوق،ثقہ،تام الضبط،وغیرہ جامع شرائط ہو۔

اب چونکہ فقہ کی بنیاد جن پر تھی وہ سب ایک درجہ کے نہیں۔اس لئے ضروری ہوا کہ ان سے ثابت ہونے والے امور بھی ایک درجہ کے نہ ہوں بلکہ ان میں بھی مختلف مدارج ہوں۔اس لئے احناف کے یہاں احکام کی ابتدائی تین قسمیں ہوئیں۔مامور بہ،منہی عنہ،مباح۔پھر مامور بہ کی سات قسمیں ہیں۔فرض اعتقادی،فرض عملی،واجب اعتقادی،واجب عملی،سنت مؤکدہ،سنت غیر مؤکدہ،مستحب۔منہی عنہ کی بھی پانچ قسمیں ہیں۔حرام قطعی،مکروہ تحریمی،اساءت،مکروہ تنزیہی،خلاف اولیٰ۔

یہ سب صرف اس لئے کہ قرآن کی عظمت اور قطعیت اپنی جگہ رہے اور احادیث کی عظمت اپنی جگہ۔اور ثابت ہونے والے امور کی ان کے ثبوت کی نوعیت کے اعتبار سے حیثیت اپنی جگہ رہے۔

احکام کے ان فرق مراتب کے موجد حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ ہیں۔فرق مراتب کو سبھی مجتہدین نے قبول کیا۔اس تقسیم سے بہت سے وہ خلجان جو قرآن واحادیث میں بظاہر نظر آتے ہیں خود بخود ختم ہوجاتے ہیں۔مثلاً قرآن مجید میں نماز کے سلسلے میں صرف قیام،قرأت،رکوع،سجود کا حکم ہے احادیث میں ان کی تفصیل ہے۔

مثلاً قیام میں قرأت ہو اور قرأت میں سورۃ فاتحہ ہو۔رکوع،سجود میں تسبیح پڑھی جائے۔فقہاء نے جتنی باتیں قرآن مجید یا احادیث متواترہ سے ثابت ہوئی ان کو فرض قرار دیا بقیہ باتوں کو احادیث کی نوعیت کے لحاظ سے واجب،سنّت،مستحب قرار دیا۔اس کو آپ ایک جزئی مثال سے ذہن نشین کیجئے۔قرآن مجید میں ہے:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآن۔ جتنا تم پر آسان ہو قرآن پڑھو۔

اس آیت کا عموم اس کا مقتضی ہے کہ نمازی قرآن کی جو بھی سورۃ،آیت پڑھ لے نماز ہوجائے گی مگر احادیث میں ہے کہ:

لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب۔ اور کثیر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ سورۃ فاتحہ کے بعد اور بھی قرآن مجید کچھ نہ کچھ پڑھا کرتے تھے جو باعتبارِ معنی حدِ شہرت تک پہنچی ہیں۔ان احادیث کا مفاد یہ ہوا کہ بغیر سورۃ فاتحہ اور ضم سورۃ کے نماز نہیں ہوگی۔فقہاء نے فرق مراتب سے فائدہ اٹھا کر اس تعارض کو دور فرمایا کہ مطلق قرأت فرض اور خاص سورۃ فاتحہ پڑھنا اور ضم سورۃ واجب۔

اگر (معاذ اللہ) احناف احادیث کو قابل عمل نہ جانتے تو بہت آسانی سے کہہ سکتے تھے کہ چونکہ یہ احادیث قرآن کے معارض ہیں لہذا متروک العمل ہیں،اسی لئے احناف کے اصول فقہ کا مسلمہ کلیہ مشہورہ ہے کہ جب قرآن وحدیث میں تعارض ہو تو پہلے تطبیق کی کوشش کی جائے۔تطبیق ہوجائے فبہا ورنہ بدرجۂ مجبوری کتاب اللہ کے مقابلہ میں خبر آحاد ضرور متروک ہوں گی۔کیا کوئی اسے عمل بالحدیث کا ترک کہہ سکتا ہے؟نہیں لیکن عناد کا کوئی علاج نہیں''۔(مقدمہ نزھۃ القاری:۱۹۴)

فقہ حنفی کی بنیاد:

معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں،''رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اسلامی قانون کے دو مستقل،غیر تبدل پذیر ماخذ یعنی قرآن وحدیث مکمل ہوجاتے ہیں۔قانونی نکتۂ نظر سے جب کوئی نئی گتھی پیدا ہوتی تو اسے سلجھانے کے لیے مسلمان سب سے پہلے قرآن اور پھر حدیث سے رجوع کرتے اور اگر ان دونوں میں کوئی حل نہ ملتا تو پیغمبر کے عطا کردہ عظیم الشان اصول یعنی اجتہاد پر عمل کرتے۔یہ اصول بعد میں مسلمانوں کے بہت کام آیا ورنہ اسلامی قانون منجمد ہوجاتا اور مسلمان اسے ناکافی پا کر شاید غیر اسلامی قوانین اختیار کرلینے پر مجبور ہوجاتے۔اجتہاد کے ذریعے ہر نئی چیز کے بارے میں قانون بنانے کا موقع مل گیا''۔(خطباتِ بہاولپور:۸۱)

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ کوفہ میں گزارا اور درس وتدریس کے ذریعہ اپنے کئی شاگردوں کو حدیث وفقہ کا ماہر بنادیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی مدتِ خلافت میں کوفہ ہی میں مقیم رہے اور آپ نے بھی کئی طالبانِ علم کو فیضیاب کیا۔ان دونوں صحابہ کی وجہ سے ہی کوفہ کو 'فقہ کا دار العلوم' کہا گیا۔

معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول،حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو قانون میں خاص ملکہ حاصل تھا اس لیے انکے درس میں قانونی مباحث اور فقیہانہ عناصر ہمیشہ زیادہ ہوتے تھے۔(خطباتِ بہاولپور:۸۳)

چونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اجتہاد وفتوے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے طریقِ کار سے متاثر تھے اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ کوفہ میں فقہ کی اساس حضرت عمر،حضرت علی اور حضرت ابن مسعود سے منقول فتاویٰ تھے جو آگے چل کر فقہ حنفی کی بنیاد بنے۔ان فقہاءِ صحابہ کی تعلیمات کو حضرت علقمہ، حضرت اسود اور قاضی شریح وغیرہ نے کوفہ میں خوب پھیلایا پھر ان سے حضرت ابراہیم نخعی نے اکتسابِ علم وفضل کر کے تمام علم حضرت حماد کو منتقل کیا جو امام اعظم ابوحنیفہ کے استاد تھے۔رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

شیخ ابوزہرہ مصری رحمہ اللہ قمطراز ہیں،''جب یہ ثابت ہوچکا کہ ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے ان تین اکابر صحابہ کی فقہ نقل کر کے حضرت حماد رضی اللہ عنہ تک پہنچائی پھر یہ فقہی ورثہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا تو کوئی وجہ نہیں کہ امام نخعی رضی اللہ عنہ نے نقدِ حدیث میں انکے طرزِ فکر اور نقلِ روایت میں انکی شدید احتیاط کو امام حماد رضی اللہ عنہ تک نہ پہنچایا ہو۔چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ عالم تھا کہ حدیث روایت کرتے وقت ان پر کپکپی طاری ہوجاتی تھی مبادا وہ ایسی چیز بیان کردیں جو حضور ﷺ نے نہ فرمائی ہو مگر اپنی رائے سے فتویٰ دینے میں انھیں کوئی مضائقہ نہ تھا۔

ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو قلتِ روایت کی تلقین کرتے تھے مبادا وہ حدیثِ رسول ﷺ میں دروغ گوئی کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں۔ایسے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی ثقہ راوی بھی حدیث بیان کرتا تو اسے حلف دلاتے اور اس طرح انکی روایت کا تزکیہ کرتے''۔(حیاتِ امام ابوحنیفہ:۵۰۶)

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ حدیث کی روایت میں ارسال کے عادی تھے اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے سے ڈرتے تھے۔قال رسول اللہ ﷺ کہنے پر قال الصحابی کہنے کو ترجیح دیتے تھے۔آپ سے کہا جاتا،کیا آپ کوئی حدیثِ نبوی بیان نہیں کرسکتے؟ تو فرماتے،''حدیث تو بیان کرسکتا ہوں مگر میں قال عمر،قال عبداللہ،قال علقمہ،قال اسود کہنے کو آسان تر اور پسندیدہ خیال کرتا ہوں''۔

بعض دفعہ آپ الفاظِ حدیث روایت کرنے کے بجائے حدیث کا مفہوم خود اپنی طرف سے بیان کردیا کرتے تھے۔(ایضاً:۳۹۹)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ سے شریعت اخذ کرنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کے دو طریقے رائج تھے۔

اول: ظاہری طریقہ یعنی اسناد کے ساتھ حدیث بیان کرنا (متواتر ہو یا غیر متواتر)۔ (بطریقِ ظاہر)

دوم: حضور ﷺ کے اقوال وافعال وتقریر سے جو مسئلہ سمجھنا،اسے آپ ﷺ کی طرف انتساب کیے بغیر بیان کرنا۔(بطریقِ دلالت)

اول الذکر طریقے سے احادیث بیان کرنے میں صحابہ بیحد احتیاط کرتے بلکہ دوسروں کو بھی منع فرماتے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کثرتِ روایت سے منع فرمایا۔حضرت عمر،حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا روایات میں احتیاط کرنا اوپر مذکور ہوا۔امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے روایت کیں انکی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے پچاس حدیثیں بھی ثابت نہیں،حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال ہے''۔(سیرۃ النعمان:۱۷۸بحوالہ مناقبِ الشافعی)

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 47/51

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ظاہری طریقے سے احادیث بیان کرنے کے بجائے مسائل کے استنباط کے لیے اجتہاد کرتے تھے چنانچہ آپ عہدِ نبوی ہی میں فقیہ اور مفتی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

''ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ تمہیں کوئی چیز معلوم کرنا ہو تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھ لو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک ماہرِ قانون تھے اور صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کو ہر چھوٹی چیز کے متعلق زحمت دینے کے بجائے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے اور ان سے پوچھ لیتے۔ انہیں ایک طرح اجازت تھی کہ وہ چھوٹے موٹے مسائل میں فتویٰ دیں۔ (خطباتِ بہاولپور: ۷۹)

سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اس قانون پر عمل کیا اور حدیث کی پہلی قسم کی روایت میں کثرت نہ کی۔ (فقہ الفقیہ: ۳۴ بحوالہ ترمذی)

یہ اکابر صحابہ کرام حدیث کی روایت موخر الذکر طریقے سے کیا کرتے یعنی جو کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو اس پر قرآن وسنت کی روشنی میں فتویٰ صادر فرماتے۔ چنانچہ یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی مرویات جو فقہ حنفی کے نام سے جانی جاتی ہیں، دراصل مذکورہ جید صحابہ کرام کی فقہ یا بالفاظِ دیگر محمدی فقہ ہے۔

مذہب حنفی کے اصول:

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ''یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ علماء کی اس بات سے کہ ''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور انکے اصحاب اہلِ رائے ہیں'' کوئی یہ نہ سمجھے کہ علماء نے انکی توہین کی ہے اور نہ ہی یہ سمجھے کہ یہ حضرات اپنی رائے کو سنت پر ترجیح دیتے ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات متعدد طریقوں سے ثابت ہو چکی ہے کہ آپ سب سے پہلے قرآن مجید سے راہنمائی لیتے ہیں اگر قرآن میں حکم نہیں ملے تو سنت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اگر سنت میں نہ ملے تو صحابہ کرام کا قول لیتے ہیں اور اس قول کو لیتے ہیں جو قرآن وسنت کے زیادہ قریب ہو اور اگر صحابہ کا قول نہیں ملتا تو پھر آپ تابعین کے قول کے پابند نہیں رہتے بلکہ خود اجتہاد کرتے ہیں جیسا کہ دوسرے تابعین اجتہاد کرتے ہیں''۔ (الخیرات الحسان ص ۹۴)

محدث علی قاری رحمہ اللہ نے بھی آپکے اصحابِ رائے ہونے کا یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ ''ان کو اصحابِ رائے اس لیے کہا جاتا ہے کہ انکی رائے دقیق اور عقل تیز ہوتی ہے''۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد دوم)

اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اور انکے اصحاب کو اصحاب الرائے اس لیے نہیں کہا جاتا کہ وہ (معاذ اللہ) اپنی رائے کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں بلکہ انہیں اس لیے اہلِ رائے کہا جاتا ہے کہ وہ عقل و دانائی سے حدیث کے مشکل معانی سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ امام ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۳۶ھ) جو ربیعۃ الرائے کے نام سے مشہور تھے، انکی وجہ تسمیہ کے متعلق امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''وہ امام، حافظ الحدیث، فقیہ، مجتہد اور رائے و قیاس کے ماہر تھے، اسی وجہ سے انہیں ربیعۃ الرائے کہا گیا ہے''۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۱۴۸)

اسی طرح امام مالک، امام شافعی، امام سفیان ثوری و دیگر مجتہدین حضرات بھی صاحب الرائے ہیں لیکن فقہ و اجتہاد اور قیاس و رائے میں جو بلند مقام امام اعظم اور آپکے اصحاب کو ملا، وہ کسی اور کو نہ مل سکا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ''اگر حدیث معروف ہو اور اس میں رائے کی ضرورت ہو تو امام مالک، امام سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم کی رائے ملحوظ رکھنی چاہیے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ ان سب میں فقہ کی تہہ تک پہنچنے والے ہیں اور ان تینوں میں بڑے فقیہ ہیں''۔ (الخیرات الحسان: ۱۰۴)

آپ ہی کا ارشاد ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ''لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ میرے متعلق کہتے ہیں کہ میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں حالانکہ میں تو حدیث سے فتویٰ دیتا ہوں۔''

آپ نے ان سے یہ بھی روایت کیا کہ ''کتاب اللہ میں حکم ہوتے ہوئے کسی کو بھی اپنی رائے سے بولنے کا حق نہیں ہے، اور سنتِ رسول ﷺ میں حکم ہوتے ہوئے کسی کو اپنی رائے سے بولنے کا حق نہیں ہے، اور اسی طرح صحابہ کرام کے اجماع کے ہوتے ہوئے کسی کو اپنی رائے سے بولنے کا حق نہیں

ہے البتہ جس مسئلے میں صحابہ کا اختلاف ہوا ہے تو ہم ان کے اس قول کو لیتے ہیں جو قرآن وسنت کے زیادہ قریب ہو اور جو انکے علاوہ ہے اس میں اجتہاد کیا جاتا ہے اور اپنی رائے سے اجتہاد وہ شخص کر سکتا ہے جس کو اختلاف کا صحیح علم ہو اور وہ قیاس کے اصول وضوابط جانتا ہو''۔ (الخیرات الحسان: ۹۶)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ مذہب حنفی کی بنیاد و اساس دین کے چار معروف اصول یعنی کتاب وسنت اور اجماع و قیاس ہیں۔ ان چاروں اصولوں کے حجت ہونے پر احادیث پہلے ہی پیش کی جا چکی ہیں۔

ایک دن امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کسی سے قیاس کے متعلق گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے چیخ کر کہا، قیاس کو چھوڑ دو کیونکہ پہلا قیاس ابلیس نے کیا تھا۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا، تم نے ٹھیک بات نہیں کی کیونکہ ابلیس نے اپنے قیاس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو رد کیا۔ اس لیے وہ کافر ہوا جبکہ ہمارا قیاس تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اتباع کے لیے ہے کیونکہ ہم قیاس کے ذریعے مسئلہ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب، اسکے رسول ﷺ کی سنت اور صحابہ وتابعین کرام کے اقوال کی طرف لے جا رہے ہیں اور اتباع کے ارد گرد ہی رہتے ہیں تو ہم کس طرح ابلیس ملعون کے مساوی ہو سکتے ہیں؟

یہ سن کر اس شخص نے کہا، ''مجھ سے غلطی ہوئی میں توبہ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپکے دل کو منور کرے جسطرح آپ نے میرے دل کو منور کیا''۔ (الخیرات الحسان: ۹۷)

امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''امام اعظم رضی اللہ عنہ اور انکے تلامذہ قرآن وسنت سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کرتے۔ اگر قرآن وسنت میں حکم نہ ملے تو وہ صحابہ کرام کے اقوال و اعمال کو مشعلِ راہ بناتے ہیں اور اگر ان ذرائع سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو پھر قرآن وسنت کی روشنی میں قیاس کرتے ہیں''۔ (مناقب للموفق: ۱۱۸)

ولی کامل حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کی گواہی بھی ملاحظہ فرمایئے۔ آپ کا ارشاد ہے، ''اگر کسی مسئلہ میں صحیح حدیث مل جاتی تو امام اعظم رحمہ اللہ اسکی اتباع کرتے اور اگر صحابہ کرام وتابعین عظام سے اسکا حکم ملتا تو انکی پیروی کرتے ورنہ قیاس کرتے اور بہترین قیاس کرتے''۔ (الخیرات الحسان: ۹۵)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے، ''تم یہ نہ کہا کرو کہ یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے ہے بلکہ یوں کہا کرو کہ یہ حدیث کی تفسیر ہے''۔ (ذیل الجواہر ج ۲: ۴۶۰) آپ ہی کا ایک اور ارشاد ہے، ''حدیث واثر کا سیکھنا بیشک ضروری ہے مگر اسکی تشریح اور وضاحت کے لیے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی عقل وفہم کی ضرورت ہے تاکہ حدیث کی تفسیر اور اسکا مفہوم سمجھا جا سکے''۔ (مناقب للموفق: ۳۶۳)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ قرآن وحدیث اور صحابہ کرام کے اقوال و آثار کے ہوتے ہوئے ہرگز قیاس و رائے کو اختیار نہ کرتے تھے۔ اور جب آپ قیاس واجتہاد کرتے تو اسکی بنیاد قرآن وسنت اور اجماعِ صحابہ پر قائم ہوتی، اس لیے امت کی اکثریت اسکی تعریف اور پیروی کرتی۔ اسکے باوجود آپکی انکساری اور وسعت نظری کا یہ عالم تھا کہ آپ فرماتے ہیں،

''یہ ہمارا قیاس واجتہاد ہے۔ ہم اس پر کسی کو مجبور نہیں کرتے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ اگر کسی کے پاس اس سے بہتر رائے ہو تو وہ لے آئے ہم اسکو قبول کرنے کو تیار ہیں''۔ (الخیرات الحسان: ۹۸)

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا ابتدا میں یہ گمان تھا کہ آپ قیاس کو احادیث پر مقدم رکھتے ہیں چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،'' ایک دن جامع مسجد کوفہ میں سفیان ثوری، مقاتل بن حیان، حماد بن سلمہ، امام جعفر صادق اور دوسرے علماء رضی اللہ عنہم آئے اور انہوں نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا، ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آپ دین میں بکثرت قیاس کرتے ہیں۔ آپ نے ان علماء سے گفتگو شروع کی اور ظہر تک یہ گفتگو جاری رہی۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا مذہب یہ بیان کیا، ''میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر سنتِ نبوی پر اور پھر صحابہ کرام کے فیصلوں پر۔ اگر ان سب میں مجھے کوئی مسئلہ نہ ملے تو پھر قیاس کرتا ہوں''۔ یہ سن کر علماء کرام کھڑے ہوئے اور آپکے سر اور گھٹنوں کو چوما اور فرمایا، '' آپ علماء کے سردار ہیں۔ ماضی میں جو کچھ ہم نے آپ کے متعلق ناروا کہا وہ لاعلمی میں تھا۔ آپ اسے معاف کر دیں''۔ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ہماری اور آپکی مغفرت فرمائے۔ (المیزان: ۶۶)

قرآن وحدیث میں تطبیق:

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 48/51

''احناف کے اصولِ فقہ کا مشہور کلیہ ہے کہ جب قرآن وحدیث میں تعارض ہو تو پہلے تطبیق کی کوشش کی جائے۔ تطبیق ہو جائے تو بہتر ورنہ بدرجۂ مجبوری کتابُ اللہ کے مقابلہ میں خبرِ آحاد ضرور متروک ہوں گی۔

بات یہ ہے کہ جب قرآن مجید کے قطعی الدلالت معنی کے معارض کوئی روایت ہے تو وہ حدیث ہی نہیں اگرچہ وہ سب طرح سے درست ہو۔ یہ قاعدہ بھی احناف کا تراشیدہ نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں کسی نے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

ان المیت یعذب ببکاء الحی۔ زندہ کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا، اللہ عزوجل ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔ یہ یقین ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولے مگر بھول گئے یا چوک گئے۔ قصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک یہودی عورت کا جنازہ گزرا۔ فرمایا، یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں حالانکہ اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی یہ تنقید اس حدیث کے قرآن کی اس آیت کے معارض ہونے کی وجہ سے تھی کہ فرمایا:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ کوئی دوسرے کا وبال نہیں اٹھائے گا۔

قرآن واحادیث دونوں پر احناف کبھی کبھی ایسے اہم نازک موقعوں پر عمل کر لیتے ہیں کہ ہر منصف، دیانت دار اور ذی فہم داد دیے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ اس کی مثال قرأت خلف امام ہے جس کی قدرے تفصیل یہ ہے:

احناف کا مسلک یہ ہے کہ جب جماعت سے نماز پڑھی جائے تو مقتدی قرأت نہیں کرے گا، خاموش رہے گا، خواہ نماز سرّی ہو یا جہری۔

غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ مقتدی سورۃ فاتحہ ضرور پڑھے گا ان کی دلیل یہ حدیث ہے: **لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب او کما قال** ۔ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

احناف کی دلیل قرآن مجید کا یہ ارشاد ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے''۔ (الاعراف:۲۰۴)

یہ آیت نماز ہی میں قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس لئے یہ اپنے مورد کے اعتبار سے نماز میں قرآن پڑھے جانے کے بارے میں اور قطعی ہو جاتی ہے۔ اور اگر نماز کے بارے میں نہ بھی ہوتی جیسا کہ معاندینِ احناف کی ضد ہے تو بھی **اذا قرئ القرآن** کا عموم نماز میں قرآن پڑھے جانے کو بھی بلاشبہ شامل ہے۔ اس لئے نماز میں قرآن مجید پڑھے جانے کے وقت استماع اور سکوت بنصِ قرآنی ثابت ہے۔ اور حکم صرف بغور سننے کا نہیں بلکہ خاموش رہنے کا بھی ہے۔ حالانکہ بغور سننے کے لئے خاموش رہنا لازم ہے جو خاموش نہ رہے اور خود بولے جائے وہ کیا سنے گا۔ بغور سننے کے بعد خاموش رہنے کو علیحدہ ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ کچھ نمازوں میں قرآن مجید بلند آواز میں پڑھا جاتا ہے، اور کچھ میں آہستہ جن میں بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے ان میں بغور سننے کے ساتھ خاموش رہنا پایا ہی جائے گا۔ جن نمازوں میں آہستہ پڑھا جاتا ہے ان میں چونکہ سنائی نہیں دیتا تو بغور سننا تو نہ ہوگا مگر چپ رہنا ضروری ہوگا۔ اس لئے نماز خواہ سرّی ہو خواہ جہری، امام جب قرأت کرے تو مقتدی پر چپ رہنا بہرحال ضروری ہے، کچھ پڑھنے کی اجازت نہیں۔

اس پر ایک اعتراض امام بخاری نے جزء القرأۃ میں یہ کیا کہ یہ آیت خطبے کے وقت نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی۔ یعنی جب خطبہ ہو رہا ہو اور کوئی آئے تو دو رکعت نماز پڑھے، اس نماز میں یہ قرآن پڑھ رہا ہے اور حاضرین خاموش ہیں۔ مگر اس کے متعلق وہ کوئی سند نہیں پیش کر سکے۔ ان کے برخلاف امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا، اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت مطلقاً نماز میں قرأت کے بارے میں نازل ہوئی۔ اسی بناء پر وہ جہری نمازوں میں مقتدی کو قرأت کی اجازت نہیں دیتے۔ اس سے قطع نظر نص جب عام ہو تو حکم مورد کے ساتھ خاص نہیں رہتا، عام ہی رہتا ہے۔

جب آیت کا صریح مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی قرآن پڑھے تو تم لوگ بغور سنو اور خاموش رہو۔ قرأت اور خاموش رہنے کی تاویل تو امام بخاری نے کر

لی کہ آنے والا قرأت کر رہا ہے لوگ چپ ہیں۔ اگرچہ یہاں حاضرین کا چپ رہنا اس کی قرأت کی وجہ سے نہیں بلکہ خطبہ کی وجہ سے ہے۔ مگر بغور سننے کا یہاں کیا محل؟ اسے امام بخاری نے نہیں بتایا۔ یہ اشکال لاینحل ہے۔ لہٰذا اگر اس آیت کو خطبے کی حالت کے ساتھ خاص کریں تو لازم آئے گا کہ **فاستمعوا له** کا ارشاد حشو اور بے معنی ہو جائے''۔ (مقدمہ نزھۃ القاری:۱۹۳تا۱۹۶)

☆☆☆☆

باب سیزدہم (13)

فقہ حنفی کی تدوین:

فقہ اپنی وسعت و جامعیت کے اعتبار سے زندگی کے تمام مسائل پر حاوی ہے۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے تک اگرچہ فقہ کے بعض مسائل مدون ہو چکے تھے لیکن اسے باقاعدہ ایک کامل دستور اور جامع قانون کی حیثیت حاصل نہ تھی۔ اسوقت تک نہ تو استدلال واستنباطِ مسائل کے قواعد مقرر ہوئے تھے نہ ہی ایسے اصول وضوابط طے ہوئے تھے جن کی روشنی میں احکام کی تفریع کی جاتی۔

بارہا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے سرکاری قاضیوں اور حکام کو فیصلوں میں غلطیاں کرتے دیکھا، یہ بھی تدوینِ فقہ کا ایک سبب تھا۔ نیز تمدن میں وسعت کی وجہ سے روز بروز نئے مسائل پیدا ہوتے جا رہے تھے۔ اطراف وبلاد سے آنے والے سینکڑوں استفتاء امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آنے لگے تو آپ نے یہ ارادہ کیا کہ احکام ومسائل کے وسیع وکثیر جزئیات کو اصولوں کے ساتھ ترتیب دیکر ایک جامع فن کی شکل دیدی جائے تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے اسلامی دستور مشعلِ راہ بن جائے۔

چنانچہ آپ نے تدوینِ فقہ کے عظیم کام کے لیے اپنے شاگردوں میں سے چالیس نامور افراد جو اپنے اپنے فن کے ماہر تھے، انکا انتخاب کر کے ایک دستوری کمیٹی تشکیل دی۔ یہ سب ائمہ حضرات درجۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ ان اراکین کمیٹی میں امام ابو یوسف، امام داؤد طائی، حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ، حضرت حفص بن غیاث اور حضرت عبداللہ بن مبارک کو روایت اور حدیث وآثار میں خاص کمال حاصل تھا۔ حضرت قاسم بن معن اور امام محمد عربیت اور ادب میں مہارت رکھتے تھے جبکہ امام زفر قوتِ استنباط میں مشہور تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''امام اعظم ابوحنیفہ نے ایک کارنامہ انجام دیا جو اسلامی قانون کی تاریخ میں سب سے زیادہ اہم اور یادگار کارنامہ ہے۔ اس زمانے میں امام مالک، امام اوزاعی وغیرہ بڑے بڑے فقیہ موجود تھے۔ انہوں نے کتابیں بھی لکھیں لیکن ان کی کوششیں انفرادی تھیں۔ امام ابوحنیفہ نے سوچا کہ انفرادی کوشش کی جگہ، اسلامی قانون کی تدوین اگر اجتماعی طور پر کی جائے تو بہتر ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بہت سے شاگردوں میں سے چالیس ماہرینِ قانون منتخب کر کے ایک اکیڈمی قائم کی۔ انتخاب میں اس بات کا خیال رکھا کہ جو لوگ قانون کے علاوہ دیگر علوم اور معاملات کے ماہر ہوں، انہیں بھی اکیڈمی کا رکن بنایا جائے غرض مختلف صلاحیتوں کے ماہرین کو اس اکیڈمی میں جمع کیا گیا''۔ (خطباتِ بہاولپور:۸۵)

چونکہ فقہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق مسائل پر مبنی ہے اس لیے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے مختلف علوم وفنون کے ماہرین کو جمع کیا اور پھر انکی معاونت سے اسلامی قوانین کو مرتب کرنے میں مصروف ہو گئے۔

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنی مسند پر رونق افروز ہوتے، آپکے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا اور پھر اس مسئلہ پر آپکے تلامذہ گفتگو کرتے۔ بعض اوقات بحث وتمحیص میں انکی آوازیں بلند ہونے لگتیں اور دیر تک بحث ہوتی رہتی۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نہایت خاموشی سے انکی گفتگو سنتے رہتے پھر جب آپ گفتگو شروع کرتے تو ہر طرف خاموشی چھا جاتی۔

ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ کسی مسئلہ پر گفتگو فرما رہے تھے اور یہ سب حضرات خاموش بیٹھے سن رہے تھے۔ ایک شخص نے یہ منظر دیکھ کر کہا، ''پاک ہے وہ ذات جس نے امام ابوحنیفہ کے لیے ان حضرات کو خاموش کرایا''۔ (مناقب للموفق:۴۱۲)

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 49/51

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ اپنے تلامذہ سے بحث کرتے۔ کبھی تو آپ کے اصحاب دلائل سن کر آپ کی بات مان لیتے اور کبھی آپ کے دلائل کے مقابل اپنے دلائل پیش کرتے۔ امام اعمش رحمہ اللہ آپ کے طریقۂ کار پر یوں تبصرہ کرتے ہیں، ''جب اس مجلس کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا ہے تو اسکے اراکین اس مسئلے کو اس قدر گردش دیتے ہیں اور اسکے ہر پہلو کا اس قدر غور سے جائزہ لیتے ہیں کہ بالآخر اس حل روشن ہو جاتا ہے''۔
(مناقب للکردری، ج ۲:۳)

صدر الائمہ علامہ موفق رحمہ اللہ لکھتے ہیں، امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے مذہب کی اساس اپنے تلامذہ کی شوریٰ پر رکھی اور ان پر اپنی رائے مسلط نہ کی۔ اس سے آپ کا مقصد دین میں احتیاط اور خدا و رسول ﷺ سے پر خلوص تعلق میں انتہائی حد تک کوشاں رہنا تھا۔ آپ ایک مسئلہ پیش کر کے اپنے تلامذہ کی رائے سنتے اور پھر اپنا نظریہ بیان فرماتے۔ ضرورت ہوتی تو ایک ماہ یا زیادہ عرصہ بحث ہوتی۔ حتیٰ کہ جب کسی ایک قول پر آ کر بات ٹھہر جاتی تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ اسے اصول میں درج کر لیتے اس طرح انہوں نے سب اصول تحریر کر لیے۔ (حیاتِ امام ابوحنیفہ:۳۴۱)

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں بحث شروع ہو جاتی اور امام عافیہ رحمہ اللہ اسوقت موجود نہ ہوتے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے، اس بحث کو عافیہ کے آنے تک ختم نہ کرو۔ جب عافیہ آ جاتے اور وہ سب کی رائے سے متفق ہو جاتے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے، اب اس مسئلہ کو لکھ لو۔
(تاریخ بغداد ج ۱۲:۱۰۸)

ان چالیس میں سے دس یا بارہ ائمہ کی ایک اور خصوصی مجلس تھی جس میں امامِ اعظم کے علاوہ امام ابو یوسف، امام زفر، داؤد طائی، عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن زکریا، حبان بن علی، امام مندل بن علی، عافیہ بن یزید، علی بن مسہر، علی بن ظبیان، قاسم بن معن اور اسد بن عمرو شامل تھے جو فیصلہ کو حتمی شکل دیتی اور پھر اسے تحریر کر دیا جاتا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

دستورِ اسلامی کی تدوین کا یہ عظیم الشان کام ۱۲۱ھ میں شروع ہوا اور کئی سال جاری رہا حتیٰ کہ آپکی اسیری کے ایام میں بھی یہ کام جاری تھا۔ اس دستور کے جتنے اجزاء تیار ہو جاتے، ساتھ ہی ساتھ انہیں شائع کر دیا جاتا۔ یہ مجموعہ ''کتبِ فقہ ابی حنفیہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ محدث علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

''امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے تراسی ہزار (۸۳،۰۰۰) مسائل طے کیے، ان میں سے اڑتیس ہزار (۳۸،۰۰۰) عبادات سے متعلق اور دیگر پینتالیس ہزار (۴۵،۰۰۰) مسائل معاملات سے متعلق تھے''۔ (ذیل الجواہر ج ۲:۴۷۲)

آزاد خیال عالم شبلی نعمانی بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ ''امام ابوحنیفہ نے جس قدر مسائل مدوّن کیے ان کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ تھی۔ شمس الائمہ کردری نے لکھا ہے کہ یہ مسائل چھ لاکھ تھے۔ یہ خاص تعداد شاید صحیح نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ انکی تعداد لاکھوں سے کم نہ تھی۔ امام محمد کی جو کتابیں آج موجود ہیں، ان سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے''۔ (سیرۃ النعمان:۱۰۹)

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنے شاگردوں کو تدوینِ فقہ کا اس قدر ماہر بنا دیا تھا کہ یہ کام آپ کے وصال کے بعد بھی جاری رہا۔

ایک شخص نے امام وکیع رحمہ اللہ سے کہا، ''امام ابوحنیفہ سے غلطی ہوئی''۔ تو امام وکیع الجراح رحمہ اللہ نے فرمایا، جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ غلطی کیسے کر سکتے ہیں جبکہ انکے ساتھ امام ابو یوسف اور امام زفر جیسے فقہ کے امام تھے اور یحییٰ بن زکریا بن زائدہ، حفص بن غیاث، امام حبان، امام مندل جیسے محدثین تھے اور قاسم بن معن جیسے لغت و عربیت کے ماہر تھے اور داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زہد و تقویٰ کے امام موجود تھے۔ تو جس کے ساتھی ایسے لوگ ہوں اس سے خطا کیونکر ممکن ہے، کیونکہ اگر وہ غلطی کرتے تو یہ لوگ انکو حق کی طرف لوٹا دیتے''۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین (الخیرات الحسان:۱۰۰)

امام وکیع رحمہ اللہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ تدوینِ فقہ میں جو لوگ شریک تھے وہ سب علم و فضل کے اعتبار سے استادِ زمانہ اور رہبر و راہنما کی حیثیت کے حامل تھے۔ ان اکابرینِ امت نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت اور مجتہدانہ راہنمائی میں فقہ حنفی کی تدوین کر کے اسے مذاہبِ ثلاثہ (مالکی، شافعی اور حنبلی مذاہب) کے لیے نشانِ راہ اور سنگِ میل بنا دیا۔

فقہاء نے کیا خوب فرمایا ہے، ''فقہ کا کھیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بویا، حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے اسے سیراب کیا، حضرت ابراہیم

نخعی رضی اللہ عنہ نے اسے کاٹا، حضرت حماد رضی اللہ عنہ نے اسکا اناج جدا کیا، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے پیسا، امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ نے اسے گوندھا اور امام محمد رضی اللہ عنہ نے اسکی روٹیاں پکائیں جبکہ باقی لوگ اسکے کھانے والے ہیں''۔ (درمختار)

کتبِ فقہ کی تدوین:

امتِ مسلمہ کی سہولت اور علماء کی آسانی کے لیے سب سے پہلے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے تدوینِ کتب کی ضرورت محسوس کی اور علمِ شریعت کی تدوین فرمائی۔

امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں،

''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں یہ صفت منفرد اور خاص ہے کہ آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علمِ شریعت کی تدوین کی اور اسے ابواب میں تقسیم فرمایا پھر اسکی پیروی امام مالک نے ''موطا'' کی ترتیب میں کی۔ امام صاحب سے پہلے کسی نے ایسا نہ کیا کیونکہ صحابہ کرام اور تابعین نے علمِ شریعت کو نہ تو ابواب میں تقسیم کیا اور نہ ہی کوئی کتاب مرتب کی بلکہ وہ اپنے حافظہ کی قوت پر اعتماد کرتے تھے۔ جب امام اعظم رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ علم منتشر ہوتا جا رہا ہے تو انہیں اس کے ضائع ہونے کا خوف ہوا تو آپ نے اسے مدون کر کے ابواب میں تقسیم کیا۔ آپ نے علم الفقہ کو باب الطہارۃ سے شروع کیا پھر باب الصلوٰۃ، پھر تمام عبادات پھر معاملات اور آخر میں وراثت کا باب مرتب کیا''۔ (تبییض الصحیفہ:۴۵)

''امامِ اعظم رضی اللہ عنہ سے پہلے مسائل بیان کیے جاتے تھے مگر جس ترتیب اور ضبط سے امام صاحب نے تدوین فرمائی وہ آپ ہی کی اولیت ہے''۔ (مناقب للموفق:۳۷۹)

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ''آپ سب سے پہلے وہ شخص ہیں جس نے علمِ فقہ کی تدوین کی اور اسکو ابواب میں مدون کیا اور اسکی کتابیں مرتب کیں جیسا کہ آج کل موجود ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''موطا'' میں انہیں کی پیروی کی۔ اس سے قبل لوگ اپنی یادداشت پر اعتماد کرتے تھے۔ آپ ہی سب سے پہلے شخص ہیں جس نے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط وضع کی''۔ (الخیرات الحسان:۱۰۱)

''تعجب ہے کہ جن لوگوں کو امام صاحب سے ہمسری کا دعویٰ تھا وہ بھی (امام اعظم کی) اس کتاب سے بے نیاز نہ تھے۔ امام سفیان ثوری نے بڑے لطائف الحیل سے کتاب الرہن کی نقل حاصل کی اور اسکو اکثر پیشِ نظر رکھتے تھے۔ زائدہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن سفیان کے سرہانے ایک کتاب دیکھی جسکا وہ مطالعہ کر رہے تھے۔ ان سے اجازت مانگ کر میں اسکو دیکھنے لگا تو وہ امام ابوحنیفہ کی کتاب الرہن نکلی۔ میں نے تعجب سے پوچھا، کہ آپ ابوحنیفہ کی کتابیں دیکھتے ہیں؟ بولے، ''کاش انکی سب کتابیں میرے پاس ہوتیں''۔ یہ بھی کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ اسوقت بڑے بڑے مدعیانِ فن موجود تھے اور ان میں بعض امام ابوحنیفہ کی مخالفت بھی رکھتے تھے تاہم کسی کو اس کتاب کی رد و قدح کی جرأت نہیں ہوئی۔ (سیرۃ النعمان: ۲۲۸)

حنفی فقہ جس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ انکے نامور شاگردوں کے مسائل بھی شامل ہیں، دنیائے اسلام کا بہت بڑا مجموعۂ قوانین تھا۔ اگرچہ بعد میں علمائے حنفیہ نے اس میں بہت سا اضافہ کیا، لیکن امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ اور آپکے دیگر شاگرد آپکے طریقۂ اجتہاد کی پیروی کرتے ہوئے اور آپکے مرتب کردہ فقہی قواعد و اصول کے مطابق ہی قرآن و حدیث سے مسائل اخذ کرتے رہے۔ اسی بناء پر امامِ اعظم رضی اللہ عنہ ''مجتہد فی الشرع'' ہیں اور آپکے ان شاگردوں کو ''مجتہد فی المذہب'' کا درجہ حاصل ہے اور وہ اصول میں امامِ اعظم رضی اللہ عنہ ہی کے مقلد ہیں۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے کئی مسائل میں امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ بعض لوگ اس وجہ سے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ حالانکہ اس حقیقت کو خود امام ابو یوسف، امام زفر اور امام محمد رحمہم اللہ نے بیان کیا۔ انکے بقول، ہم نے جو اقوال بظاہر امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہے وہ بھی دراصل امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی کے اقوال ہیں کیونکہ بعض مسائل میں امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے مختلف اور متعدد آراء ظاہر کی تھیں۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا، ''میں نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے کسی قول کی سوائے ایک قول کے مخالفت نہیں کی''۔ (شامی ج ۱:۴۹)

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 50/51

اس طرح امام زفر رحمہ اللہ کا ارشاد ہے،

ما خالفت ابا حنیفة في قول الا وقد كان ابو حنيفة يقول به۔

''میں نے کسی قول میں امام ابوحنیفہ کی مخالفت نہیں کی مگر یہ کہ وہ بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی کا ایک قول ہوتا تھا''۔(الجواھر المضیۃ ،ج۱:۲۴۴)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا فقہی مجموعہ جو کتب فقہ ابی حنفیہ کے نام سے موسوم ہے، اسکی تفصیل حسبِ ذیل ہے، اسے امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ نے مرتب کیا ہے۔

1۔ کتب ظاہر الروایۃ: اس میں چھ کتابیں ہیں۔ جامع صغیر، جامع کبیر، مبسوط، زیادات، السیر الصغیر، السیر الکبیر۔

امام ابوالفضل محمد بن احمد مروزی رحمہ اللہ نے ظاہر الروایۃ کی تمام کتب کے مسائل پر مشتمل ایک کتاب ''کافی'' لکھی۔ امام سرخسی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تیس (۳۰) جلدوں میں شرح لکھی جو ''مبسوط'' کے نام سے مشہور ہے۔

2۔ کتب نوادر:

کتب ظاہر الروایۃ کے علاوہ جو دیگر کتب امام محمد رحمہ اللہ نے تصنیف فرمائیں انہیں نوادرات کہتے ہیں۔ اسمیں کیسانیات، جرجانیات، ہارونیات، امالی امام محمد، نوادر ابن رستم وغیرہ شامل ہیں۔ انکے علاوہ حدیث وفقہ میں امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کی دوسری کتب مثلاً کتاب الحج، کتاب الآثار، کتاب الخراج، اختلاف ابی حنفیہ وابن ابی لیلیٰ، الرد علی سیر الاوزاعی اور موطا امام محمد وغیرہ پر بھی کتب نوادر کا اطلاق ہوتا ہے۔

تصانیفِ امامِ اعظم:

صحابہ کرام اور تابعین عظام کے زمانے میں کتابیں لکھنے کا باقاعدہ رواج نہیں تھا۔ لوگ اپنے حافظے اور یادداشت پر اعتماد کرتے۔ دوسری صدی ہجری میں تصنیف وتالیف کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تدوینِ فقہ کے لیے کوفہ میں مجلسِ فقہ قائم کی جس میں آپ اپنے شاگردوں کو احادیث اور فقہ کا املا کراتے تھے۔

اس علمی ذخیرہ کو آپکے تلامذہ نے اپنے اپنے حلقوں میں بیان کیا اس طرح یہ روایات انہی کی طرف منسوب ہوگئیں۔ گویا آپ کے تلامذہ کی طرف منسوب تصانیف درحقیقت امام اعظم ہی کی تصانیف ہیں۔

انکے علاوہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تصانیف کا مختصر تعارف پیشِ خدمت ہے:-

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی نہایت معروف تصنیف ''فقہ اکبر'' ہے جو کہ اہلسنت وجماعت کے عقائد پر مشتمل ایک رسالہ ہے۔ اسکی متعدد شرحیں لکھی گئیں جن میں محدث علی قاری رحمہ اللہ کی شرح سب سے زیادہ مقبول ہے۔ اسکے علاوہ آپ کی دیگر تصانیف حسب ذیل ہیں:

کتاب السیر۔ الکتاب الاوسط۔ الفقہ الابسط۔ کتاب الرد علی القدریہ۔ العالم والمتعلم۔ کتاب الرائ۔ رسالۃ الامام ابی عثمان التیمی فی الارجاء۔ کتاب اختلاف الصحابہ۔ کتاب الجامع۔ مکتوب وصایا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث پر مشتمل کئی کتب تھیں جنہیں امام محمد بن محمود خوارزمی رحمہ اللہ نے یکجا جمع کردیا ہے۔ مقدمے میں انہوں نے ان سب کو جمع کرنے کا سبب یہ لکھا، کہ بعض جاہلوں نے شام میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو حدیث میں زیادہ دخل نہیں اسی وجہ سے حدیث میں انکی کوئی تصنیف نہیں۔ اس پر مجھے غیرت آئی اور میں نے ان تمام مسانید کو جو علماء نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی احادیث سے جمع کیے تھے، اکٹھا کردیا۔ انکی تفصیل یہ ہے:

۱۔ مسند حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری۔
۲۔ مسند امام ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد۔
۳۔ مسند حافظ ابوالحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ۔
۴۔ مسند حافظ ابونعیم الاصبہانی۔

۵۔ مسند شیخ ابوبکر محمد بن عبدالباقی محمد الانصاری۔
۶۔ مسند امام ابواحمد عبداللہ بن بن عدی الجرجانی۔
۷۔ مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشنانی۔
۸۔ مسند ابوبکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی۔
۹۔ مسند امام قاضی ابو یوسف یعقوب۔
۱۰۔ مسند امام محمد بن حسن الشیبانی۔ ۱۱۔ مسند امام حماد بن امام ابوحنیفہ۔
۱۲۔ آثار امام محمد بن حسن۔ ۱۳۔ مسند امام عبداللہ بن ابی العوام۔

امام خوارزمی رحمہ اللہ نے اپنی جامع المسانید میں ان مسانید کو جمع کیا ہے اور انکی اکابر محدثین تک اسناد بھی بیان کردی ہیں۔

انکے علاوہ اور بھی مسانید ہیں مثلاً:-

۱۴۔ مسند حافظ ابوعبداللہ حسین بن محمد بن خسرو بلخی۔
۱۵۔ مسند امام حصکفی، محدث علی قاری رحمہ اللہ نے اس کی شرح لکھی ہے۔
۱۶۔ مسند امام ماوردی۔
۱۷۔ مسند ابن البزازی، ان دونوں کی بھی شرحیں لکھی گئی ہیں۔

علامہ کوثری مصری رحمہ اللہ نے ''تانیب الخطیب'' میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مسانید کی تعداد اکیس بتائی ہے جن کی سندیں متصل ہیں۔ حافظِ حدیث محمد بن یوسف صالحی شافعی رحمہ اللہ نے ''عقود الجمان'' میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی سترہ مسانید کا سلسلۂ روایت بالاتصال مسانید کے جامعین تک بیان کیا ہے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے مناقب الامام الاعظم میں کہا، ''امام اعظم رضی اللہ عنہ سے محدثین اور فقہاء کی اتنی بڑی جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے کہ جن کا شمار نہیں''۔ علامہ مزنی رحمہ اللہ نے تہذیب الاکمال میں ایک سو کے لگ بھگ ایسے کبار محدثین کو شمار کیا ہے۔ جامع المسانید دیکھیں تو سینکڑوں محدثین کی امام صاحب سے روایات مذکور ہیں جن میں اکثر وہ ائمہ حدیث ہیں جو ائمہ ستہ اور انکے بعد کے دوسرے محدثین کے شیوخ واساتذہ بواسطہ یا بلاواسطہ ہیں۔

ان مسانید کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں وہ احادیث بھی ہیں جو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے براہ راست صحابہ کرام سے سنی ہیں اور ثلاثیات تو اکثر ہیں جن میں امام اعظم رضی اللہ عنہ اور حضور ﷺ تک درمیان میں صرف تین راوی ہیں۔

(مقدمہ نزھۃ القاری:۱۸۵)

☆☆☆☆

باب چہاردہم (14)

امام اعظم ﷛ کے تلامذہ:

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے امام اعظم ﷛ سے علم حدیث وفقہ حاصل کیا ان کا شمار ناممکن ہے۔ بعض ائمہ کا قول ہے کہ کسی کے اتنے اصحاب اور شاگرد نہیں ہوئے جتنے کہ امام اعظم ﷛ کے ہوئے اور علماء اور عوام کو کسی سے اسقدر فیض نہ پہنچا جتنا کہ امامِ اعظم اور انکے اصحاب سے مشتبہ احادیث کی تفسیر، اخذ کردہ مسائل، جدید پیش آنے والے مسائل اور قضا واحکام میں فائدہ پہنچا۔ خدا ان حضرات کو جزائے خیر دے۔ بعض متاخر محدثین نے امام ابوحنیفہ ﷛ کے تذکرہ میں انکے شاگردوں کی تعداد تقریباً آٹھ سو لکھی ہے اور انکے نام ونسب بھی لکھے ہیں۔ طوالت کے خوف سے ہم اسے حذف کرتے ہیں۔(الخیرات الحسان:۸۴)

Copyright © 2010 http://www.ahlesunnat.net All Rights Reserved. 51/51